بریلویت کا ذہنی سفر
تالیف
ڈاکٹر ابو عدنان سہیل
دار الکتاب دیوبند

بریلویت کا ذہنی سفر

ڈاکٹر ابو عدنان سہیل

سابق لیکچرار:
جامعہ طبیہ دیوبند

ناشر

دار الکتاب دیوبند

تفصیلات

نام کتاب : —— "بریلویت کا ذہنی سفر"

مؤلف : —— ڈاکٹر ابو عدنان سہیل

تعدادِ صفحات : —— ۳۴۴

طبع اوّل : —— ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۲ء

کمپیوٹر کتابت : —— یاسر ندیم کمپیوٹرس دیوبند (فضل الرحمٰن القاسمی سدھارتھ نگری)

طباعت : —— یاسر ندیم فوٹو آفسیٹ پریس دیوبند

یہ کتاب اس پتے پر بھی مل سکتی ہے :—
ڈاکٹر ابو عدنان سہیل، فیصل اسکرین پرنٹرس 145/14
نوری نگر، بہیڑی 243201 ضلع بریلی (یوپی)

ناشر
دار الکتاب دیوبند

انتساب

اُن ذی شعور اور حق شناس

افراد کے نام!

جو

حق کی پہچان کسی انسان کی

شخصیت سے نہیں کرتے!

بلکہ

کسی بھی شخص کے مقام ومرتبہ کو

قرآن وسنت

کی

تعلیمات کی روشنی میں ہی

پرکھنے کی

سعی کرتے ہیں!!

ابو عدنان سہیل

حضرت زیاد بن حدیر کہتے ہیں کہ

مجھ سے حضرت عمر بن الخطابؓ نے

فرمایا کہ

هل تعرف ما يهدم الاسلام ؟

قلت لا!

قال يهدمه زلّة العالم

وجدال المنافق بالقرآن

وحكم الائمة المضلين (رواه الدارمی)

یعنی: کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ کونسی چیز اسلام (کی عمارت) کو منہدم کرتی ہے؟

میں نے عرض کیا: نہیں!

فرمایا: عالم کی لغزش، منافق کا قرآن کریم (کے احکام) سے کٹ حجتی کرنا

اور

گمراہ سربراہوں کا فیصلہ اسلام کی عمارت کو گرانے کا سبب بنتا ہے۔!!

پیش لفظ

عام طور پر امتِ مسلمہ کے توحید پسند حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر عقیدہ وعمل کے انحطاط کے نتیجہ میں ''شرک فی الصفات'' کا آزار تو بلا شبہ موجود ہے مگر ''شرک فی الذات'' یعنی دو یا دو سے زیادہ خدا ہونے کا عقیدہ کہیں نہیں ملتا......! توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال میں اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں عموماً شرک کے مختلف اقسام کا ذکر کرتے ہوئے شرک فی الصفات، شرک فی العبادات اور شرک فی العلم وغیرہ کے عنوانات تو ملتے ہیں مگر شرک فی الذات کا مسلمانوں کی نسبت سے کہیں تذکرہ نہیں ملتا! حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے علیحدہ کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی، اور ذاتِ باری تعالیٰ سے اس کی صفات کے علیحدہ یعنی ''غیر ذات'' ہونے کا نظریہ گمراہ فرقہ ''معتزلہ'' کی ایجاد ہے۔ (ملاحظہ ہو تلبیس ابلیس: علامہ ابن جوزیؒ) جبکہ صفات الٰہی نہ توعینِ ذات ہیں، جیسا کہ فلاسفہ متقدمین کا خیال تھا اور نہ غیر ذات! جس طرح اس واجب الوجود کی ذاتِ واحد کی تجلی کا صرف عکس اور پرتو خانہ کعبہ پر ہمہ وقت جلوہ افروز رہتا ہے، ٹھیک اسی طرح صفاتِ الٰہی مثلاً رحم، کرم، شفقت ومحبت، حلم، مہربانی اور جبر وقہر وغیرہ کا عکس انسان کے آئینہ ذات میں بھی کم وبیش نظر آتا ہے۔ اور غالباً یہی مفہوم ہے اس حدیثِ نبوی کا جس میں بتایا گیا ہے کہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ یعنی انسان کے اندر فی نفسہٖ صفاتِ الٰہیہ نہیں ہیں بلکہ صرف ان کا عکس جلوہ فرما ہے اور بس۔

مسلمانوں میں جو لوگ صفاتِ الٰہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اولیاء عظام میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل معتزلہ کے صفات غیر ذات کے اسی عقیدے کی شعوری یا غیر شعوری بازگشت ہے۔۔۔! حقیقت یہ ہے کہ جب تمام صفاتِ الٰہیہ ذاتِ باری سے علیحدہ کوئی مستقل بالذات شئی نہیں ہیں تو لازمی طور پر جب بھی ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے

علاوہ کسی دوسرے میں متصوّر کیا جائے گا تو لامحالہ ان صفات کے ساتھ خود بخود ذاتِ
خداوندی بھی ان ہستیوں کے تعلق سے ذہن کے گوشوں میں خیال پذیر اور جاں گزیں
ہوجائے گی—! چنانچہ دیکھئے۔ اہل تشیع نے حضرت علیؓ اور آئمۂ اہل بیعت کے لئے
صفتِ الٰہی ما کان وما یکون کا علم اور دیگر صفات فرض کیں تو اس کے ساتھ ہی ان ہستیوں کے
لئے مظہرِ ذاتِ خداوندی کا فاسد عقیدہ بھی ان کے اندر پیدا ہوگیا اور عیسائیوں کی طرح
''ثالث ثلاثہ'' کا باطل فلسفہ انہوں نے بھی اپنے گلے لگالیا۔ یعنی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ مع
اپنی ذات وصفات کے حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی میں جلوہ گر ہے۔ اور علیؓ اور محمدؐ چونکہ ان کے
عقیدہ کے مطابق ایک ہی وجود کے دو مختلف نام ہیں، اس لئے یہ تینوں بظاہر علیٰحدہ علیٰحدہ وجود
ہوکر بھی اصلیت میں ایک ہی وجود یعنی ''معبود حقیقی'' ٹھہرے وغیرہ وغیرہ۔

بریلویت کے بانی اور سرخیل جناب احمد رضا خاں بریلوی نے بھی ذات وصفات
خداوندی سے متعلق اپنے اس خاندانی عقیدہ ''ثالث ثلاثہ'' کو نہایت ہوشیاری اور چابکدستی
سے اپنے مریدوں اور معتقدین میں رائج اور مشتہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور بطور تقیہ
انہوں نے اس ضمن میں حضرت علیؓ کا مقام ''غوثِ اعظم'' کے نام سے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو
دے دیا ہے۔ اور ان کے نزدیک حقیقت میں ''غوثیتِ کبریٰ'' یعنی غوثِ اعظم کا مقام کسے
حاصل ہے۔؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔! پیشِ نظر کتاب دراصل بریلویت کے اسی
عقیدہ ''ثالث ثلاثہ'' کے نقاب کشائی کی ایک ادنیٰ کوشش اور دام ہم رنگ زمین سے
بریلویت کے پرستاروں کو آگاہ کرنے کا ''فرض کفایہ'' انجام دینے کا ایک ذریعہ ہے—!!

انسانی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ وہ خود جن جذبات، خیالات اور
معتقدات کو اپناتا ہے وہ اس کو بے حد عزیز ہوتے ہیں۔ ان کی تردید اور مخالفت اس کو بے حد
ناگوار اور بُری محسوس ہوتی ہے، اور ان کی تائید وحمایت اس کی انا کی تسکین کا باعث! روزمرہ
کی زندگی میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ عام طور پر لوگ دورانِ گفتگو اپنی باتوں کی تردید وتنقید پر
کبیدہ خاطر اور ان کی تائید وحمایت سے خوش ہوتے ہیں۔ ہر شخص پوری محفل کو اپنا ہم نوا اور
ہم خیال دیکھنا چاہتا ہے۔ خاص طور پر جب بات نازک جذبات واحساسات سے متعلق ہو یا

اس کے عقائد ومذہب کا معاملہ ہو تو اس کی یہ حسِ تائید وحمایت کئی گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے۔
بالخصوص وہ لوگ جو فطری طور پر انتہائی مشتعل مزاج اور غصہ ور ہوں تو اپنے ''فریق مخالف''
پر اُن کے غیض وغضب کا اظہار حق وناحق کی تمیز کو یکسر فراموش کردیتا ہے اور وہ مغلوب الغضب
ہوکر خوفِ خدا کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ پھر وہ ہر قیمت پر اپنے فریقِ مخالف کی توہین وتذلیل
اور تحقیر واہانت کے درپے ہوجاتے ہیں—!

انسانی فطرت کے اس تناظر میں جب ہم بانیٔ بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب
کی ذہنی پیش رفت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ نسبی
اعتبار سے ایک ''مشتعل مزاج پٹھان'' تھے بلکہ نسل در نسل خاندانی سبائی معتقدات اور ''تقیہ''
و''تبرّا'' کے گھریلو ماحول میں پرورش پانے کے بعد، اہل تشیع پر سُنّی حکمرانوں اور علماء وعوام
کے مبیّنہ ظلم مسلسل کی مفروضہ داستانوں کو سُن سُن کر ان کی آتشِ غضب اور بھڑک اٹھی تھی۔ مگر
اپنے گرد سُنّی ماحول کی مضبوط گرفت اور عقائدِ اہلِ سنت کی ہر طرف پذیرائی کو دیکھ کر انہیں
خون کے گھونٹ پینے اور تقیہ کا مضبوط لبادہ اپنے گرد لپیٹنے پر مجبور کردیا۔ تاہم ہندوستان کی
سرزمین پر مغل حکمراں جہانگیر کی شیعہ بیوی نور جہاں کی انتہائی کوششوں اور شیعہ مجتہدین کے
ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے کے باوجود برصغیر میں شیعی فکر کی نارسائی اور بے وقعتی پر ان کا دل
روتا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ نور اللہ شوستری جیسا صفِ اول کا شیعہ مجتہد...... جو ملکہ نور جہاں کی
سفارش اور کوششوں سے ایران سے بلوا کر ہندوستان کا قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس بنادیا
گیا تھا۔ اور وہ چودہ سال کے طویل عرصے تک ''تقیہ'' کے لبادے میں پوشیدہ رہ کر فقہ حنفی
کے مطابق ہزاروں مقدمات فیصل کرتا رہا...... بالآخر اپنی زیرِ زمین خفیہ شیعہ سرگرمیوں کے
باعث ایک روز پکڑا گیا اور جہانگیر کے حکم سے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ شیعہ حضرات آج بھی
''شہید ثالث'' کے نام سے آگرہ میں ہر سال اس کا ''عرس'' مناتے ہیں—!!

نور اللہ شوستری کے قتل سے ہندوستان میں شیعہ مذہب کے فروغ کا دروازہ تقریباً بند
ہوگیا تھا۔ رہی سہی کسر بارہویں صدی ہجری میں آکر شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی معرکۃ
الآراء کتاب ''تحفۂ اثنا عشریہ'' سے پوری ہوگئی تھی جس نے ''شیعہ مذہب'' کے تابوت میں

آخری کیل بھی ٹھونک دی تھی اور سو سال گذرنے کے باوجود اہلِ تشیع اس کا جواب دینے سے قاصر تھے! شیعیت کی ''مظلومیت'' کی یہ ساری داستان احمد رضا خاں صاحب بریلوی کو نہ صرف یہ کہ اچھی طرح معلوم اور ازبر تھی، بلکہ ان کے وہ تمام نامعلوم شیعہ اتالیق جنہوں نے پسِ پردہ رہ کر پونے چودہ سال کی عمر تک نہایت دلجمعی کے ساتھ احمد رضا خاں صاحب کی شیعہ کاز کے لئے ذہنی تربیت اور ''علمی لیاقت'' پیدا کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا، اثنا عشری معتقدات کے تحفظ اور اہلِ سنت والجماعت کا شیرازہ منتشر کرنے کا شدید جذبہ احمد رضا خاں صاحب کے دل و دماغ میں پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے تھے ——!!

اسلام میں بدعت کے شجرِ خبیثہ کی نمو اور شرک و گمراہی کے افکار و نظریات کی داغ بیل اگرچہ قرونِ اولیٰ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد میں ہی پڑ چکی تھی۔ فرقہ جہمیہ، مرجیہ، اور جبریہ، قدریہ کے علاوہ خوارج، معتزلہ اور روافض کی فتنہ انگیزیاں صحابہؓ کرامؓ کی موجودگی میں ہی کافی بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرقۂ قدریہ کے مبلغ غیلان کو ہشام بن عبد الملک کے ہاتھوں اس لئے قتل کرا دیا تھا کہ وہ تقدیر کے انکار پر اصرار کیا کرتا تھا۔ روافض کی بنا ڈالنے والے سبائی گروہ کی سرکوبی حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے انہیں آگ میں ڈال کر کی تھی۔ اسی فرقۂ جہمیہ کا سرخیل جعد بن درہم جس نے دین میں نئی نئی خرافات پیدا کرنے کی کوششیں کی تھیں اس کو حاکمِ عراق خالد بن عبد اللہ القسری نے عین عید الاضحیٰ کے دن یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا: —— ''ایھا الناس! ضحوا تقبّل اللہ ضحایاکم. انی مضح بالجعد بن درھم انہ زعم انّ اللہ لم یتخذ ابراھیم خلیلاً ولم یکلم موسیٰ تکلیما.''

(اے لوگو! قربانیاں کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے۔ میں جعد بن درہم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس کا باطل گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل یعنی دوست نہیں بنایا تھا اور نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (کوہ طور پر) کلام کیا تھا۔'')

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام باطل فرقوں کے وجود میں آنے پر ہمیشہ ہی ان کے اف فوری طور پر اکابر علماءِ امت نے آواز اٹھائی ہے اور ان کے رد و استیصال پر

کتابیں لکھنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جہمیہ، معطلہ، معتزلہ و روافض کی بدعات و خرافات کے رد میں اسلافِ امت میں سے متعدد علماءِ کرام اور محدثینِ عظام نے قلم اٹھایا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اس سلسلے میں پیش پیش ہیں۔ اسی طرح ان کے فرزند رشید عبد اللہ بن احمدؒ نے اس موضوع پر ''کتاب السنۃ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ان کے علاوہ عبد العزیز الکنانیؒ نے بھی بشیر المریسی کے رد میں ''کتاب الحیرہ'' تحریر فرمائی تھی۔ عثمان بن سعیدؒ نے بھی بشر المریسی کا رد لکھا تھا۔ اور ابی عبد اللہ المروزیؒ نے بھی اس ضمن میں ''کتاب النسۃ'' تحریر فرمائی تھی اور ابی بکر الخلالؒ کی ''کتاب السنۃ'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امام الائمہ محمد بن خزیمہؒ نے ''کتاب التوحید'' لکھ کر ان فرق باطلہ کے قلعہ پر ضرب لگائی، ابی عثمان الصابونیؒ الشافعی، شیخ الاسلام الانصاریؒ، ابی عمر بن عبد البرّ النمریؒ، اور ان کے علاوہ ائمہ اربعہ کے پیرو کار مشاہیر علماءِ امت نے ردِ بدعت و ضلالت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، موفق ابن قدامہ حنبلیؒ اور ان کے اصحاب میں کثیر علماء نے اس موضوع پر وافر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ، حافظ ابن کثیر دمشقیؒ، حافظ عبد الہادیؒ، ابن رجب حنبلیؒ اور علامہ شمس الدین ذہبیؒ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اساطینِ امت کی ردّ بدعات و منکرات پر کتابیں اہلِ علم کے درمیان معروف و متداول ہیں۔ متاخرین میں علامہ ابن عابدین شامیؒ کے علاوہ مجدّد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور اکابر علماءِ دیوبند کی ردِ بدعات و منکرات کے ضمن میں علمی خدمات اور عملی کوششیں ناقابلِ فراموش ہیں ——!!

اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ نہ صرف برِ صغیر ہند و پاک بلکہ تمام عالمِ اسلام میں شجر بدعت کی تخم ریزی اور پھر اس کی آبیاری کرنے والے ہمیشہ سے دشمنانِ اسلام اہلِ تشیع اور ان کے ہمنوا ہی رہے ہیں۔ یہ لوگ اکثر مشائخ تصوف کے بھیس میں رہ کر عوام الناس کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔ موجودہ دور میں شرک و بدعت کی آماجگاہ ''بریلویت'' بھی انہیں اہلِ تشیع کی ایک تقیہ بردار شاخ ہے اور اس کے بانی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے تقیہ کی نقاب پہن کر کیا گل کھلائے ہیں، اسکی تفصیلات آپ کو پیشِ نظر کتاب میں ملیں گی۔ اہلِ تشیع کا

نظریہ ''ثالثُ ثلاثۃ'' نے امتِ مسلمہ کے ایک بڑے طبقے کو شرک و بدعات اور ضلالت و گمراہی کے جس عمیق غار میں ڈھکیل دیا ہے اس کا صحیح اندازہ اور بریلویت کی شیعیت کی طرف معکوس ذہنی پیش رفت کی یہ داستان حقیقت پسند قارئین کے لئے باعثِ تحیّر ثابت ہوگی ---!

اس سے قبل ہم نے اپنی کتاب ''بریلویت۔ طلسم فریب یا حقیقت؟'' صرف اس بات کی وضاحت کے لئے لکھی تھی کہ بریلویت جس کو اکثر باشعور اور پڑھے لکھے عوام ہی نہیں بلکہ قابلِ احترام علماءِ دین اور دانشورانِ ملت بھی عموماً ایک ''مسلک'' اور عقیدہ تسلیم کرتے رہے ہیں اور دینی معاملات اور گفتگو میں اسے ''ہم رتبہ دینی حریف'' کا درجہ دیتے ہیں۔ اصلیت میں یہ ان لوگوں کی سادہ لوحی یا پھر غلط فہمی ہے۔ ورنہ اگر بریلویت کے نام نہاد ''معتقدات'' اور ''افکار و رجحانات'' کا سنجیدگی سے اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ دینِ اسلام کے مسلمہ عقائد اور اعمال کے ساتھ اس طائفہ بریلویہ کی تمام تر موشگافیوں اور قیل و قال اپنی تہہ میں کوئی ٹھوس اور سنجیدہ ''علمی بنیاد'' اور واضح دینی فکر یا تعمیری فلسفۂ حیات نہیں رکھتی جس کی بنیاد پر اسے ایک ''مسلک'' یا صحیح معنوں میں عقیدہ کہا جاسکے۔! زیادہ واضح الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ان لوگوں کی ساری تگ و تاز کا مقصد اور محورِ فکر صرف اور صرف دنیاوی مفاد اور ''پیٹ'' ہے، جس پر انہوں نے اسلامی افکار و عمل اور دینی اصطلاحات کا ایک خوشنما لیبل یا غلاف چڑھا لیا ہے اور بس! ہم نے اپنی اُس کتاب میں بریلویت کو ایک ایسی معجون مرکب سے تشبیہ دی تھی جس کے اجزائے ترکیبی متضاد خاصیتوں کے حامل ہیں، اور اس کے ضرر رساں اجزاء اور مسموم اثرات ملتِ اسلامیہ کے جسدِ خاکی کے لئے کسی بھی صورت میں نفع بخش اور اسے صحت مند بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ سراسر زہرِ قاتل ہیں ---!!

پیشِ نظر کتاب ''بریلویت کا ذہنی سفر'' میں ہم نے بریلوی فکر و ذہنیت کی تحلیلِ نفسی (PSYCO-ANALYSIS) کرنے کی اپنی بساط بھر کوشش کی ہے اور ملتِ اسلامیہ کے خلاف اس کے زہرِ قاتل نظریات اور خطرناک عزائم کو عریاں اور بے نقاب کیا ہے۔ ''عشقِ رسول'' اور ''عقیدتِ اولیاء کرام'' کا دھوکہ دے کر یہ لوگ مسلم عوام کیساتھ انتشارِ امت

اور انہدامِ اسلام کا کتنا خطرناک کھیل عرصۂ دراز سے کھیلتے رہے ہیں، اس کا اندازہ قارئین کرام کو انشاءاللہ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے بخوبی ہو جائے گا ---!

بریلویت کے علم بردار اپنے ہمنوا ''مسلمانوں'' کو سوادِ اعظم یعنی ساری دنیا کے مسلمانوں کی برادری سے ذہنی طور پر اور عملی اعتبار سے کاٹ کر علیحدہ کرنے کے بعد انہیں اسلام کے کن دشمنوں کی آغوش میں پھینکنے کی کوشش میں مصروفِ عمل ہیں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ---!!

اس کتاب میں بھی ہم نے پہلے ہی کی طرح بریلویت کا تعاقب کرتے ہوئے سنجیدگی، متانت اور حفظِ مراتب کو حتی الامکان اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ اقدامی جارحیت اور معذرت خواہی کے مظاہرے سے اس مرتبہ بھی حتی الامکان گریز کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اکابر علماءِ دیوبند کے موقف کی وضاحت اور حمایت میں جو کچھ بھی تحریر کیا گیا ہے، اس کے لئے دلائل و براہین کی فراہمی کی بھرپور کوششیں اور شہادتِ حق کی ادائیگی کا پورا اہتمام کیا ہے۔ اس تالیف کا مقصد گروہی عصبیت کا مظاہرہ، فریقِ مخالف کے اندھی مخالفت اور مذمت اس پر کیچڑ اچھالنا یا اس کو احساسِ شکست میں مبتلا کرنا اور اپنی فتح و ظفر اور ''ذہنی برتری'' کے جھنڈے گاڑنا ہرگز نہیں ہے۔ ہم اپنے نفس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں ہمارا بنیادی مقصد تو محض ان تمام سادہ لوح، خوش فہم اور احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی شخصیت سے بری طرح متاثر و مسحور مسلم عوام کو دلائل و براہین کی روشنی میں ''بریلویت'' کا اصلی چہرہ دکھانا اور انہیں اسلام کے خلاف برپا کی گئی بدترین سازش اور اہلِ تشیع کے خطرناک عزائم اور ہتھکنڈوں سے آگاہ کرنا ہے......! جس طرح ایک مؤرخ بے کم و کاست تاریخ کے تمام واقعات اور نمایاں پہلوؤں کو ایمانداری سے بیان کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح ہم نے بھی ''بریلویت'' کے جارحانہ عزائم اور اسلام کی مظلومیت کی ''داستان'' سنانے اور دامنِ اسلام پر پڑی ہوئی شرک و بدعات کی بدنما سلوٹوں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ اعتقاد و عمل کے بدنما و بدبودار داغ دھبوں کی طرف توجہ دلانے کی انتہائی خلوص سے کوشش کی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہم اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا صحیح اندازہ تو مشاہیرِ اہلِ علم اور بالغ نظر و باشعور قارئین ہی

لگا سکتے ہیں۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد بریلویت سے متاثر و مسحور ہر شخص شاہراہِ حق کا قدر شناس، اور اپنے آباء واجداد سے وراثت میں ملے باطل افکار اور شرک وبدعت کے اعمال سے تائب اور دست بردار ہو جائے کیونکہ کسی بھی انسان کو ہدایت سے سرفراز کرنا یا نہ کرنا بہر حال صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف اور اسی کے اختیار اور قبضہ قدرت میں ہے۔! یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط

آخر میں ہم اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ شرک وبدعات کے تمام تر بدترین مظاہر کے ساتھ ساتھ اہلِ تشیع کے توحید سوز اور اسلام دشمن نظریات واعمال کی پرزور وکالت کرنے اور آنکھ بند کر کے بریلوی حضرات کا ان پر عمل اور ان کے فروغ واشاعت کی ہمہ وقت جدوجہد کے ساتھ ساتھ دشمنانِ اسلام یہود کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے افتراق وانتشار امت کے سبائی ہتھکنڈوں کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کے اندر باہمی عداوت ونفرت اور بغض واختلاف کے بیج بونے کے افسوس ناک طرزِ عمل اور اس طرح دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلامی معاشرہ کی اخوت ووحدت پر کلہاڑا چلانے کی شرمناک کوششوں کے باوجود اس طائفہ بریلویہ کے "عوام الناس"...... جو اپنی جہالت اور سادہ لوحی کی بنا پر بریلویت کے ایمان سوز فلسفہ اور اس کی سبائی سازش سے ناواقف محض ہیں...... ان کو کافر ومرتد اور دنیاوی اعتبار سے خارج از اسلام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب تک کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم انہیں بھی "قادیانیوں" کی طرح کافر ومرتد اور خارج از اسلام تسلیم کرنے پر متفق نہ ہو جائے۔ کیونکہ ہمارے فقہائے کرام نے اس بات کی تاکید اور وضاحت کردی ہے کہ کسی بھی کلمہ گو مسلمان کے اندر اگر ۹۹ علامتیں کفر کی پائی جائیں اور ایک علامت ایمان کی ہو تو اسے کافر کہنے سے گریز کیا جائے گا۔۔۔!

جہاں تک اس "طائفہ بریلویہ" کے ایمان وعمل کی بات ہے تو اپنے شرک وبدعات کے تمام تر مظاہر کے باوجود یہ لوگ نہ صرف یہ کہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی طرح اللہ، اس کے رسولوں پر اس کی کتابوں پر، اس کی فرشتوں پر، یوم آخرت کے وقوع پر اور اچھی بری تقدیر کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان رکھنے کا اقرار کرتے ہیں بلکہ تمام مراسم عبودیت جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ پر بھی جمیع امتِ مسلمہ کی طرح عمل پیرا ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان

کے ایمان وعمل کے چشمۂ صافی میں شرک وبدعات کی غلاظت اور اسلام دشمن افکار ونظریات کے زہریلے اور مہلک جراثیم بڑی مقدار میں شامل ہوگئے ہیں جن کی بنا پر ان کے ایمان وعمل کی افادیت اس دنیا میں مشکوک اور بروزِ حشر قطعی طور پر رائیگاں کہلائے گی۔ تاہم دنیاوی اعتبار سے ان لوگوں کا شمار بہر حال مسلمانوں میں ہی ہوگا اور وہ امتِ مسلمہ کا ہی ایک بیمار عضو اور ناقص حصہ کہے جائیں گے۔۔۔!

روافض یا اہلِ تشیع جن کے مشرکانہ اور ایمان سوز افکار واعمال کی بریلویت کے یہ علم بردار آنکھ بند کر کے پیروی کرتے ہیں، جب ان اہل تشیع کو ہی امتِ مسلمہ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کی طرح کافر ومرتد اور خارج از اسلام قرار نہیں دیا ہے...... حالانکہ ان کے مشرکانہ اعمال اور اسلام دشمن معتقدات میں تاویل کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے...... تو پھر بریلوی حضرات جو انہیں سبائی اعمال ونظریات کو بلاسوچے سمجھے محض بزرگوں کے اعتقاد اور ورثہ کی بنا پر عشق رسولؐ اور عقیدتِ اولیاءِ کرام کے نام پر حرز جان بنائے ہوئے ہیں بھلا انہیں کیسے کفر وارتداد کا کھلا ملزم قرار دیا جاسکتا ہے۔؟ اسلامی معاشرہ میں وہ بلاشبہ مسلمان ہی کہلائیں گے۔ مگر کیسے بدنصیب مسلمان، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"لا یقبل اللہ لصاحب البدعة صوماً ولا صلوٰة ولا صدقة ولا حجاً ولا عمرة ولا جهاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین." (سنن ابن ماجه ص: ٦)

اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے اور نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت، نہ کوئی نفل عبادت۔ وہ اسلام سے ایسا نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔ (ابن ماجہ: ص۶)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی اس حدیث نبوی کا واضح مفہوم یہی ہے کہ شرک وبدعت کے مرتکب لوگ اسلامی معاشرے میں اگرچہ بظاہر مسلمانوں میں ہی شمار ہوتے ہوں، مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کا دعویٰ ایمان باطل اور دفترِ عمل سوخت اور نا قابلِ قبول ہوگا۔ اور اس طرح وہ بروزِ حشر خارج از اسلام اور

زمرۂ کفار ومرتدین میں ہی متصور ہوں گے۔ تہدید نبوی کا دراصل یہ ویسا ہی انداز ہے جیسا
کہ حدیثِ مبارکہ "النکاح من سنتی فمن رغب عن سنی فلیس منی" میں اپنایا
گیا ہے یا پھر وہ حدیثِ نبویؐ جس میں بتایا گیا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو اور اس کی
ادائیگی میں اسے کوئی شرعی عذر بھی لاحق نہ ہو اور وہ شخص حج کئے بغیر مرجائے تو وہ ایسی صورت
میں خواہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر (گویا اسلام سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا) اسی
طرح وہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تاکید قسم کھا کر تین مرتبہ ارشاد فرمایا
کہ وہ شخص صاحبِ ایمان نہیں، وہ شخص ایمان کی صفت سے محروم ہے، وہ شخص دولتِ ایمان
سے تہی دست ہے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ کون؟ فرمایا جس کے شر سے اس کا
پڑوسی محفوظ نہ ہو (اوکما قال) اس قسم کے سلبِ ایمان کے خطرہ سے آگاہ کرنے والی بے شمار
احادیث ہیں جن کا مفہوم اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک ایسے اشخاص کے آخرت میں
خسران وناکامی اور سلبِ ایمان پر دلالت کرتا ہے خواہ وہ شخص اسلامی معاشرہ میں زندگی بھر
بظاہر نیک نام اور "متقی" شمار ہوتا رہے۔۔۔!!

فتوئ کفر اور اس کی اثر پذیری کے ضمن میں ہم نے اس کتاب کے باب نمبر ۶ میں جو
تاریخی شواہد وحقائق سپرد کئے ہیں ان کا مطالعہ قارئین کرام کے لئے تکفیرِ مسلم کے نازک
مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے میں رہنما خطوط فراہم کرے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

تمام اہلِ علم وارباب دانش سے استدعا ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد
جہاں کہیں بھی کوئی خامی اصلاح وترمیم کی گنجائش یا کسی اضافہ کی ضرورت محسوس فرمائیں اس
سے آگاہ کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا تدارک کیا جاسکے......!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ط

ابوعدنان سہیل
۵ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

تعارف

ڈاکٹر ابوعدنان سُہیل ۱۵رستمبر ۱۹۴۶ء میں ضلع بریلی کے ایک مردم خیز قصبہ بہیڑی
کے ایک دینی اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد محترم الحاج مولانا حکیم حبیب احمد
صاحب مظاہریؒ ایک جید عالم اور اپنے علاقے کے مشہور ومعروف طبیب تھے جو زمانہ
طالب علمی میں محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم اور حضرت
مولانا محمد یوسفؒ صاحب سابق امیرِ جماعت تبلیغ کے ہم درس اور ساتھی تھے۔ دینی شعور
اور جذبۂ حق پسندی ڈاکٹر ابوعدنان سُہیل کو ورثہ میں ملا ہے۔ آپ کے نانا محترم مولوی
عبداللہ صاحب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔۔۔!

ڈاکٹر ابوعدنان سُہیل کا اصل نام افتخار احمد ہے لیکن عرصہ دراز سے علمی اور ادبی دنیا
میں "سُہیل آذر" کے قلمی نام سے معروف رہے ہیں۔ اس نام سے ڈاکٹر صاحب کے
بے شمار افسانے ۱۹۷۰ء کی دہائی کے بعد ماہنامہ بیسویں صدی دہلی کے علاوہ ملک کے
دیگر ادبی جریدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ افسانوں کے علاوہ آپ بہت سے علمی مقالات
اور دینی وطبّی موضوعات پر بھی بہت سے مضامین لکھ چکے ہیں۔ دینی موضوع پر ڈاکٹر
صاحب کی ایک وقیع علمی اور تحقیقی کاوش "بریلویت۔ طلسم یا فریب یا حقیقت؟" تین
سال قبل دارالعلوم دیوبند کی "شیخ الہند اکیڈمی" نے بڑے اہتمام سے شائع کی تھی، جو
اس عرصہ میں اپنی افادی حیثیت کی بنا پر مقبولیت کا ریکارڈ قائم کرچکی ہے۔ اس سے قبل
بھی ڈاکٹر صاحب کی ایک اور وقیع علمی کتاب "انکار رجم ایک فکری گمراہی" دیوبند سے
شائع ہوکر علمی اور دینی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت اور پذیرائی حاصل کرچکی ہے۔ جس

کے مقدمہ نگاروں میں حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری مدظلہ العالی اور مورخ اسلام
قاضی اطہر مبارکپوریؒ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری استاذ حدیث
دارالعلوم دیوبند، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اور
مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے
اندازِ تحریر اور ژرف نگاہی کا اعتراف مولانا انظر شاہ کشمیری اور مؤرخ اسلام قاضی اطہر
صاحب مبارکپوریؒ جیسی عبقری اور معتمد ہستیوں نے بھی کیا ہے۔! حال ہی میں ڈاکٹر
ابوعدنان سہیل کی ایک اور قابل قدر کتاب ''اسلام میں بدعت وضلالت کے محرّکات''
سعودی عرب کے دارالسلطنت ریاض سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہے جو نہ
صرف علمی بلکہ صوری اور معنوی اعتبار سے بھی ایک منفرد مقام رکھتی ہے——!!

ڈاکٹر ابوعدنان سہیل ایک طویل مدت تک اگرچہ اپنے قلمی اور ادبی نام ''سہیل
آذر'' سے ہی علمی اور ادبی حلقوں میں متعارف رہے ہیں مگر پھر آپ نے حضرت مولانا
انظر شاہ کشمیری مدظلہ العالی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مشورد
وہدایت پر اپنے قلمی نام سے ''آذر'' کا لاحقہ دینی اعتبار سے محل نظر ہونے کی بنا پر ختم
کردیا اور اب ''ابوعدنان سُہیل'' کے نئے قلمی نام سے ہی آپ کی تصنیفات منظر عام پر
آنے لگی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی نئی کاوش ''بریلویت کا ذہنی سفر'' قارئین کے ہاتھوں
میں ہے——!

ڈاکٹر محمد طاہر ندوی
پرنسپل جامعہ امام ولی اللہ الاسلامیہ
پُھلت (ضلع مظفرنگر) یوپی

باب ۱
احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا رُجحانِ طبع
اور
خاندانی پس منظر

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی جس خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے وہ اپنے افکار
ورجحانات اور نسبی شناخت کے اعتبار سے ''شیعیت'' کا مظہر اور نمائندہ خاندان تھا جو اپنے
سبائی عقیدہ کے مطابق ''تقیہ'' کے زرتار لباس میں خود کو چھپائے ہوئے اہل سنت
والجماعت کے درمیان عرصہ دراز سے انگریزوں کی عطا کردہ جاگیر اور ''زمینداری'' کے
مزے لوٹنے میں مشغول تھا! واضح رہے کہ خانصاحب بریلوی کے پردادا کاظم علی خان
نے بریلی کے سُنّی حکمراں حافظ رحمت خاں کے خلاف انگریزوں اور لکھنؤ کے شیعہ نواب کی
مشترکہ لشکرکشی کے موقع پر نواب شجاع الدولہ والیٔ اودھ سے اظہار وفاداری اور اہل سنت
سے سبائی دشمنی اور کینہ وعداوت کا دلی بخار نکالنے کی غرض سے کھلے عام انگریزوں کا ساتھ
دیا تھا اور ''میران پور کٹرہ'' کی فیصلہ کن جنگ میں ان کی دامے، درمے، سخنے ہر طرح کی
مدد کی تھی جس کے نتیجہ میں حافظ رحمت خان شہید ہوئے اور سنیوں کی قدیم ریاست بریلی،
شاہجہانپور اور پیلی بھیت پر مشتمل جو ''روہیلکھنڈ'' کے نام سے معروف تھی، صفحہ ہستی سے
مٹ گئی۔ اس طرح انگریزوں نے فتح کے بعد انہیں ''حسب وعدہ'' بریلی کے نواح میں
ایک بڑے علاقہ کا جاگیردار بنادیا تھا۔ یہ انگریزوں سے وفاداری کا ہی صلہ تھا کہ ۱۸۵۷ء
کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد پرآشوب دور میں جب کہ انگریز ''علمائے حق'' پر ظلم
وستم کے پہاڑ توڑنے اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تُلا ہوا تھا، قرآن مجید کے لاکھوں
نسخے جلائے جارہے تھے، دینی مدرسوں کو مسمار کیا جارہا تھا، ہندوستان سے اسلام اور
مسلمانوں کو مٹانے کی دن رات کوششیں ہورہی تھیں، چودہ ہزار علماء کو انگریزوں نے

پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا تھا۔اس وقت احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے دادا رضا علی خاں کتنے اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے، "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کے مصنف مانا شاہ قادری کی زبانی سنئے، لکھتے ہیں :—

"۱۸۵۷ء میں جبکہ انگریزوں کے ہاتھوں مسلمان خصوصاً علمائے اسلام کو پھانسیاں دی جا رہی تھیں اور ایک افراتفری کا عالم ہندوستان میں برپا تھا۔اس وقت وہ بریلی کے محلّہ "ذخیرہ" میں اطمینان سے قیام فرما تھے۔مولانا نے باوجود لوگوں کے اصرار کے بریلی نہ چھوڑی۔" {۱}

جناب رضا علی خاں کی اس بے فکری اور اطمینان کی وجہ کیا تھی؟ اور "اعلیٰ حضرت" احمد رضا خاں بریلوی کے دادا کیوں ایسے خطرناک ماحول میں مطمئن اور خوش و خرم تھے۔؟ حیاتِ اعلیٰ حضرت کے مصنف اس راز سے بھی پردہ اٹھاتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:—

"آپ کے پردادا کاظم علی خاں نے انگریزوں کی پولیٹیکل خدمات انجام دی تھیں۔" {۲}

المختصر یہ کہ خانصاحب بریلوی کے پردادا کاظم علی خان نے خالص سُنی ریاست" روہیل کھنڈ کے مٹانے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا اور اودھ کے شیعہ نواب شجاع الدولہ کے شانہ بہ شانہ انگریزوں کی مدد کر کے حق شیعیت ادا کیا تھا۔پھر جب ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی فکر کے امین اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے فتویٰ جہاد پر لبیک کہتے ہوئے میدانِ کارزار میں کود پڑنے والے علماءِ حق پر انگریزوں کے انتقام کا دور دورہ تھا اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے تو اس وقت ان کے بیٹے یعنی خانصاحب بریلوی کے دادا رضا علی خاں کا زمانہ تھا۔شیعہ مذہب کی ترویج و ترقی میں روڑے اٹکانے والے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کی کتابیں "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اور "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" وغیرہ اہل تشیع کے دل

{۱} "حیاتِ اعلیٰ حضرت" مانا شاہ قادری ص۲۰۔

{۲} ("حیاتِ اعلیٰ حضرت" مانا شاہ قادری ص۳)

و دماغ پر بجلی بن کر گری تھیں۔پھر ان کے فرزند رشید شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی "تحفہ اثنا عشریہ" نے شیعہ مذہب کی بنیادوں کو ہی کھوکھلا کر کے رکھ دیا تھا۔اور ایک صدی گذر جانے کے باوجود اہل تشیع اس کا جواب دینے سے قاصر تھے۔اس خاندانِ ولی اللہ کے پیروکار علماء پر انگریزوں کا قہر و غضب ٹوٹا جہاں برصغیر کے تمام اہل تشیع کے لئے باعثِ مسرت و اطمینان تھا وہاں رضا علی خاں بھی اپنے آبائی مذہب کے دشمنوں کی تذلیل اور بربادی پر شاداں و فرحاں اور مطمئن نظر آرہے تھے تو اس میں تعجب کی کیا بات تھی......؟

مغربی یوپی کی سُنی ریاست "روہیل کھنڈ" ان کے والد کاظم علی خاں کے دور میں اور ان کے تعاون اور کوششوں سے تباہ و برباد ہوئی تھی اور اب سُنی علماء کا صفایا خود ان کے دور میں آکر انہیں انگریزوں کے ہاتھوں میں ہو رہا تھا۔ان کے نزدیک گویا اب شیعیت کی ترویج و اشاعت کے لئے میدان صاف ہو گیا تھا۔علماء حق کی گرفت عوام پر سے ختم ہونے کے بعد جاہل اور کم علم عوام الناس کو شیعیت کی آغوش میں لا بٹھانے کے لئے جناب رضا علی خان نے جو "رضا کارانہ منصوبہ" تیار کیا تھا، اس کی تکمیل کے لئے ان کی نگاہِ انتخاب اپنے ہونہار پوتے "امّن میاں" یعنی احمد رضاں خاں پر پڑی اور انہوں نے شیعہ کاز کی بہبود کے لئے ان کی خصوصی تربیت بچپن ہی سے شروع کر دی۔کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ان کے اپنے فرزندار جمند نقی علی خاں کو اس وقت تک شیعہ کاز سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی اور وہ ملک کے دیگر بگڑے ہوئے رئیسوں کی طرح مرغ بازی، بٹیر بازی جیسے بے فکری کے نوابی مشاغل میں ہمہ وقت مشغول و منہمک رہتے تھے—!

مولانا عبدالصمد مقتدری اپنے رسالہ "نذرانہ عرس" میں نقی علی خاں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ :—

"روساء بدایوں وہ کھیڑا بزرگ کے خصوصی مشاغل، مرغ بازی اور بٹیر بازی وغیرہ سے دل چسپی لیتے تھے۔" {۱}

{۱} رسالہ نذرانہ عرس: مولانا عبدالصمد مقتدری، ص ۷۔

{۲} مطالعہ بریلویت: علامہ ڈاکٹر خالد محمود ج: ۱ص: ۱۹۷

جناب رضا علی خاں نے اپنے اس ہونہار پوتے کی تربیت جس نہج پر کی تھی وہ ان کی بیدار مغزی اور شیعی کاز کے لئے ان کی جدوجہد کی آئینہ دار ہے۔ تاہم ان کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ اپنی امیدوں کا مرکز، ذہین وفطین احمد رضا خاں کی ادھوری تربیت چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے۔!

جناب نقی علی خاں نے اپنے والد کی خواہش اور وصیت کو پورا کرنے کے لئے اور اپنے خاندانی مذہب کے مفاد کی خاطر بے فکری کے ان تمام نوابی مشاغل کو ترک کر کے بالآخر اپنے فرزند ارجمند احمد رضا خاں صاحب کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ مرکوز کر دی۔

ان کے دور میں غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کی ہمہ ہمی اور علماء حق کے خلاف انگریز حکومت کی انتقامی کارروائی تقریباً ختم ہو چکی تھی اور اطمینان کا سانس لیتے ہی بچے کھچے علماء حق نے ہندوستان میں اسلام کے بقاء واستحکام کے لئے جہاد بالسیف کے بجائے ''قلمی جہاد'' کا منصوبہ بنا کر عملی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ جس کا اولین مظہر ''دار العلوم دیوبند'' اور ''مدرسہ شاہی مراد آباد'' کا بیک وقت قیام اور ان کے ماتحت تقریباً دس ہزار مکاتب اسلامیہ کی فوری طور پر تاسیس ہو چکی تھی۔ خود بریلی میں ''دیوبندی فکر'' کے دو مدرسے ''مصباح التہذیب'' اور ''اشاعت العلوم'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکے تھے اس دور میں بریلی کے عوام وخواص پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دینی فکر کا غلبہ اور ان کی تعلیمات ان کے ذہنوں پر چھائی ہوئی تھیں۔ نقی علی خاں اپنے فرزند دلبند ''امن میاں'' کو بھلا جانے بوجھتے ہوئے ان ''سنی الفکر'' مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کیسے بھیج دیتے جو شیعیت کے جانی دشمنوں کے قائم کردہ تھے ـــ؟ چنانچہ انہوں نے احمد رضا خاں صاحب کو قواعد کی چند ابتدائی کتابیں خود ہی پڑھائی تھیں۔ پھر شرح چغمینی کے ابتدائی اسباق کے بعد بقول احمد رضا خاں صاحب کے ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ خانصاحب بریلوی اس بات کا خود بھی اعتراف کرتے ہیں کہ :ـــ

میرا کوئی اُستاذ نہیں۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب وتقسیم محض اس لئے سیکھے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں

ان کی ضرورت پڑتی تھی۔ شرح چغمینی شروع کی ہی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا۔ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ یہ علوم مصطفیٰ پیارے کی سرکار سے تم کو خود ہی سکھا دئے جائیں گے۔'' (''المیزان'' بمبئی امام احمد رضا نمبر ۳۳۲)

جناب احمد رضا خاں صاحب کے بچپن کے دور کے ایک اور استاذ کا نام ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے اور وہ ہے نبیِ کذاب غلام احمد قادیانی کا بڑا بھائی غلام قادر بیگ۔ اس کے بعد ان کا تعلیمی پس منظر مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے، اگرچہ خانصاحب بریلوی کے سوانح نگاروں نے انہیں درجنوں علوم وفنون کا عالم بتایا ہے جیسے حدیث، فقہ، علم کلام، منطق، فلسفہ، ریاضی، الجبراء، جغرافیہ، علم ہندسہ، علم ہیئت، علم تکسیر، علم نجوم وجفر میں مہارت کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ اور بھی ایک درجن سے زیادہ معروف وغیر معروف علوم وفنون پر ان کی دسترس کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے جیسے علم توقیت اور صنعت طلسم وتوشح اور شعر وشاعری وغیرہ۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے بارے میں ان کے سوانح نگاروں کا دعویٰ اگر بالفرض دولت اور حقیقت پر مبنی ہے تو پھر ظاہر سی بات ہے کہ اتنے سارے علوم وفنون انہوں نے بغیر کسی استاذ کی مدد کے یونہی تو سیکھ نہیں لئے ہوں گے اور نہ ان پر کوئی ''جعلی وحی'' اترنے کا اعتراف ان کے سوانح نگاروں نے کہیں کیا ہے تو پھر اتنے بہت سے علوم وفنون کی تحصیل انہوں نے آخر کس طرح کی ہے ـــ؟ ان تمام علوم میں خاص طور پر ''علم جفر'' سے جناب احمد رضا خاں صاحب کی غیر معمولی دلچسپی اور ذہنی لگاؤ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کو اس ''خالص شیعی علم'' کی چاٹ لگانے والا کوئی منجھا ہوا شیعہ استاذ ہی تھا۔ کیونکہ شیعی روایات کے مطابق علم جفر کی ایجاد انکے چھٹے امام جعفر صادق نے کی تھی۔{۱} اسی طرح یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اہل تشیع اس مخصوص علم یعنی ''علم جفر'' کو ہمیشہ دوسروں سے چھپاتے رہے ہیں اور غیر شیعہ لوگوں کو سکھانے میں ہمیشہ محتاط رہے ہیں۔ ایک ''مخلص شیعہ'' ہی ان سے یہ علم حاصل کر سکتا ہے ـــ!! اس سے یہ بھی قیاس کیا جاسکتا

{۱} ملاحظہ ہو ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی رازی ج ۱ ص ۲۳۹ مطبوعہ تہران۔

ہے کہ احمد رضا خانصاحب کی عربی وفارسی کی بے پناہ صلاحیت ومہارت اور ان کے ذوقِ شعروشاعری کو پروان چڑھانے والے بھی لامحالہ شیعی اساتذہ واتالیق ہی رہے ہوں گے جن کی شخصیات پر تقیہ کی پردہ دری کے خوف سے کتمان وعدم کا غلاف ڈالدیا گیا ہے—!

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی کتابوں میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے خالص شیعی معتقدات ونظریات، تقیہ کی احتیاط کے باوجود زبان حال سے ان کی شیعی ذہنیت کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور صفاتِ نبوی کا مظہر اتم کہتے ہیں اور ان کے نزدیک مصطفیٰؐ اور مرتضیٰؓ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ ایران کا مشہور شیعی شاعر شاہ نعمت اللہ کرمانی کہتا ہے

مصطفیٰؐ را مرتضیٰؓ دان، مرتضیٰؓ را مصطفیٰؐ
خاک در چشم دو بیناں، دغا باید زدن!

یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اصلیت میں علی مرتضیٰؓ ہی سمجھنا چاہئے اور اسی طرح حضرت مرتضیٰؓ بھی حقیقت میں محمد مصطفیٰؐ کا ہی ایک روپ ہیں۔ جس کسی کو وہ دو الگ الگ وجود نظر آتے ہیں اس کی آنکھوں میں خاک پڑ جائے۔ بلاشبہ وہ دھوکے کا شکار ہے۔ {۱}

ڈاکٹر جے۔ کے برج (Dr. J.K. Brige) نے اپنی کتاب ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' میں شیعوں کے جو مشہور عقائد ان کی مستند اور معتبر کتابوں کے حوالہ سے نقل کئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:—

(۱) اللہ حقیقتِ واحدہ ہے۔

(۲) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ہی اللہ کے مظاہر خاص ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں میں جلوہ فرما ہے۔)

(۳) اللہ، محمدؐ اور علیؓ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے (یعنی تینوں اصلیت میں ایک ہی وجود کے تین نام ہیں)

{۱} ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش'' از یوسف سلیم چشتی ص ۱۱۹ مطبوعہ دہلی۔

(۴) محمدؐ اور علیؓ ایک ہی حقیقت یا ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ {۱}

اہل تشیع کے ان بنیادی معتقدات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے ساتھ خود ہی (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ میں جلوہ گر اور پوشیدہ ہے تو لازمی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام تر الوہی صفات جیسے سمیع، بصیر، علیم، خبیر، عالم الغیب والشہادہ، استعانت، استغاثہ، تقسیم رزق، حاضر وناظر ہونا وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی تسلیم کرنا ضروری اور جزء ایمان ہوں گی۔ اسی طرح جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں تو لازماً حضرت علیؓ بھی ذات وصفات کے لحاظ سے معبود حقیقی ہی ٹھہرے۔ گویا شیعہ حضرات بھی عیسائیوں کی طرح خدا کو ''ثالث ثلاثہ'' یعنی تین میں کا ایک تصور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہ نہ تو عیسائی مانتے ہیں اور نہ ہی شیعہ حضرات—!!

احمد رضا خان صاحب بریلوی اور شیعی نظریات

بانی بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب، شیعوں کے مذکورہ بالا عقیدہ میں کس حد تک ان کے ہمنوا ہیں۔؟ اس کے لئے آیئے ہم ان کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) خانصاحب بریلوی اپنی کتاب ''فتاویٰ افریقہ'' میں صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں:—

''حضور پرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس وانور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثِ کامل ونائب تام وآئینۂ ذات ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنی جمیع صفات، جمال وجلال وکمال وافضال کے ان میں متجلی ہیں، جس طرح ذات عزت احدیت مع جملہ صفات ونعوت جلالت آئینۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تجلی فرما ہے۔ ''من رانی رأی الحق''، تعظیمِ غوثیت عین تعظیم سرکارِ رسالت ہے اور تعظیم سرکار رسالت عین تعظیم حضرت عزت ہے، جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ ثم علیہ وسلم۔''

{۱} ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' ڈاکٹر جے۔ کے برج ص ۱۳۲، ۱۳۳ (مطبوعہ ہاٹ فرڈیو، ایس، اے (امریکہ) ۱۹۳۷ء۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے خالص شیعی عقیدہ پر مبنی یہ عبارت لکھنے کے بعد آخر میں عربی زبان میں یہ الفاظ بطورِ اختتام لکھے ہیں :—

"کفانا الکافی فی الدارین۔ وصلی وسلم علی سید الکونین والہ وصحبہ وَ غوث الثقلین۔" جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(ہمیں (اس عقیدہ کے ثبوت کے لئے) "الجامع الکافی" (یعنی شیعوں کی وہ مستند ترین کتاب جس پر شیعہ مذہب کا دارومدار ہے)، دونوں جہان میں سرخروئی کے لئے) بالکل کافی ہے۔ اور صلواۃ وسلام ہو سید الکونینؐ اوران کی آل پر اوران کے ہمنشیں (صحبہ) پر اور جن وانس کے فریادرس (غوث الثقلین) پر)

واضح رہے کہ عربی زبان میں لفظ "صَحْب" ہم نشیں، ساتھی اور دوست کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع "اصحاب" ہوتی ہے۔ {۱} اہل سنت والجماعت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام میں آپؐ کی آل کو شامل کرتے ہیں تو عموماً آپؐ کے تمام اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی شامل درود کرلیتے ہیں۔ یعنی وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کے الفاظ ان کے درود میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع چونکہ تمام صحابہ کرامؓ کو (باستثناء چار اصحاب رسولؐ) کافر و مرتد سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اس لئے وہ دُرود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک صحابی یعنی حضرت علیؓ کو ہی (مظہر ذات محمدی ہونے کی وجہ سے) درود وسلام کا مستحق سمجھتے ہوئے صحبہ کے لفظ کے ساتھ ان کی طرف ہ کی ضمیر سے اشارہ کرنے کے عادی ہیں۔ جناب احمد رضا خاں بریلوی نے بھی یہاں اسی مشہور "شیعہ ٹیکنک" کا استعمال کیا ہے—!

{۱} شرح عقائد للنسفی کے حاشیہ پر ملا زادہ نے صحابی کی تعریف یوں کی ہے۔ اصحاب جمع صاحب او جمع صحب مخفف صحب بمعنی صاحب وھو من رای نبی علیہ السلام مؤمنا بہ سواءٌ کان فی حال البلوغ او قبلہ وصحبتہ ام لا۔ اصحاب، صاحب کی جمع ہے یا صحب کی جمع ہے جو کہ صحب بمعنی صاحب کا مخفف ہے اور وہ ایسا شخص ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی حالت میں ان کو دیکھا ہو چاہے زمانہ بلوغ میں یا اس سے پہلے۔ اس نے یہ کہا ہو کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے یا نہ کہا ہو۔ (حاشیہ شرح العقائد للنسفیؒ: ص ۱۶۱)

(۲) جہاں تک "غوث الثقلین" اور "غوث اعظم" کی اصطلاح کی بات ہے تو اگر چہ "فاضل بریلوی" جناب احمد رضا خانصاحب کی کتابوں میں سنیّوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہی جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اس سے ان کی مراد مشہور ومعروف صوفی بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں اور خانصاحب بریلوی نے عبدالقادر جیلانیؒ کا نام لیکر ہی ہر جگہ "غوثِ اعظم" کے گن گائے ہیں۔ مگر حقیقت میں "غوث اعظم" ان کے نزدیک کون ہیں؟ خانصاحب بریلوی کی زبانی سنئے۔ وہ "الملفوظ" میں ارشاد فرماتے ہیں:—

"پھر مولا علیؓ کو غوثیت کبریٰ عطا ہوئی اور امامین محترمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ حضرات مستقل غوث ہوئے۔ {۱}

(یعنی (۱) حضرت علیؓ، (۲) امام حسنؓ، (۳) امام حسینؓ، (۴) امام زین العابدین، (۵) امام باقر، (۶) امام جعفر صادق، (۷) امام موسیٰ کاظم، (۸) امام رضا، (۹) امام تقی جواد، (۱۰) امام نقی، (۱۱) امام حسن عسکری اور (۱۲) امام غائب الملقب بہ مہدیؑ)

ظاہر سی بات ہے کہ امتِ مسلمہ "آئمہ معصومین" کے شیعی نظریہ کو من وعن انہیں ناموں کے ساتھ براہِ راست تو قبول نہیں کر سکتی تھی کیونکہ قرآن وسنت کے نصوص اس باطل نظریہ کی نفی کرتے ہیں اس لئے خانصاحب بریلوی نے نہایت ہوشیاری سے ان "شیعہ آئمہ" کو بطور تقیہ "غوث" کے نام سے معنون کر کے "سلسلہ اغواث" کو آئمہ اہل تشیع کے اندر محدود کر دیا——!

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جناب احمد رضا خانصاحب بریلوی کے عقیدے کے مطابق جب سارے ہی "غوث" حقیقت میں نامزد "شیعہ آئمہ معصومین" ہیں اور ان میں بھی حضرت علیؓ کو ان کے خیال کے مطابق "غوثیتِ کبریٰ"، یعنی سب سے بڑے غوث کا بلند ترین منصب حاصل ہے تو پھر ان کے علاوہ دوسرا کون "غوث الاعظم"

{۱} "الملفوظ" جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج ۱ ص ۱۲۱ (مجموع ص ۱۲۷۔

ہوسکتا۔؟ غوثِ اعظم بہر صورت وہی ہوں گے خواہ ان کو براہِ راست حضرت علیؓ کے نام سے متعارف کرایا جائے یا پھر سُنّی عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے بطور تقیہ حضرت علیؓ کے نام کو پوشیدہ رکھ کر ظاہر طور پر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس منصب ''غوث اعظم'' پر متعین دکھایا جائے حقیقت یہ ہے کہ احمد رضا خاں صاحب کی ''غوثِ اعظم'' کے نام پر کی جانے والی ساری مدح سرائی اور غلوئے عقیدت کا تمام تر ''کریڈٹ'' حضرت علیؓ کے نام ہی جاتا ہے۔ اگر بریلویت کے سحر میں گرفتاران کے شیدائی اپنی قوت فہم سے دست بردار ہو کر خانصاحب بریلوی کی ''منقبت غوث'' کا ہدف یا مرکز عقیدت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ذات بابرکات کو سمجھنے پر ہی مُصر ہیں تو یہ ''فاضل بریلوی'' جناب احمد رضا خاں صاحب کی ''تقیہ بازی'' کا کمال تو ہوسکتا ہے، حقیقت نفس الامری نہیں ——!!

لہٰذا —— ایسی صورت میں جب کہ خانصاحب بریلوی کے عقیدے کے مطابق ''غوث الاعظم'' (یعنی بظاہر تو شیخ عبد القادر جیلانیؒ مگر اصلیت میں حضرت علیؓ) کی ذات گرامی میں جناب رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک مع اپنی جمیع صفات جمال وجلال وکمال وافضال سمایا ہوا ہے۔ یعنی شیعی عقیدہ کے مطابق محمدؐ اور علیؓ دونوں ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ جو انہیں علیحدہ علیحدہ دو وجود سمجھے وہ غلطی پر ہے۔ تو اس معنیٰ میں حضرت علیؓ ہی ان کے نزدیک نبی اور رسول ہیں۔ اور خانصاحب بریلوی کے بیان کے مطابق چونکہ اللہ رب العزت کی ذات عزت واحدیت مع جملہ صفات ونعوت جلالت آئینہ محمدی میں جلوہ فرما ہے چنانچہ حدیث نبویؐ من رانی فقد رأی الحق۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۴)
یعنی جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا کی آڑ میں شیعی اصول وعقیدہ کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق چونکہ تعظیم غوثیت عین تعظیم سرکارِ رسالت ہے اور تعظیم سرکارِ رسالت عین تعظیمِ حضرتِ عزت ہے۔ جل جلالہ کا تعظیمی خطاب بھی انہیں کو سزاوار ہے اور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کا صیغۂ درود بھی انہیں کے لئے ہے اسی طرح سلام کے مستحق بھی وہی ہیں۔'' دوسرے الفاظ میں جناب احمد رضا خانصاحب نے اپنے اس عقیدہ کا کھل کر اظہار کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ ہی ''معبودِ حقیقی'' ہیں ——!!

عصرِ حاضر کے مشہور محقق ڈاکٹر زکی مبارک، جن کا تعلق مصر سے ہے۔ اپنی کتاب ''التصوف الاسلامی'' میں لکھتے ہیں :——

الواقع ان الصلة بين التشيع والتصوف فعليّ هو معبود الشيعة وامام الصوفياء {۱}

حقیقت یہ ہے کہ اہل تشیع اور اہل تصوف کے درمیان قدرِ مشترک علیؓ ہیں جو شیعہ حضرات کے لئے معبود کا درجہ رکھتے ہیں اور صوفیوں کے لئے امام کا۔!

(۳) شیعی معتقدات میں حضرت علیؓ کی حقیقی پوزیشن متعین ہو جانے اور انہیں ''معبودِ حقیقی'' باور کئے جانے کے بعد ان کے نزدیک لامحالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ میں تغیر وتبدل ہونا لازمی تھا۔ شیعہ حضرات کے لئے لاکھ خواہش کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ عہدۂ رسالت سے ''معزول'' کر کے حضرت علیؓ کو اس مقام پر متمکن کرنا تو ممکن نہ تھا اگر چہ ڈھکے چھپے الفاظ میں ان کی اس خواہش کا پتہ ان کی کتابوں سے ملتا ہے۔ مثلاً جبرئیل امین کا ''غلطی سے'' وحی رسالت حضرت علیؓ کے بجائے محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر دینے کا خبیث و باطل عقیدہ یا اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ''بھول چوک'' ہو جانے کا شیطانی نظریہ، جو ان کے یہاں ''عقیدۂ بداء'' کے نام سے جانا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تاہم ایسی لچر اور پوچ باتیں چونکہ چلنے والی نہیں تھیں اس لئے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ الوہیت میں اشتراک دکھا کر حضرت علیؓ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی شخصیت کے دو روپ ظاہر کریں تا کہ اس طرح نبوت کا وصف بھی بالواسطہ طور پر سہی حضرت علیؓ کے لئے ثابت ہو جائے۔ چنانچہ ''مصطفےٰ را مرتضیٰ داں مرتضیٰ را مصطفےٰ'' کا عقیدہ ونظریہ عام کیا گیا اس کے علاوہ یہ کہ حضرت علیؓ چونکہ اہلِ تشیع کے نزدیک ''معبودِ حقیقی'' کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ الٰہیہ بھی ان کے اندر موجود ہونی لازمی تھیں۔ اور جو الٰہی صفات حضرت علیؓ میں فرض کی گئیں۔ وہی سب کچھ لامحالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی، ...... حضرت

{۱} ''التصوف الاسلامی'': ڈاکٹر زکی مبارک، ج:۲ ص:۲۳ مطبوعہ مصر۔

علیؓ سے مشارکتِ وجود کی بنا پر...... انہیں تسلیم کرنی پڑیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی یہ شان بتائی گئی ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید-۳)

وہی ازل سے موجود ہے اور ابد تک موجود رہے گا اور ظاہر بھی وہی ہستی ہے اور باطن بھی۔ اور وہ ہر شئی سے واقف و آگاہ ہے......!!

ظاہر سی بات ہے کہ جب اہلِ تشیع کے نزدیک حضرت علیؓ بعینہٖ خدا ہیں اور تمام صفاتِ خداوندی سے متصف ہیں تو اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اول و آخر اور ظاہر و باطن بھی ان کے اندر موجود ہونی لازمی ہے۔ چنانچہ فارسی زبان کے ان اشعار میں جو ایک مشہور و معروف شاعر کی طرف منسوب ہیں، حضرت علیؓ کی مدح سرائی اس طرح کی گئی ہے۔

ہم اول و ہم آخر، ہم ظاہر و ہم باطن — ہم موعد و ہم وعدہ و موعود علیؓ بود!
گوئند ملک ساجد و مسجود بُد آدم — از من بشنو، ساجد و مسجود علیؓ بود!
ہم آدمؑ و ہم شیثؑ و ہم ایوبؑ و ہم ادریسؑ — ہم یوسفؑ و ہم یونسؑ و ہم ہودؑ علیؓ بود!
جبرئیلؑ کہ آمد ز بر خالقِ بے چوں — در پیش محمدؐ شد و مقصود علیؓ بود!
شاہے کہ ولی بود، وصی بود علیؓ بود — سلطانِ سخا و کرم و جود علیؓ بود!
ایں کفر نہ باشد سخنِ کفر نہ ایں ست — تا ہست علیؓ باشد و تا بود علیؓ بود!

مذکورہ بالا اشعار حضرت علیؓ کے لئے اہلِ تشیع کے حقیقی جذبات و عقائد کی ترجمانی کرتے ہیں، اور ان میں بلا تکلف اور بے لاگ طریقہ پر حضرت علیؓ کے معبود و مسجود ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے۔ یا پھر فارسی زبان کے اسی مشہور شاعر سے منسوب مندرجہ ذیل اشعار اسی ضمن میں ملاحظہ ہوں۔

اول و آخر توئی، ظاہر و باطن توئی — مفخر عالم توئی شاہ سلام علیک!
با حیدرخود حیدرم بیرون ز حیدر کافرم — حق را بحق من عرف از شاہِ مرداں یافتم!
اے رہنمائے مومناں اللہ مولنا علی! — اے عیب پوش و غیب داں اللہ مولانا علی!
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغضِ علی — ہر سہ شدند از دیں بری، اللہ مولانا علی {۱}

کیا ان اشعار کو پڑھنے کے بعد بھی کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اہل تشیع حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ ہی کا ایک روپ اور اس کا مظہر نہیں سمجھتے ——؟

یہ ساری خرافات اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود اہلِ تشیع کے لئے ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ اسلام کا لیبل لگا کر اور مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت اور مرتبۂ نبوت کو نظر انداز کر کے براہِ راست حضرت علیؓ کو درجہ میں سب سے بلند و برتر اور ''معبودِ حقیقی'' گردانئے کا عقیدہ عام نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ اس طرح تخفیف مرتبہ رسالت اور توہین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجہ میں مسلمانوں کے شدید ردِّ عمل کا قوی اندیشہ تھا۔ اور اس طرح وہ قطعی طور پر اہلِ اسلام کی صفوں سے باہر ہو جاتے! اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں موجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے پناہ جذبات عقیدت و محبت کو مہمیز کرتے ہوئے ''عشق رسولؐ'' کی آڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ذات و صفاتِ الٰہی کا مظہر قرار دینا ضروری سمجھا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضیٰؓ کے وجود مبارک کو بظاہر علیحدہ علیحدہ اور بباطن وجود واحد قرار دیا۔ اس طرح عیسائیوں کا مشہور عقیدہ ''ثالث ثلاثہ'' چور دروازے سے تقیہ کی آڑ میں مسلمانوں کی صفوں میں پھیلا دیا گیا——!!

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی جن کا مقصدِ زندگی ہی شیعی عقائد کی اہلِ سنت کے درمیان ترویج و اشاعت تھی، ناممکن تھا کہ وہ اہلِ تشیع کے اس ''بنیادی عقیدہ'' کی تبلیغ اپنے مریدوں اور معتقدین میں نہ کرتے۔ چنانچہ انہوں نے بھی براہِ راست حضرت علیؓ کے لئے الوہیت کے عقیدہ کی تبلیغ کرنے کے بجائے، شیعی عقیدہ کے مطابق حضرت علیؓ کی ذات و صفاتِ الٰہی کا مظہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہوئے تقیہ کی آڑ میں تمام صفاتِ الٰہی آپؐ کی ذاتِ اقدس سے منسوب کر دیں اور اس کا نام رکھا ''عشقِ رسول''۔ حالانکہ ان کی یہ ساری نعت و منقبت اور مدح سرائی بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) {۱} بحوالہ ''تاریخ تصوف'' از پروفیسر سلیم چشتی ص ۲۲۷ (مطبوعہ پاکستان) و ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش'' از یوسف سلیم چشتی ص ۳۹، ۴۰ (مطبوعہ دہلی)۔

لیکر ہے مگر اصلیت میں احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے شیعی عقیدہ کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ میں حضرت علیؓ کی شانِ الوہیت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں ؎

نہ ہو سکتے ہیں دو اول نہ ہو سکتے ہیں دو آخر
تم اول اور آخر ابتداء تم انتہا تم ہو
خدا کہتے نہیں بنتی جدا کہتے نہیں بنتی
اسی پر اس کو چھوڑا ہے وہی جانے کہ کیا تم ہو {۱}

یعنی قرآن مجید میں تو اول وآخر ہونا اگرچہ اللہ تعالیٰ کی صفات بتایا گیا ہے مگر میرا عقیدہ یہ ہے کہ اصلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی (جو حضرت علیؓ کا ہی ایک روپ ہیں) اول وآخر ہیں اور ازلی وابدی کی صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کائنات میں دو اول وآخر وجود ہونا ممکن نہیں، یعنی اللہ بھی اول وآخر ہو اور رسول اللہ بھی اسی صفت کے حامل ہوں۔ مگر قرآن کی تصریح کے مطابق اول وآخر کی صفت چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہی بتائی جاتی ہے، اس لئے میرے نزدیک اصلیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی (یا ان کے پردہ میں حضرت علیؓ) اللہ اور معبودِ حقیقی ہیں مگر میرے لئے سخت مشکل یہ ہے کہ میں کھل کر آپؐ کے خدا ہونے کا اعلان بھی نہیں کر سکتا (کیونکہ تقیہ مانع ہے) اور ایک مخلص شیعہ کی حیثیت سے آپؐ کو خدا سے جدا یعنی خدا کے علاوہ دوسری ہستی بھی کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس معمہ کو یونہی الجھا ہوا چھوڑتا ہوں۔ اپنی خدائی حیثیت کا فیصلہ خدا خود ہی کرلے گا۔!!

جناب احمد رضا خاں صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

مظہر حق ہو تمہیں، مظہر حق ہو تمہیں
تم میں ہے ظاہر خدا تم پہ کروڑوں درود {۲}

{۱} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۲ ص ۱۰۴۔
{۲} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۲ ص ۱۶۔

اس شعر میں خانصاحب بریلوی نے ''مظہر حق ہو تمہیں'' کی تکرار دو مرتبہ یونہی بلاوجہ نہیں کی ہے اور نہ ہی ضرورتِ شعری کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے۔ کیونکہ مصرع کی تکمیل ''مظہر حق ہو تمہیں، آقائی مکّی مدنی'' یا کوئی اور ہموزن اور مناسب وموزوں ٹکڑا لگا کر کی جا سکتی تھی۔ مگر یہاں چونکہ انہیں اپنے اس شیعی عقیدہ کا درپردہ اظہار کرنا ضروری تھی کہ محمدؐ اور علیؓ دونوں میں ہی خدا کا وجود ہے یا پھر دوسرے الفاظ میں دونوں ہی خدا کا روپ ہیں۔ اس لئے دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ''مظہر حق'' کی تکرار کرنا لازمی امر تھا......! اس کے علاوہ خانصاحب بریلویؔ کے اس شعر پر بطور جملہ معترضہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب اہل ہنود رامؔ اور کرشنؔ کو انسان کی صورت میں خدا یا خدا کا اوتار ماننے اور ان میں ''بھگوان کے پرکٹ ہونے'' کا عقیدہ رکھنے کی بنا پر قطعی مشرک اور جہنم کا ایندھن کہے جاتے ہیں تو پھر آخر احمد رضا خاں صاحب میں کونسے سُرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ وہ اور ان کے ماننے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یا بالفاظ دیگر حضرت علیؓ) میں خدا کا ظہور ماننے اور انہیں خدا کا ہی ایک روپ کہنے کے باوجود خود کو سچا مومن ومسلم اور بزعم خویش جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں......! خانصاحب بریلوی کا ایک مشہور شعر ہے ؎

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دُور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی!

شب معراج کا ذکر کرتے ہوئے جناب احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

اٹھے جو قصر دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی، نہ کہہ وہی تھے ارے وہی تھے {۱}

یعنی شب معراج میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے عرش کے قریب پہونچے تو وقتِ ملاقات اللہ تعالیٰ نے حجاب رویت ہٹا دیا اور اس وقت پتہ چلا کہ جو ہستی عرش پر مستوی تھی وہ کوئی اور نہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔! (استغفر اللہ ونعوذ باللہ من ذالک الخرافات)

{۱} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۱ ص ۱۱۴۔

اسی بات کو خانصاحب بریلوی نے دوسری جگہ مزید وضاحت کیساتھ بیان کیا ہے۔

وہی نورِ حق، وہی ظلِ رب، ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں!!
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں!! {۱}

کیا سمجھے آپ۔؟ یہاں خانصاحب بریلوی اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کرنے والے اور دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک حقیقی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ (اور شیعی عقائد کے مطابق جب حضرت علیؓ ہی حضورؐ کی شکل میں وجود پذیر ہیں تو پھر زمین و آسمان کی ملکیت کا حق انہیں کو پہنچتا ہے) کیونکہ وہی تو اللہ کا نور اور اس کا سایہ ہیں۔ چنانچہ زمین و آسمان کی کوئی شئ ایسی نہیں جو آپؐ کی (یا بالفاظِ دیگر حضرت علیؓ کی) ملکیت نہ ہو۔ عرش پر مستوی کوئی اور نہیں بلکہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (یا آپؐ کے پردہ میں حضرت علیؓ ہی عرش پر متمکن ہیں) آپ کی شان یہ ہے کہ لامکیں کے مکین آپؐ ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔ اور رہ گیا خدا تو وہ یونہی ''بے گھر اور بے در'' مارا مارا پھر رہا ہے۔ (استغفر اللہ ونعوذ باللہ من ذالک)

احمد رضا خاں صاحب کا ایک اور شعر اسی ضمن میں ملاحظہ ہو:۔۔۔

اٹھا دو پردہ، دکھا دو چہرہ کہ نورِ باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے {۲}

ہر ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ زمان و مکان، جسم و ہیئت اور جہت سمت سے ماوراء اور پاک ہے۔ وہ تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ خانصاحب بریلوی کے اس شعر کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور حضور ﷺ کے پردہ میں جلوہ گر ہے اور اگر آپ پردہ اٹھا دیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ آپؐ خود ہی خدا ہیں...... ! (نعوذ باللہ)

{۱} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۲ ص ۴۸۔
{۲} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۱ ص ۸۰۔

خانصاحب بریلوی کی انہیں ایمان سوز تعلیمات کا شعوری یا لاشعوری اثر تھا کہ ان کے متبعین اور شیدائی و فدائی شعراء کے بھی اسی قسم کے کھلے ہوئے شرکیہ اور ہندوؤں کے نظریہ اوتار کی ترجمانی کرنے والے اشعار بریلوی لٹریچر میں عام طور پر ملتے ہیں اور ایسے توحید سوز اشعار کہتے ہوئے انہیں ذرا بھی جھجک اور خوفِ خدا محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً بریلوی حلقوں میں مشہور ایک شعر ملاحظہ ہو:۔۔۔

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

محمد یار خاں گڈھی بختیار خاں اپنے پیر کے بارے میں لکھتے ہیں:۔۔۔

کیا خدا کی شان ہے، یا خود خدا ہے جلوہ گر
ملتی ہے اللہ سے، تصویر میرے پیر کی! {۱}

مولوی غلام جہانیاں ایک مقام پر شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

نقش فرید نقش ہے رب مجید کا — اظہارِ ذاتِ حق ہے سراپا فرید کا
طالب کبھی چھپا ہے چھپانے سے نورِ حق — پردہ نشیں نے پردہ کیا ہے فرید کا {۲}

(۴) شیعوں کی ایک مخصوص اور مشہور و معروف اصطلاح ''ما کان وما یکون'' ہے۔ شیعہ علماء کے نزدیک اس سے مراد ''لوح محفوظ'' ہوتی ہے، جس میں ازل سے ابد تک کی ساری باتیں، احوال و کوائف، اخبار و حوادث اور موجودات کا علم محفوظ ہے۔ کائنات کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی شئ یا ایک ذرّہ بھی ایسا نہیں جس کے بارے میں لوح محفوظ میں تذکرہ نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اسے آپ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایک ایسا الٰہی ریکارڈ ہے جو کائنات کے نظم وضبط اور تدبیر و تصرف کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے وجود میں لانے سے بہت عرصہ قبل لفظ ''کُن'' فرما کر پیدا کیا تھا اور وہ فوراً ایک لحظہ میں وجود میں آ گیا تھا...... ! اللہ تعالیٰ کے اس ''کُن'' فرمانے میں کائنات و عالم موجودات اور ان

{۱} ''دیوان محمدی'' محمد یار خاں گڈھی بختیار خاں ص ۵۷۔
{۲} ''تحفت اقطاب'' مولوی غلام جہانیاں ص ۱۰۱۔

کی ضروریات کے لئے ارادۂ الٰہی نے جو بھی مناسب وموزوں سمجھا، اس کے وجود وکیفیات اور ہرشئی کی تقدیر کا امر پوشیدہ تھا اور ''فیکون'' میں اس امر الٰہی کے وجود پذیر ہونے کی تفصیلات اور وہ بہت کچھ شامل ہے جس کو رب العالمین کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔!

بہر حال جس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ یہ کائنات لامحدود اور لاپیدا کنار ہے اسی طرح اس وسیع اور لامحدود کائنات کی بے شمار لامحدود جزئیات اور ان کے لئے احکام وفرامین الٰہی کی نوعیت کا علم بھی لامحدود اور انسانی دسترس سے باہر ہے......! گویا ''لوح محفوظ'' ایک ایسا رازِ الٰہی ہے جس تک کسی انسان، جن، یا فرشتہ غرض کائنات میں سے کسی بھی مخلوق کی پہونچ اور دسترس نہیں ہوسکتی: سوائے اس رب العالمین، باری تعالیٰ اور خالق کائنات کے۔ لیکن شیعی لٹریچر کیا کہتا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں......!

اہل تشیع کی مستندترین کتاب ''الجامع الکافی'' میں ابو جعفر یعقوب کلینی رازی نے لکھا ہے کہ :—

ان الائمة عليهم السلام يعلمون علم ما كان وما يكون وانه لا يخفى عليهم الشئ صلواة الله عليهم.

بے شک ائمہ اہل بیت ''ماکان وما یکون'' کا علم رکھتے ہیں اور کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں ہے ان آئمہ پر درود وسلام ہو۔ {۱}

اہل تشیع کے اس عقیدہ کا واضح اور صاحب مطلب یہی ہے کہ ''ماکان وما یکون'' یعنی لوح محفوظ کے مندرجات سے نہ صرف یہ کہ شیعہ اماموں کے سرخیل حضرت علیؓ ہی کلّی طور پر واقف اور آگاہ ہیں بلکہ آپ کی نسل سے باقی آئمہ اہل تشیع بھی ''لوحِ محفوظ'' یعنی ماکان وما یکون کی تفصیلات کا علم رکھتے ہیں!

یہی عقیدہ امام جعفر صادق سے منسوب کرتے ہوئے ''اصولِ کافی'' میں دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

لو كنت بين موسىٰ والخضر لاخبرتهما انى اعلم منهما ولأنبأتهما ما ليس فى ايديهما لان موسىٰ والخضر عليهما السلام اعطيا علم ما كان ولم يعطيا علم ما يكون وما هو كائن حتى تقوم الساعة وقد ورثناه من رسول الله ﷺ و آله وراثة. {۱}

اگر میں موسیٰ علیہ السلام اور خضرؑ کے درمیان ہوتا تو ان کو بتاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور ان کو اس سے باخبر کرتا جو ان کے علم میں نہیں تھا۔ کیونکہ موسیٰ وخضر علیہما السلام کو صرف ''ماکان'' کا علم عطا ہوا تھا اور ''مایکون'' اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اسکا علم انہیں نہیں دیا گیا تھا اور ہم کو وہ علم رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں حاصل ہوا ہے۔

{۱} ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی رازی۔ ج:۱،ص ۲۴۲و ''میراث ایران'' (انگریزی) ص ۱۵۳۔

واضح رہے کہ شیعی لٹریچر میں جہاں کہیں بھی ''ائمہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے ان کی اصل مراد اہل تشیع کے ''راس الائمہ'' حضرت علیؓ ہی ہوتے ہیں البتہ ضمناً ان کی اولاد میں سے باقی ائمہ بھی بطور ''وراثت'' شانِ الوہیت میں شریک مانے گئے ہیں اور پھر حضرت علیؓ جب ان کے نزدیک ''معبودِ حقیقی'' اور ''عینِ خدا'' ہی ہیں تو ان کی اولاد میں ان کی خدائی صفات اور طاقت وقدرت کیوں نہ منتقل ہوگی؟ اور انہیں بھی ''ذیلی خداؤں'' میں شمار کرنے کی ہی وجہ ہے کہ شیعہ لٹریچر میں اماموں کا مرتبہ پیغمبری سے برتر مانا گیا ہے۔

ملا باقر مجلسی جو شیعوں کا عظیم مجتہد اور کثیر التصانیف ''بزرگ'' شمار ہوتا ہے۔ اپنی کتاب ''حیات القلوب'' میں لکھتا ہے :—

''امامت بالاتر از رتبۂ پیغمبری است''

امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔ {۲}

ازل سے ابد تک کی ساری باتوں کا علم جو شیعی اصطلاح میں ''ماکان وما یکون'' کا علم یا پھر انہیں کی تشریح کے مطابق ''لوح محفوظ کے مندرجات کا علم'' کہلاتا ہے اہلِ اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ ہی قدیم،

{۱} ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی رازی۔ ج۱ص ۱۶۰۔

{۲} ''حیات القلوب'' ملا باقر مجلسی اصفہانی ج:۳ص ۱۰

غیر حادث اور ساری کائنات پر محیط ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْماً (الطلاق-۱۲)

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔!

اہلِ تشیع کا اپنے ''آئمہ معصومین'' کو ''ماکان وما یکون'' کا جاننے والا تسلیم کرنا گویا ان کو بھی مخلوق کی صفت سے خارج کر کے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرح قدیم یعنی ازل سے موجود اور غیر حادث یعنی ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والا اقرار دینا ہے۔ یعنی بالفاظِ دیگر اہل تشیع انہیں بھی ''عینِ خدا'' اور ''معبودِ حقیقی'' ہی سمجھتے ہیں۔ اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے نہیں۔!!

یہی بات ذرا گھما پھرا کر آنجہانی آیت اللہ خمینی نے اپنی کتاب ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' میں ''الولایۃ التکوینیۃ'' کے عنوان کے تحت لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو —

وان من ضروريات مذهبنا ان ائمتنا لا يبلغهم ملك مقرب ولا نبی مرسل. {۱}

اور ہمارے مذہب (اثنا عشری) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے آئمہ کو وہ مقام حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہونچ سکتا ہے۔!

آئمہ اہل تشیع یعنی حضرت علیؓ اور ان کی اولاد میں باقی گیارہ نامزد اماموں کی پوزیشن کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آیت اللہ خمینی لکھتے ہیں —

فان للامام مقاماً محموداً ودرجة سامية وخلافة تكوينية تخضع لولايتها و سيطرتها جميع ذرات الكون.

امام کو وہ مقام محمود اور بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم واقتدار کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہوتا ہے۔! {۲}

المختصر یہ کہ شیعہ حضرات جب اپنے ''آئمہ'' کے لئے ''ماکان وما یکون'' کے علم سے واقفیت رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کی مراد اس سے یہی ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ چونکہ

{۱} ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' آیت اللہ خمینی ص ۵۲۔
{۲} ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' آیت اللہ خمینی ص ۵۲۔

''عینِ خدا'' ہی ہیں اس لئے ''لوحِ محفوظ'' کے مندرجات تک ان کی رسائی نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی اولاد میں نامزد شیعہ آئمہ بھی شریکِ الوہیت ہونے کی وجہ سے ''لوحِ محفوظ'' تک رسائی رکھتے ہیں......!! اس کے علاوہ یہ کہ اہل تشیع کے نزدیک چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک بھی دراصل حضرت علیؓ کا ہی وجود ہے۔ یعنی حضرت علیؓ عینِ محمد رسول اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عینِ حضرت علیؓ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ کے وجود میں مع اپنی صفات وجمال وکمال کے متمکن اور جلوہ گر ہے ٹھیک اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ میں بھی متجلی اور جلوہ افروز ہے۔ گویا آپؐ بھی ان کے نزدیک ''معبودِ حقیقی'' ہی کا مظہر اور اس کا روپ ہیں۔ اور حضرت علیؓ کی طرح آپ بھی خدائی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے تمام صفاتِ الٰہی آپ میں بھی موجود ہیں جیسے سمیع، بصیر، علیم، خبیر، حاضر وناظر اور قادر وغیرہ وغیرہ۔

بریلویوں کے نام نہاد ''حکیم الامت'' مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی نے اس فاسد شیعی عقیدے کو من وعن قبول کرتے ہوئے خود اپنا بھی یہی عقیدہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ذاتِ الٰہی کے مظہرِ اتم ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی یکتائے روزگار ہیں کہ ان کے ہر وصف وعمل وقدرت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی یکتائی یاد آتی ہے۔'' {۱}

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؓ کی ذات کا مظہر اتم اور شیعی عقیدہ کے مطابق ''معبودِ حقیقی'' سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں —

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ''ماکان وما یکون'' مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم ہے۔'' {۲}

خانصاحب بریلوی تقیہ کے پردہ میں چھپ کر اور بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر حضرت علیؓ کی مدح سرائی اس طرح کرتے ہیں —

{۱} ''مواعظ نعیمیہ'' مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی ج ا رص ۶۷۔
{۲} ''خالص الاعتقاد'' احمد رضا خاں بریلوی ص ۵۔

''سو آپ ﷺ اولین و آخرین کے سب علوم پر محیط ہیں اور آپ کے علوم کسی ایک حد پر منحصر نہیں اور ان کے وراء سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور انہیں دنیا والوں میں سے کوئی نہیں جانتا، سو انسانوں کے علوم، اور لوح و قلم کے علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا محض ایک قطرہ ہیں۔'' {۱}

حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں واضح طور پر یہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْماً (الطلاق-۱۲)

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔!

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد —

وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ

اور (اے نبی تیرے رب کے لشکروں (کی تعداد وکیفیات) کا علم خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

یہ خطاب ربانی براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ''وَمَا یَعْلَمُ'' میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی شامل ہے۔ یعنی کسی اور کا تو ذکر کیا، اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) خود آپ بھی اپنے رب کے لشکروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور ان کی تعداد، کیفیات وکمیت اور مقام وقوع و وجود سے اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح دوسرے ان سے بے خبر ہیں۔!!

ان آیات قرآنی کی روشنی میں غور کیجئے تو دو باتیں لازم آتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یا تو آپ یہ تسلیم کیجئے کہ ''فاضل بریلوی'' جناب احمد رضا خاں صاحب نے دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کی بات کو جھٹلایا اور قرآن مجید کی یہ کہہ کر واضح طور پر تکذیب کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ تمام اولین و آخرین کے سب علوم پر محیط ہیں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کسی ایک حد پر منحصر نہیں، بلکہ ان کے وراء سلسلۂ علم ہی ختم ہو جاتا ہے۔ خانصاحب بریلوی کے نزدیک انسانوں کے تمام علوم کے علاوہ لوح و قلم کے علوم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلے میں محض ایک قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔! ایسی صورت میں

{۱} ''الملفوظ'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۴ ص ۳۶۔

تکذیبِ قرآن و انکارِ فرمانِ الٰہی کے بعد خانصاحب بریلوی کا دعویٰ ایمان ہی مشتبہ اور باطل ہو جاتا ہے اور وہ اسلام کی صفوں سے باہر متصور ہوں گے۔ بصورتِ دیگر اگر خانصاحب بریلوی اور ان کے حوارین و متبعین حقیقت میں ''علم محیط'' اللہ رب العزت کے لئے خاص سمجھتے ہیں جیسا کہ تمام امتِ مسلمہ کا عقیدہ و ایمان ہے تو پھر لامحالہ انہیں یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ احمد رضا خاں صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''علم محیط'' کی صفت تسلیم کر کے گویا واضح طور پر اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ تشیع کی طرح ''معبودِ حقیقی'' ہی سمجھتے ہیں، رسول یعنی اللہ کا فرستادہ یا پیغمبر نہیں......! یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات وعلوم الٰہیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے میں انہیں کوئی جھجک یا خوف وخجالت محسوس نہیں ہوتی......!!

واضح رہے کہ بات یہیں تک محدود نہیں ہے کہ جناب احمد رضا خانصاحب اپنے دعویٰ ''عشقِ رسول'' کے مطابق فرطِ محبت میں ڈوب کر رسول اللہ ﷺ کے علوم کے بارے میں بے خودی میں ''مبالغہ آرائی'' کر بیٹھے ہوں۔ ان کا یہ فعل ''محبت میں اظہارِ بے خودی'' کہا جا سکتا تھا بشرطیکہ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تک ہی محدود ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خانصاحب بریلوی نے حضرت علیؓ کے بارے میں بھی یہی سب کچھ لکھا ہے اور انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہی ''علمِ محیط'' کا محور تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جناب احمد رضا خانصاحب اپنی کتاب ''خالص الاعتقاد'' میں رقمطراز ہیں —

''امیر المومنین، ابو آئمۃ الطاہرین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا مجھ سے سوال کرو، قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ کہ عرش کے نیچے اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے یا تحت الثریٰ تک داخل ہے اس سب کو میرا علم محیط ہے۔ ان میں سے جو شئی مجھ سے پوچھو، میں بتا دوں گا۔'' {۱}

اس مقام پر خانصاحب بریلوی نے حضرت علی کے لئے بھی اسی طرح ''علم محیط'' کا دعویٰ کیا ہے۔ جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ

{۱} ''خالص الاعتقاد'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ص ۴۴۔

خانصاحب بریلوی کا حضرت علیؓ کو ''ابو آئمۃ الطاہرین'' بتلانا کیا اسی شیعی عقیدے کا اظہار واعتراف نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کی نسل کے بارہ امام سب معصوم تھے ''طاہر'' یعنی پاک تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مخصوص اصطلاح یعنی ''آئمہ طاہرین'' اہل تشیع ہی اپنے اماموں سے اظہارِ عقیدت کے لئے کرنے کے عادی ہیں۔ اہل سنت کے عقائد سے ان اماموں کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے علم کو ''علم محیط'' بتانا بھی اسی غلوئے عقیدت کا آئینہ دار ہے جو اہلِ تشیع کو آپ کی ذات سے رہی ہے۔

جہاں تک علمِ ذاتی اور علمِ محیط کی بات ہے تو ہم قارئین کو یہ بتاتے چلیں کہ امتِ مسلمہ کا یہ عقیدہ کہ ''علم محیط'' صرف اللہ رب العزت ہی کی صفتِ خاص ہے اور اس صفت میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے: اس کا اعتراف خود جناب احمد رضا خانصاحب نے بھی اسی کتاب ''خالص الاعتقاد'' میں ایک جگہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:—

''علم ذاتی وعلمِ محیط ہے کہ وہی ذاتِ باری عزوجل کے لئے ثابت اور اس سے مخصوص ہے۔'' {۱}

لہٰذا ''فاضل بریلوی'' جناب احمد رضا خاں صاحب کا ''علمِ محیط'' کو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت تسلیم کرنے کے بعد بھی، اسی ''صفت علم محیط'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور پھر حضرت علیؓ کو متصف کرنا کیا واضح طور پر اس عقیدہ کا اظہار واعتراف نہیں ہے کہ وہ خود بھی ایک ''مخلص شیعہ'' ہی ہیں اور تمام اہل تشیع کی طرح وہ بھی اللہ، محمدؐ اور علیؓ کو ایک ہی ہستی کے تین نام تصور کرتے ہیں......؟؟ قارئین کرام ایک بار پھر صفحات الٹ کر گذشتہ سطور میں فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۰۱ کے حوالہ سے لکھے گئے احمد رضا خانصاحب کے اس اقتباس کو ملاحظہ فرمالیں جس میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں اللہ تعالیٰ کی ''ذات احدیت مع جملہ صفات ونعوت جلالت تجلی فرما'' بتائی ہے اور اسی طرح ''غوثِ اعظمؒ'' بالفاظِ دیگر حضرت علیؓ (جو بقول خانصاحب بریلوی کے ''غوثیتِ کبریٰ'' کے مقام پر فائز ہیں) کی ذاتِ گرامی کے اندر ان کے خیال میں

{۱} ''خالص الاعتقاد'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ص ۴۲۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنی جمیع صفات جمال وجلال وکمال وافضال کے متجلّی ہیں۔ ''فتاویٰ افریقہ'' کا مذکورہ اقتباس خانصاحب بریلوی کے ''شیعہ'' ہونیکا ایک ایسا واضح ثبوت ہے جس سے مفر ممکن نہیں......!!

(۵) اہلِ سنت کے جلیل القدر محدث اور فقہ حنفی کی اہم شخصیت ملا علی قاریؒ (متوفی ۱۰۱۴ھ) اہل تشیع کی ایک اہم پہچان لکھ گئے ہیں۔ وہ یہ کہ:—

وکذا من مفتریات الشیعۃ الشنیعۃ حدیث ناد علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لك فی النوائب نبوتك یا محمد، بولایتك یاعلی۔ {۱}

اور اسی طرح اہل تشیع کی افتراء پردازیوں میں سے قابلِ مذمت وہ من گھڑت حدیث ہے (جو ان کے یہاں دعائے سیفی کہلاتی ہے) یعنی ''ناد علیا مظہر العجائب تجدہ عونا لك فی النوائب نبوتك یا محمدؐ بولایتك یا علی''۔

واضح رہے کہ ''تذکرۃ الموضوعات'' ملا علی قاریؒ کی وہ عظیم علمی خدمت ہے جس میں آپ نے احادیث کے عظیم ذخیرہ میں سے چھانٹ چھانٹ کر وہ غلط اور موضوع حدیثیں جمع کی ہیں جو اہلِ تشیع کی تدسیس کی بنا پر ان میں شامل ہو کر عوام میں مشہور ہوگئی تھیں۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اہل تشیع نے تین لاکھ سے زیادہ احادیث گھڑ کر ذخیرۂ احادیث میں خلط ملط کردی تھیں۔ آپ نے بڑی محنت وجانفشانی سے ان تمام احادیث کو چھانٹ کر اپنی اس کتاب ''تذکرۃ الموضوعات'' میں جمع کیا ہے۔ مذکورہ بالا شیعی روایت ''ناد علی'' کے بارے میں ملا علی قاریؒ نے لا اصل له مما یعتمد علیه کہہ کر اس کا رد کیا ہے۔ لیکن دیکھئے بانیٔ بریلویت احمد رضا خانصاحب اس ''جعلی حدیث'' کی تعریف وتوصیف میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔؟ خانصاحب بریلوی رقمطراز ہیں:—

جواہر خمسہ کے سیفی میں وہ جوہر دار سیف خونخوار جسے دیکھ کر وہابیت بیچاری اپنا جوہر کرنے کو تیار...... وہ کیا یعنی ''نادعلیا'' کہ ایمان طائفہ پر

{۱} تذکرۃ الموضوعات: ملا علی القاریؒ ص ۸۱ (مجتبائی دہلی)۔

شرک جلی، جواہر خمسہ میں ترکیب دعاء سیفی میں فرمایا۔ ناد علیا ہفت بار یا سہ بار بخواند وآں ایں است:

ناد علیاً مظهر العجائب   تجده عوناً لك فی النوائب

کل همّ وغم سینجلی   بولایتك یا علی یا علی یا علی! {۱}

قابل غور بات یہ کہ یہاں جناب احمد رضا خاں صاحب نے ''دعائے سیفی'' نقل کرتے وقت شیعی کتب میں مرقوم "بنبوّتك یا محمد" کے الفاظ بالکل ہی اڑا دئے ہیں اور براہِ راست حضرت علیؓ کی ذاتِ مقدسہ سے استغاثہ کیا ہے۔ گویا کہ ـــ

بلی تھیلے سے باہر آگئی!!

خاں صاحب بریلوی نے جس "ناد علیا" کو روزانہ سات بار یا کم از کم تین بار پڑھنے کی تاکید کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ہر مشکل و پریشانی میں حضرت علیؓ کو ہی پکارو جن سے عجائباتِ قدرت کا ظہور ہوتا ہے تم جب بھی انہیں پکاروگے، اپنی ہر مصیبت و پریشانی میں ان کو اپنا مددگار پاؤگے۔ بلاشبہ آپ کی ولایت کے طفیل ہی ساری پریشانیاں دور ہوتی ہیں۔ یا علیؓ! یا علیؓ! یا علیؓ!

واضح رہے کہ یہ ''دعائے سیفی'' یعنی "نادعلیا" اہل تشیع کے یہاں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ شیعہ گھروں میں موجود مجموعہ ہائے وظائف میں صفحہ ۲۵۴ پر موجود ملے گی۔ اور وہ لوگ اسے روزانہ پابندی سے پڑھنے کے عادی ہیں۔ اس کے علاوہ اہلِ سنت والجماعت کے مشہور سلسلہ ہائے تصوّف کی طرح اہل تشیع کا بھی اپنا ایک ''درویشی سلسلہ'' ہے جس کو ''بیکتاشی سلسلہ'' کہا جاتا ہے، جس کا بانی حاجی کندش بیکتاش (HADJU KONDUSH) تھا یہ سلسلہ ترکی اور اس کے اطراف میں بہت زیادہ مقبول ہے، اس شیعی سلسلہ تصوّف میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ جب جنگِ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگئے اور جسم مبارک سے خون بہنے لگا تو جبرائیل امینؑ نے آکر آپؐ سے کہا کہ ''نادعلیاً'' والی دعاء پڑھو۔ یعنی حضرت علیؓ کو مدد کے لئے پکارو۔ جب آپؐ نے یہ

{۱} الامن والعلی: احمد رضا خاں بریلوی، ص: ۱۲-۱۳۔

دعا پڑھی تو علیؓ فوراً مدد کے لئے آئے اور کفار کو قتل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچالیا......! {۱}

برسبیلِ تذکرہ ہم اس بات کی وضاحت اور اس تلخ حقیقت کا اعتراف بھی کرتے چلیں کہ ''نادعلیاً'' کی اس خالص شیعی روایت کو بیان کرنے میں بانیٔ بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب منفرد یا پہلی شخصیت نہیں ہیں، بلکہ ان سے قبل بھی اہلِ سنت والجماعت سے منسوب کچھ کتابوں میں اس بے اصل اور ایمان سوز روایت کا وجود ملتا ہے جو یقیناً ان دشمنانِ اسلام یہود صفت اہل تشیع کی تدسیس اور معاندانہ کاروائیوں کا ہی نتیجہ ہے۔ خانصاحب بریلوی نے ہوشیاری یہ کی ہے کہ اسے براہِ راست اہل تشیع کی متند اور متداول کتب سے اخذ کرنے کے بجائے ایک صوفی بزرگ سید مظفر علی شاہ چشتی کی کتاب ''جواہر غیبی'' میں ''نادعلیاً'' کا تذکرہ ''جواہر خمسہ'' مولفہ سید محمد غوث گوالیاری کے حوالہ سے دیکھ کر اسی کے حوالہ سے اپنی کتاب ''الامن والعلیٰ'' میں جواہر خمسہ کی سیفی کی ''جوہر دار سیف'' کے نام سے درج کیا ہے......!

دشمنانِ اسلام قرامطہ اور غلاۃ اہل تشیع نے بہت سی بے سروپا اور شرکیہ روایات وضع کر کے مسلمانوں میں پھیلادیں۔ ان ظالموں نے ان من گھڑت روایات کو صوفیوں کا بھیس بدل کر اپنی مجالس میں مسلسل اور بار بار بیان کیا۔ ان کے مستقل سامعین اور مریدین نے اپنے ان ''پیرومرشد'' اور تقدس مآب حضرات پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے من و عن ان واہی روایات کو قبول کرلیا۔! عقیدت کا غلو انسان کو کس طرح تحقیق و درایت دونوں سے بیگانہ بنا دیتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا خالص شیعی روایت یعنی ''نادعلیاً''، جس میں صریح طور پر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر وتنقیص ہوتی ہے، تصوف کی نسبت سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پاگئی۔! چنانچہ سید مظفر علی شاہ چشتی اپنی کتاب ''جواہر غیبی'' میں لکھتے ہیں ـــ

{۱} ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' ڈاکٹر جے۔ کے برج ص ۱۳۸ (مطبوعہ ہاٹ فرڈ (یو ایس اے) امریکہ ۱۹۳۷ء۔

درغزوہ تبوک چوں لشکرِ اسلام شکستہ شد، حضرت سید عالم صلعم درمیان کشگان مینہاں شدند، جبرئیل ایں کلمات آوردند :

ناد علیاً مظهر العجائب   تجده عوناً لك فی النوائب
كل همّ وغم سینجلی نبوتك یا محمد   وبولایتك یا علی یا علی یا علی! {۱}

ترجمہ: (اے محمدؐ!) علیؓ کو پکارو جو عجائبات کا ظاہر کرنے والا ہے۔ تو اسے مصیبتوں میں اپنا معین و مددگار پائے گا۔ تمام پریشانیاں اور رنج و غم اے محمدؐ! تیری نبوت اور علی کی ولایت کے وسیلے سے عنقریب ہی دور ہو جائیں گے......!

اس دُعا کو پڑھنے والا اگر حضرت علیؓ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھ لے تو اس کا کیا قصور ہے......؟؟

یہ روایت سید مظفر علی شاہ چشتی کی کتاب ''جواہر غیبی'' میں درج کرنے والے نے اتنا بھی نہ سوچا کہ غزوۂ تبوک میں تو سرے سے جنگ و قتال ہی نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے مؤرخین میں سے اکثر تو اس کو ''غزوہ'' بھی نہیں کہتے۔ یہ روایت جو شیعوں کے ''بیکتاشی سلسلے'' میں متداول ہے ان میں تو واضح طور پر ''غزوہ احد'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ سید صاحب، اہل سنت والجماعت کے بزرگ ہونے کے باوجود سیرت النبیؐ یا تاریخ اسلام سے اس قدر بے بہرہ ہوں کہ انہیں جنگِ احد یا غزوہ تبوک کی تفصیلات و حقائق کا علم نہ ہو، یہ ایک ایسی بات ہے جس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یقینی طور پر یہ دشمنانِ اسلام ان اہل تشیع کی ہی حرکت ہے جو قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور علوئے مرتبت کے قائل ہیں۔ اس روایت کی ترویج و اشاعت سے ان دشمنانِ اسلام اہل تشیع کا مقصد قرآن مجید کی اس آیت کی تردید تھا۔

وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۵
(سورہ یونس: ۱۰۷)

یعنی اللہ تعالیٰ اگر تجھے کوئی تکلیف پہونچائے تو اس کے سوا کوئی دوسرا اس مصیبت کو دور کرنے والا نہیں ہے۔

{۱} ''جواہر غیبی'' سید مظفر علی شاہ چشتی ص ۶۴۱ (مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء)۔

قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے اللہ کے علاوہ کوئی ہستی دستگیر، مشکل کشا یا حاجت روا نہیں ہے۔ کوئی کارساز نہیں ہے۔ کتمانِ حق اور اللہ کی نازل کردہ آیتوں کو جھٹلانا چونکہ ان یہود صفت اہل تشیع کی فطرت میں داخل ہے۔ لہٰذا جب یہ کمینہ فطرت دشمنانِ اسلام شیوخ تصوف کے بھیس میں اہل اسلام کی صفوں کے اندر گھس آئے تو غلوئے عقیدت کے سہارے انہوں نے مسلمانوں کو بالواسطہ طور پر قرآن کی تکذیب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علیؓ کے مقابلہ میں تحقیر و تنقیص پر آمادہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اہل تشیع چونکہ براہِ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور تقیہ کے سہارے خود کو ''سُنّی'' مشہور کر کے ان کے پیر و مرشد بن بیٹھے۔ ان کے ظاہری تقدس، وضع قطع، لباس گفتگو اور طرزِ عمل سے مسلمان دھوکا کھا گئے۔ اور یہ مشرکانہ عقائد بآسانی ان کی محبوب شخصیتوں (جیسے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دیگر مشاہیر اولیاءِ تصوف) کے نام پر ان دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے جاہل اور کم علم مسلمانوں کے ذہنوں میں جاگزیں کر دئے۔ اور داد طلب امر یہ ہے کہ یہ کام انہوں نے ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام تو عوام اکثر خواص تک دھوکہ کھا گئے اور انجام کار اپنے ایمان جیسی قیمتی متاع سے ہاتھ دھو بیٹھے......!!

(۶) شیعہ مذہب کی بنیادی کتاب ''اُصول کافی'' کے مصنف ابو جعفر یعقوب کلینی رازی نے اپنی اس کتاب میں ایک باب جو ''کتاب الحجہ'' کے نام سے موسوم ہے، ان الفاظ سے شروع کیا ہے ـــ

باب فيه ذكر الصحيفة والجفر والجامعة ومصحف فاطمة عليها السلام۔

اس باب میں حضرت علی کے صحیفے، الجفر، الجامعہ اور مصحف فاطمہ کا ذکر کیا جائے گا۔ {۱}

اس کے بعد کلینی نے امام جعفر صادق کی زبان سے شیعوں کے لئے ایک ستر گز لمبے ''جامعہ'' کا تذکرہ کیا اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ :ـــ

{۱} ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی رازی ص ۲۳۹ (مطبوعہ تہران)۔

فیها کل حلال وحرام وکل شئ یحتاج الیه الناس.

اس میں ہر حلال وحرام چیز کا بیان ہے اور ہر وہ چیز جس کی لوگوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے اس کا ذکر ہے۔ { ۱ }

پھر اس کے آگے وہ مزید لکھتا ہے کہ :—

"جفر چمڑے کی ایک کتاب ہے جس میں تمام انبیاء واوصیاء کا علم درج ہے۔" { ۲ }

اور یہ "جفر" و "جامعہ" کیا چیزیں ہیں؟ اس کی تشریح ملا چلپی نے "کشف الظنون" میں اس طرح کی ہے —

الجفر عبارت عن لوح القضاء والذی هو عقل الکل والجامعة لوح القدر الذی هو نفس الکل وقد ادعیٰ طائفة ان الامام علی ابن ابی طالب وضع الحروف الثمانیة والعشرین علی طریق البسط الاعظم فی الجفر...... وهـذا علم تورثه اهل البیت ومن ینتمی الیهم ویأخذ منهم من المشائخ الکاملین وکانوا تکتمونه عن غیرهم کل الکتمان وقیل لایقف علی هـذا الکتاب

"قضاء کی تختی کو "جفر" کہتے ہیں اور قدر کی تختی کو "جامعہ"۔ لوح قضاء عقل کل ہے اور لوح قدر خود کل ہے۔ اور ایک فرقہ (یعنی اہل تشیع) کا دعویٰ ہے کہ امام علی ابن ابی طالب نے اٹھائیس حروف تہجی کو بسط الاعظم کے طریقہ پر ایک جلد میں مرتب کیا۔ اور یہ "جفر" کا علم ہے جو اہلِ بیت میں اور جو ان کے ہم اعتقاد (یعنی شیعہ) ہیں ان میں وراثتاً چلا آتا ہے۔ مشائخ کاملین یہ علم انہیں سے حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے لوگوں (اہل تشیع) کے علاوہ اسے ہر ایک سے مکمل طور پر چھپاتے رہے ہیں۔ اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ "جفر" کی اس

{ ۱ } "اصول کافی" ابوجعفر یعقوب کلینی رازی ص ۲۳۹ (مطبوعہ تہران)۔

{ ۲ } "اصول کافی" ابوجعفر یعقوب کلینی رازی ص ۲۴۰ (مطبوعہ تہران)۔

حقیقة الا المهدی المنتظر خروجه فی اٰخر الزمان."

کتاب کی حقیقت کو "مہدی منتظر" کے علاوہ کوئی اور نہیں جان سکتا۔" { ۱ }

اب ذرا اسی ضمن میں "فاضل بریلوی" جناب احمد رضا خاں صاحب کی بھی سنئے۔ کس طرح انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس شیعہ روایتِ جفر کی تصدیق کی ہے بلکہ خود بھی زندگی بھر اسی "خالص شیعی علم" کے حصول اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لئے کوشاں اور مدینہ منورہ پہونچ کر بھی اس مقدس شہر میں اسی خرافاتی علم کے متلاشی رہے تھے۔ خانصاحب بریلوی لکھتے ہیں :—

" "جفر" اور "الجامعہ" دو کتابیں حضرت علیؓ کی لکھی ہوئی ہیں ان میں علم حروف کے قاعدوں پر ان تمام حوادث کا ذکر ہے جو قیامت تک ہوں گے۔ آپ کی اولاد میں آئمہ کرام (یعنی شیعی آئمہ) ان دونوں کتابوں سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح آگاہ اور واقف تھے بلکہ وہ عموماً ان کے مطابق احکام بھی صادر کرتے تھے۔" { ۲ }

ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ جب اہل تشیع کے نزدیک "جفر" اور "الجامعہ" "قضاء وقدر" یعنی تقدیر اور اس کے احکام کی الواح ہیں جو شیعہ اماموں کی ملکیت ہیں اور وہ ان کے مطابق خیر وشر، عزت وذلت، تقسیم رزق ومحتاجی اور موت وحیات کے تقدیری فیصلے کرنے کے مجاز ہیں تو پھر قرآن مجید میں مذکور "لوحِ محفوظ" کی اہمیت اور اس کا مصرف ہی کیا باقی رہا......؟ خالقِ کائنات کی اس محفوظ تختی پر جب اس کے پیدا کئے ہوئے "آئمہ اہل بیت" قابض ومتصرف ہو گئے تو پھر وہ "لوحِ محفوظ" کہلانے کی مستحق کب رہی؟ جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی اس طرح لفظ بہ لفظ "الجفر" و "الجامعہ" کی تصدیق واعتراف کیا واضح طور پر شیعہ اماموں کے "لوح محفوظ" پر پوری طرح تسلط کا اعلان اور ان کی شانِ الوہیت کی تصدیق اور اظہار نہیں ہے......؟ ظاہر ہے کہ اہل تشیع کے آئمہ کو

{ ۱ } "کشف الظنون" ملا چلپی ج ۱ ص ۵۹۱ (طبع بیروت)

{ ۲ } "خالص الاعتقاد" امام احمد رضا خاں بریلوی ص ۴۵۔

درجہ الوہیت پر فائز سمجھنے والا اور قضاء وقدر کی لوح یعنی ''لوحِ محفوظ'' کو ان کی ملکیت قرار دینے والا بلاشبہ کوئی غالی شیعہ ہی ہوسکتا ہے۔ ''سنّی'' ہرگز نہیں......!!

خانصاحب بریلوی کی ''علم جفر'' سے غیر معمولی دلچسپی اور اس میں مہارت وتکمیل کی تمنا اس قدر شدید تھی کہ وہ جب ۱۳۲۴ھ میں ''حسام الحرمین'' سے متعلق فتووں کے حصول کے لئے حجاز گئے تو ''مدینہ منورہ'' پہونچنے کے بعد اس نام نہاد ''عاشق رسول'' کو روضۂ انور پر ہمہ وقت حاضری اور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی تمنّا اور کوشش کے بجائے ہر گھڑی یہی دھن اور اس بات کی لگن تھی کہ کسی طرح اس ''شہر کریم'' میں کوئی ماہرِ فن ''جفر دان'' مل جائے جس سے وہ اس فن کی تکمیل کرسکیں۔ خانصاحب بریلوی اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں :ـــ

''اس تین مہینے کے قیام میں، میں نے خیال کیا کہ یہ شہر کریم تمام جہاں کا مرجع وملجا ہے۔ اہل مغرب بھی یہاں آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی صاحب ''جفرداں'' مل جائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے۔'' {۱}

سطورِ گذشتہ میں قارئین کرام مُلا چلپی کی ''کشف الظنون'' کے حوالہ سے یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ ''جفر'' ایک ایسا علم ہے کہ جو اہل بیت یعنی شیعہ آئمہ میں اور جو ان کے ہم اعتقاد یعنی اہل تشیع ہیں، ان میں وراثتاً چلا آرہا ہے۔ نیز یہ کہ ''مشائخ کاملین'' یہ علم انہیں سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ لوگ، اپنے لوگوں یعنی اہل تشیع کے علاوہ ہر ایک سے اس علم جفر کو پوری طرح چھپاتے ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں خانصاحب بریلوی مدینہ طیبہ میں علم جفر کی تکمیل کیلئے جس شخص کے متلاشی تھے وہ لازماً کوئی راسخ العقیدہ شیعہ عالم ہی ہوگا۔ اور اگر احمد رضا خانصاحب فی الحقیقت ''مخلص شیعہ'' نہیں تھے تو پھر وہ ان کو یہ علم کیوں سکھانے لگا......؟ جبکہ اس علم کے حاملین شیعہ مجتہدین شروع ہی سے غیر شیعہ یعنی سنیوں سے اس علم جفر کو شدت سے چھپائے رکھنے کے عادی ہیں......؟؟ اس بات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خانصاحب بریلوی نے ابتداء میں علم جفر کی تعلیم جن ''گمنام استاذوں'' سے حاصل

{۱} ملفوظات: احمد رضا خاں بریلوی، ج:۲،ص:۳۲۔

کی تھی وہ بھی لازماً ''کٹر شیعہ'' ہی رہے ہوں گے اور خانصاحب بریلوی کی ''شیعیت'' کی تصدیق کے بعد ہی انہوں نے یہ ''پراسرار علم'' انہیں سکھایا ہوگا......؟؟

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کو ''علم جفر'' کی حقانیت پر کس قدر وثوق اور یقین واعتماد تھا اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگایئے۔ فرماتے ہیں :ـــ

''غرض جفر سے جواب جو نکلے گا ضرور حق ہوگا۔ کہ علم اولیاء کرام کا ہے، اہل بیت عظام کا ہے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ کا ہے رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔'' {۱}

''علم جفر'' کی حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیت سے انتساب کی شیعہ روایت کی یہ برملا تصدیق کیا خانصاحب بریلوی کو اہل تشیع کی صف میں لاکھڑا کرنے کیلئے کافی نہیں ہے ـــ؟؟

(۷) اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ صرف ''پانچ تن'' یعنی پانچ ہستیاں، محمدﷺ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، اور حسینؓ ہی ''پاک'' یعنی بشریت سے ماوراء ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ انہیں ''خالص نوری وجود'' تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ ہی وہ تمام وباؤں، بیماریوں اور آفتوں سے نجات حاصل کرنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ''پنج تن پاک'' کا عقیدہ شیعہ کی جان اور اہل تشیع کا جزو ایمان ہے ـــ!

جناب احمد رضا خانصاحب بریلوی نے بھی اپنے معتقدین کو اسی شیعی عقیدہ کی تعلیم دی تھی، اور ''پنج تن پاک'' کی اصطلاح اور اس کا وظیفہ پڑھنے کی تاکید ان کے ''فتاویٰ رضویہ'' میں ملتی ہے۔ ان کی ہدایت کے مطابق ان کے ماننے والے یہ عقیدہ عام کرنے اور وباؤں، بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رہنے کی غرض سے یہ الفاظ لکھ کر اپنے گھروں کے دروازوں اور دیگر مقامات پر لٹکاتے ہیں ـــ

لی خمسة اطفی بها حرّ الوباء الحاطمه
المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناهما والفاطمه {۲}

{۱} ''ملفوظات'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۲ ص ۳۶۔
{۲} ''فتاویٰ رضویہ'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۲ ص ۱۸۷۔

ترجمہ: میرے لئے یہی پانچ ہستیاں کافی ہیں اور انہیں کے ذریعہ وبائیں اور تمام آفتیں دور ہوتی ہیں اور انکے شر کی آگ بجھتی ہے۔ وہ ہیں، مصطفیؐ، مرتضیٰؓ، حسنؓ، حسینؓ، اور فاطمہؓ۔

(۸) ''اصول کافی'' کے ایک باب ''کتاب الحجۃ'' میں امام جعفر صادق کا ایک طویل ارشاد نقل کیا گیا ہے جس میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان کے بعد کے آئمہ کی فضیلت اور درجہ ومرتبہ کا بیان ہے۔ اس روایت میں حضرت علیؓ کے فضائل ومناقب کا ذکر کرتے ہوئے امام جعفر صادق ارشاد فرماتے ہیں :۔

و کان امیر المومنین کثیراً ما یقول انا قسیم الله بین الجنة والنار۔ {۱}

امیر المؤمنین (حضرت علیؓ) اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہی جنت ودوزخ کے درمیان تقسیم کرنیوالا ہوں (یعنی میں لوگوں کو جنت یا دوزخ میں بھیجوں گا)

اہل تشیع کے اس مہمل اور لغو عقیدہ کی زبردست تائید وحمایت کرتے ہوئے بانیٔ بریلویت جناب احمد رضا خانصاحب اپنی کتاب ''الامن والعلیٰ'' میں لکھتے ہیں :۔

ان علیاً قسیم النار۔ {۲}

بلاشبہ حضرت علیؓ ہی قیامت کے روز (اپنے دشمنوں کو) جہنم کی ٹکٹیں تقسیم کریں گے۔

''فاضل بریلوی'' جناب احمد رضا خاں صاحب کی اہل تشیع کے عقائد ونظریات کی تشہیر وتبلیغ اور اس سلسلے میں ان کی ترکتازیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ سردست ہم محض اتنی ہی مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ آئندہ ابواب میں حسب ضرورت ان کے دیگر شیعی افکار ومعتقدات کا تجزیہ اور ان کی تحلیل نفسی کی بے لاگ کوشش کی جائے گی۔

بریلویت کے ذہنی پس منظر کو سمجھنے کے لئے ہم آئندہ صفحات میں اس کے مبداء (Origen) اور جائے صُدور (Supply Line) پر بطور تمہید کچھ روشنی ڈالیں گے تاکہ قارئین کی نگاہوں کے سامنے بریلویت کی شبیہ بالکل واضح اور اس کے اصل خدوخال اچھی طرح نمایاں ہوکر سامنے آجائیں......! واللہ المستعان

{۱} ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی ص ۱۱۷۔
{۲} ''الامن والعلیٰ'' جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی ص ۵۸۔

یہودی سازش اور دنیائے اسلام

بریلویت کے ذہنی سفر کی داستان دشمنانِ اسلام یہود کی دسیسہ کاریوں اور ملتِ اسلامیہ میں ان کی شیعیت کے زیرِ نقاب ریشہ دوانیوں اور زبردست اثر ونفوذ کے ساتھ مربوط ہے۔قوم یہود کی اسلام دشمنی کی گواہی خود باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :—

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ (المائدة: ٨٢)

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے تم قوم یہود کو پاؤ گے اور پھر ان لوگوں کو جو (اللہ کی ذات یا صفات میں) شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اور مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو اپنے آپ کو نصرانی (یعنی عیسائی) کہلاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں درویش اور عبادت گذار لوگ پائے جاتے ہیں۔اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں ہمارے سب سے بڑے اور شدید دشمن ''یہود'' قرار پاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی وہ لوگ بھی اہل ایمان سے شدید دشمنی رکھتے ہیں جو اپنے عقائد اور اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو ہمارا کسی قدر ہمدرد بتایا ہے۔اللہ رب العالمین سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔؟ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ٥ (النساء) لیکن جب ہم ان آیات کی روشنی میں تاریخ کے صفحات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ وہ نصاریٰ جن کے دلوں میں ہمارے لئے نرم گوشہ بتایا گیا ہے، ان سے گذشتہ چودہ سوسالوں میں مسلمانوں کے بے شمار معرکے اور محاذ آرائیاں ہوئی ہیں۔خاص طور پر صلیبی جنگوں کا طویل سلسلہ تو تاریخ میں مشہور ہی ہے۔اسی طرح کفار ومشرکین سے بھی بے شمار جنگیں مسلمانوں نے لڑی ہیں مگر

ہمارے دشمن نمبر ایک یعنی یہودی جو ہم سے شدید عداوت اور کینہ رکھتے ہیں۔ان کے بارے میں تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غزوۂ خیبر'' میں یہود کی جو گوشمالی فرمائی تھی اور پھر آخر میں اپنے دورِ خلافت کے اندر حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خیبر اور اس کے گردنواح کے علاوہ پورے جزیرۃ العرب سے فرمانِ نبوی کی تعمیل میں نکال باہر کیا تھا۔اس کے بعد سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کی کوئی قابلِ ذکر محاذ آرائی یا خونی معرکہ موجودہ صدی تک ہمیں نظر نہیں آتا۔البتہ: چودھویں صدی ہجری میں آکر ''مملکتِ اسرائیل'' کے فلسطین میں ناجائز قیام کے بعد سے یہود کی عالم عرب سے متعدد جنگیں ہو چکی ہیں اور اب سرزمین فلسطین کے ایک حصے پر یاسر عرفات کی ''عارضی حکومت'' کے باوجود یہود سے جنگ وجدل کا ماحول جاری ہے—!

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور قرآن مجید کا بیان برحق ہے۔اور اسی طرح ہمیں یہ بھی یقین کامل ہے کہ کوئی ''شدید دشمن'' چودہ سوسال کے طویل عرصہ تک خاموش اور چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتا وہ تو اپنی فطرت کے مطابق لازمی طور پر اپنے حریف کو زک پہونچانے اور اس کو خاک میں ملانے کی کوششیں ہمہ وقت کرتا رہے گا—!!

آیئے! اس بات پر غور کریں کہ ہمارے سب سے بڑے دشمن ''قوم یہود'' نے گذشتہ چودہ سوسالوں میں ہمیں کہاں کہاں اور کیسے کیسے زک پہونچانے کی کوشش کی ہے۔

یہود کی ریشہ دوانیاں

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ہم پر یہ بات روشن ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت تک قوم یہود کو اسلام اور ملت اسلامیہ پر بُری نگاہ ڈالنے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔لیکن اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے عہد مبارک میں مختلف عوامل اور اسباب کی بنا پر یہود کو اپنے پر پُرزے نکالنے کا موقع مل ہی گیا۔سب سے پہلے یمن کے ایک یہودی عالم ''عبد اللہ ابن سبا'' نے ایک سازش کے تحت بظاہر اسلام قبول کیا اور پھر وہ مسلمانوں کے درمیان رہ کر مکر وفریب کے جال پھیلانے میں مصروف ومنہمک ہو گیا۔قسمت نے اس کی یاوری کی اور نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے اس وقت کے کچھ مسلمان،

خصوصاً مصر اور عراق کے علاقہ میں اس کے دامِ فریب میں آگئے۔ اور ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا پہلا ہدف حضرت عثمان ذی النورینؓ خلیفہ راشد سوم کی ذاتِ مبارکہ ہوئی۔ آپ کی شہادت کے خونچکاں واقعات، اور پھر اس کے نتیجہ میں جنگ جمل و صفین میں مسلمانوں اور خاص طور پر صحابہ کرامؓ کے قیمتی خون کی ارزانی نے ملت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا! عبد اللہ بن سبا کا پورا گروہ جس کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی تھی، ان دونوں جنگوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ اس مخدوش زمانہ اور افراتفری کی اس مخصوص فضاء میں اس کو پورا موقع ملا کہ لشکر کے بے علم اور کم فہم نو مسلم عوام کو حضرت علیؓ کی محبت کے غلو کی گمراہی میں مبتلا کردے پھر جب حضرت علیؓ نے مختلف عوامل اور مصلحتوں کی بنا پر عراق کے علاقہ ''کوفہ'' کو اپنا دار الخلافہ بنالیا تو یہ علاقہ اس گروہ کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ اور چونکہ مختلف اسباب ووجوہات کی بنا پر اس علاقہ کے لوگوں میں یہ غالیانہ اور گمراہانہ افکار ونظریات قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت زیادہ تھی اس لئے بھی کوفہ میں عبد اللہ ابن سبا کے گروہ کو اپنے مشن میں بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ---!

ابن جریر طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن سبا نے سادہ لوح نو مسلم عوام کو گمراہ کرنے کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ ان کی محبوب اور مقدس ترین شخصیت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلو وافراط کا نظریہ عام کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس مکار یہودی ابن سبا نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ ''مجھے مسلمانوں پر تعجب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا میں دوبارہ آمد کا عقیدہ تو رکھتے ہیں مگر سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں دوبارا تشریف آوری کے قائل نہیں۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سے افضل واعلیٰ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً دوبارا اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔'' عبد اللہ بن سبا نے یہ بات ایسے جاہل اور ناتربیت یافتہ مسلمانوں کے سامنے رکھی جن میں اس طرح کی خرافات قبول کرنے کی صلاحیت دیکھی۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ غیر اسلامی اور قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف بات مان لی گئی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ حضرت علیؓ کی خصوصی قرابت اور رشتہ داری کی بنیاد پر آپ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت ومحبت کا فرضی اظہار کرتے ہوئے ان کی شان میں غلو آمیز باتیں کرنا شروع کردیں۔ سب سے پہلے تو اس نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ ہر نبی کا ایک مقرر شدہ جانشین (وصی) ہوا کرتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی یعنی جانشین حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ''وصی'' ان کے حواری شمعون کو بنایا گیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی یا جانشین حضرت علیؓ کو بنایا گیا ہے۔

اسکے بعد اس یہودی نے ان کی طرف عجیب وغریب ''معجزے'' منسوب کرکے حضرت علیؓ کو مافوق البشر ہستی باور کرانے کی کوشش کی اور جاہلوں اور سادہ لوحوں کا جو طبقہ اس کے فریب کا شکار ہوگیا تھا وہ ان ساری خرافات کو قبول کرتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تدریجی طور پر حضرت علیؓ کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے والے اپنے معتقدین کا ایک حلقہ بنالیا۔ اس یہودی ابن سبا نے انہیں یہ باور کرایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کے لئے دراصل حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو منتخب کیا تھا۔ وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ اور حامل وحی فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کو انہیں کے پاس نبوت لیکر بھیجا تھا۔ مگر ان کو اشتباہ ہوگیا اور وہ غلطی سے وحی لے کر حضرت محمدؐ ابن عبد اللہ کے پاس پہونچ گئے (استغفر اللہ ونعوذ باللہ من ذالک) اس سے بھی آگے بڑھ کر اس نے کچھ احمق اور سادہ لوحوں کو یہ سبق پڑھایا کہ حضرت علیؓ ہی اس دنیا میں خدا کا روپ ہیں، اور ان کے قالب میں روحِ خداوندی ہے اور اس طرح وہی خدا ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علیؓ کے علم میں جب یہ بات آئی کہ ان کے لشکر کے کچھ لوگ ان کے بارے میں ایسی خرافات پھیلا رہے ہیں تو آپ نے ان شیاطین کو قتل کردینے اور لوگوں کو عبرت کے لئے آگ میں ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔ اگرچہ ان کا سرغنہ عبد اللہ بن سبا فرار ہوگیا تھا۔ تاہم حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے بیشتر یہ شیاطین ان ہی کے حکم سے قتل کر دئے گئے اور آگ میں ڈالے گئے۔ {۱}

{۱} ''منہاج السنۃ'' شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۱ ص ۷۔

عبداللہ ابن سبا یہودی نے اسلام میں شیعیت کی صرف بنیاد ڈالی تھی یا تخم ریزی کی تھی۔اس کے بعد یہ تحریک خفیہ طور پر اور سرگوشیوں کے ذریعہ جاری رہی اور رفتہ رفتہ اسلام میں مستقل طور پر ایک ''یہودی لابی'' وجود میں آگئی جو حضرت علیؓ کی محبت کی آڑ لے کر اسلام اور مسلمانوں میں مختلف ڈھنگ سے باہم نفرت وعداوت اور بغض وکینہ پیدا کرنے میں مصروف ہوگئی......! اس یہودی تحریک یعنی ''شیعیت'' کے مختلف داعی تھے جو مختلف لوگوں سے موقع محل کے لحاظ سے الگ الگ ڈھنگ سے بات کرتے اور ان کی ذہنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان کے عقائد واعمال کو متغیر کرتے تھے۔اس طرح شیعیت کے نام پر مسلمانوں کے درمیان مختلف گروہ پیدا ہوگئے جن کی الگ الگ اپنی ڈفلی تھی اور اپنا اپنا راگ! کچھ لوگ حضرت علیؓ کی اُلوہیت یا اُن کے اندر روحِ خداوندی کے حلول کے قائل تھے اور کچھ ایسے تھے جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل واعلیٰ نبوت ورسالت کا اصل مستحق سمجھتے تھے اور جبرئیل امین کی غلطی کے قائل تھے۔کچھ لوگ ان میں ایسے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام، امیر اور وصی رسول مانتے تھے اور اس بنا پر خلفاء ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اور ان تمام صحابہ کرامؓ کو جنھوں نے ان حضرات کو خلیفۂ راشد تسلیم کیا تھا اور دل سے ان کا ساتھ دیا تھا۔بدباطن لوگ انہیں کافر ومنافق یا کم از کم غاصب وظالم اور غدار کہتے تھے—! ان کے علاوہ بھی ان میں مختلف عقائد ونظریات رکھنے والے گروہ تھے جو مختلف ناموں سے پکارے گئے۔ان سب میں نقطۂ اشتراک حضرت علیؓ کے بارے میں غلو تھا۔ان میں سے بہت سے فرقوں کا اب دنیا میں غالباً کہیں وجود بھی نہیں پایا جاتا۔صرف تاریخ کی کتابوں کے اوراق میں ہی ان کا نام ونشان باقی رہ گیا ہے۔البتہ: چند فرقے اہل تشیع کے اس دور میں بھی مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں، ان میں شیعوں کے ''اثنا عشریہ'' فرقے کو امتیاز وسب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔موجودہ ایران جس کی ۷۹٪ فیصد آبادی شیعہ ہے اسی اثنا عشری عقائد کی پیروکار ہے اسی طرح ہندوستان کے بیشتر علاقوں جیسے لکھنؤ وحیدرآباد دکن وغیرہ کی شیعہ آبادی بھی اثنا عشری عقیدہ کی حامل اور علم بردار ہے—!

ہم اس بات کے ثبوت میں کہ عبداللہ بن سبا یہودی ہی اسلام میں شیعیت کا موجد وبانی ہے نیز یہ کہ شیعیت دراصل یہودی تحریک ہے جو اسلام کے نام پر امت مسلمہ کو باہم متفرق اور پارہ پارہ کر کے ان کا وجود ختم کرنے کے لئے ایک سازش کے تحت ''برپا'' کی گئی تھی۔اور آج بھی یہ شیعیت یا دوسرے لفظوں میں ''یہودیت'' اپنے اصل روپ میں نیز مسلمانوں میں موجود مختلف بدعتی فرقوں، جیسے مداریہ، نظامیہ، بدایونی شیری وغیرہ کے پس پردہ اپنا مشن پورا کرنے میں مصروف ہے۔عبداللہ بن سبا کے بارے میں ہم شیعہ حضرات کی مستند ترین ''اسماء الرجال'' کی کتاب ''رجال الکشی'' سے ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں—! اگر چہ ابن جریر طبریؔ کی ''تاریخ الامم والملوک''، شہرستانیؔ کی ''الملل والنحل'' ابن حزمؔ اندلسی کی ''الفصل فی الملل والنحل'' اور ابن کثیرؔ دمشقی کی ''البدایہ والنہایہ'' میں بھی اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ شیعیت کا بانی عبداللہ ابن سبا یہودی تھا۔مگر چونکہ بہت سے شیعہ علماء ومصنفین عبداللہ ابن سبا سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔یہاں تک کہ ماضی قریب کے بعض شیعہ مصنفین نے تو عبداللہ بن سبا کو ایک فرضی ہستی قرار دے دیا ہے۔گویا دوسرے لفظوں میں وہ سرے سے اس کے وجود ہی کے منکر ہیں اس لئے شیعوں کی اسماء الرجال کی مستند ترین کتاب ''رجال الکشی'' کا حوالہ ہی مناسب ہے تا کہ ''جانب داری'' اور ''الزام تراشی'' کے جرم سے ہمارا دامن داغدار نہ ہو—!

''رجال الکشی'' کا مصنف ابو عمر محمد بن عبدالعزیز رقمطراز ہیں: —

ذکر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سبا کان یهودیاً فاسلم والیٰ علیّا علیه السلام وکان یقول وهو علیٰ یهودیة فی یوشع بن نون وصی موسیٰ بالغلو فقال فی الاسلام بعد وفات رسول الله صلی الله

بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ ابن سبا پہلے یہودی تھا۔پھر اسلام قبول کیا اور حضرت علی علیہ السلام سے خاص تعلق کا اظہار کیا اور اپنی یہودیت کے زمانے میں وہ حضرت موسیٰؑ کے وصی یوشع بن نونؑ کے بارے میں غلو کیا کرتا تھا۔پھر اسلام میں آنے کے بعد وہ اسی طرح کا غلو حضرت علی

علیه وسلم فی علیّ علیه السلام مثل ذلك وكان اول من اشهر بالقول بغرض امامة علی و اظهر البراءة من اعدائه وكاشف مخالفیه واكفرهم. {۱}

علیہ السلام کے بارے میں کرنے لگا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علیؓ کی امامت کے عقیدے کی فرضیت کا اعلان کیا اور ان کے دشمنوں سے برأت ظاہر کی اور کھلم کھلا ان کی مخالفت کی اور انہیں کافر قرار دیا ــــ!

دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ شیعوں کی اسماء الرجال کی اسی مستند ترین کتاب ''رجال کشی''، میں امام جعفر صادق سے متعدد روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں اس بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ شیعیت کا یہ بانی عبد اللہ ابن سبا! اور اس کے ساتھی حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے اور اس کی دعوت دینے کے جرم میں خود حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کے حکم سے آگ میں ڈلوا کر ہلاک کر دیئے گئے ــــ!!

ملت اسلامیہ اور نرغۂ یہود

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہمارے دشمن نمبر ایک ''یہود'' نے جہاں شیعیت کے روپ میں ملتِ اسلامیہ کے اندر بُغض وعداوت اور باہمی نفاق وتفریق کے بیج بوئے ہیں وہاں یہودی آئیڈیالوجی کو بالواسطہ طور پر بھی عامۃ المسلمین کے مختلف طبقات وعناصر میں پوری قوت کے ساتھ پیوست کرنے میں اپنی شیطانی کوششوں کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ــــ!

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے شدید ترین دشمن یہود بلا شبہ دور رسالت سے لیکر آج تک ایک دن کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھے ہیں اور مسلسل چودہ سو سال سے مسلمانوں کو زک پہونچانے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی انتھک کوشش کرتے رہے ہیں۔ عسکری اعتبار سے وہ اتنے طاقتور کبھی نہیں رہے کہ مسلمانوں سے سیدھی ٹکر لے سکتے یا انہیں میدانِ جنگ میں زیر کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر ذہنی لڑائی میں انہوں

{ } ''رجال الکشی''، ابو عمر محمد بن عبد العزیز ص ۷۱، طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ۔
{ } ''رجال الکشی''، ابو عمر محمد بن عبد العزیز ص ۷۰۔

نے امتِ مسلمہ کو ضرور شہ مات دیدی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کا کوئی دور اور ان کی دینی و دنیوی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر ان دشمنانِ اسلام ''یہود'' کی چھاپ یا ان کا سایہ نہ پڑا ہو۔ تہذیب، تمدن، معیشت، معاشرت، سیاست، عبادات، تفسیر، احادیث، اسلامی علوم وفنون غرض ہر شعبۂ زندگی میں انہوں نے اپنا اثر ڈالا ہے اور مسلمانوں کے دین ودنیا کو تباہ کرنے کی کوششیں کی ہیں ــــ!

علامہ ابن جوزیؒ کا بیان ہے کہ یہود نے اسلام کا تار پود بکھیرنے کے لئے پہلی صدی ہجری میں ہی یہ سازش کی تھی کہ ایران کے مجوسیوں، مزدکیہ، ثنویہ اور ملاحدہ فلاسفہ سے مل بیٹھے اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ ایسی کوئی تدبیر نکالیں جو ان کو اس پریشانی سے نجات دے سکے جو اہلِ اسلام کے غلبہ واستیلاء سے ان لوگوں پر طاری ہوگئی ہے۔ مجوسی چونکہ اسلام کے ہاتھوں زک اٹھانے اور اپنی ہزاروں سالہ پُرانی ساسانی سلطنت، تہذیب وتمدن اور قومی روایات سے محروم ہوجانے کی وجہ سے دل گرفتہ تھے۔ بہت سے ان میں سے ہوا کا رُخ دیکھکر بظاہر اسلام بھی قبول کر چکے تھے مگر دل ہی دل میں اسلام کے عروج وترقی سے کڑھتے اور حسد کرتے تھے۔ یہ لوگ بڑی آسانی سے یہود کے دام فریب میں آگئے۔ انہوں نے دشمنانِ اسلام یہود کی اس تجویز سے اتفاق کرلیا کہ اسلام کے نام لیوا فرقوں میں سے کسی ایسے گمراہ فرقے کو منتخب کیا جائے جو عقل سے کورا، رائے میں بودا اور محال باتوں پر آنکھ بند کر کے یقین کرنے والا ہو۔ ساتھ ہی بغیر سند کے جھوٹی باتوں کو قبول کرنے میں مشہور ہو، چنانچہ ایسا فرقہ انہیں ''روافض''، یعنی اہل تشیع کی شکل میں مل گیا جو حقیقت میں یہود ہی کا پروردہ بلکہ ان کا ہی دوسرا روپ تھا۔ مجوسیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی یہودیوں کی طرح شیعیت کی نقاب اوڑھ کر اسلام کے قافلے میں شامل ہوجائیں تاکہ اپنے تخریبی اعمال کی پاداش میں اسلامی حکومتوں کے عتاب اور قتل عام سے محفوظ رہ سکیں۔ انہوں نے روافض کے عقیدے اختیار کرنے کے بعد ان میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ ان میں اہم دینی مناصب حاصل کر لئے۔ اس طرح انہوں نے سانحہ کربلا کو بنیاد بنا کر غم وگریہ اور ماتمِ حسینؓ کو شیعیت کا شعار بنا ڈالا۔ حالانکہ اس سے قبل شیعہ

مذہب صرف حضرت علیؓ اور ان کے استحقاقِ خلافت کے گرد ہی گھومتا تھا ۔۔۔!

علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں لکھتے ہیں کہ ایران کے مجوسیوں نے یہود کے مشورہ پر اسلام کی عمارت کو منہدم کرنے اور اپنی حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ ظاہر میں روافض یعنی شیعوں کے عقیدے میں شامل ہوں اور اس فرقے سے دوستی و چاپلوسی ظاہر کر کے ان کا اعتماد حاصل کریں اور پھر غم و گریہ اور ماتم ان واقعاتِ مصیبت پر ظاہر کریں جو آل محمدؐ پر ظالموں کے ہاتھوں پیش آئے۔ اس حیلہ سے ہمیں اسلام کے مشاہیر اور مقتدر ہستیوں خصوصاً صحابہ کرامؓ، خلفاء راشدین، تابعین اور بزرگانِ سلف کو لعن طعن کرنے کا پورا موقع ہاتھ آئے گا جن سے شریعت نقل ہو کر بعد کے مسلمانوں تک پہونچی ہے۔ اس طرح جب ان روافض کے دلوں میں جماعتِ صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور ان کو ماننے والے عام مسلمانوں کی طرف سے نفرت و عداوت بیٹھ جائے گی تو جو کچھ امر شریعت و قرآن و حدیث ان بزرگوں سے منقول ہے اس کی قدر و قیمت بھی اس احمق فرقے کے دل سے ختم ہو جائے گی تب بہت آسانی سے یہ موقع ملے گا کہ انہیں اسلام کے دائرے سے نکال باہر کیا جائے۔ اگر اس کے باوجود بھی کوئی شخص قرآن کے اتباع پر مصر ہو تو اس پر یہ جال ڈال کر بہکایا جائے کہ ان ظواہر کے کچھ اسرار و رموز اور ''باطنی امور'' بھی ہیں۔ اس لئے فقط ظاہر پر فریفتہ ہونا حماقت ہے۔ اور دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ حکمت و فلسفہ کے مطابق ان اسرار پر اعتقاد ہو۔ جب یہ لوگ ظاہر و باطن کے فلسفہ کو مان لیں گے تو رفتہ رفتہ اپنے مخصوص عقائد ان میں داخل کر دیں گے اور انہیں سمجھائیں گے کہ باطن سے مراد یہی اسرار ہیں۔ اور اس طریقہ سے باقی قرآن سے منحرف کر دینا انہیں آسان ہوگا۔ اس طرح سے اہل تشیع کے اندر فرقہ ''اسماعیلیہ باطنیہ'' کا وجود ہوا جو مجوسیوں کے مسلمانوں سے جذبۂ انتقام سے عبارت تھا ۔۔۔!

شیعوں کے اس خطرناک فرقے ''اسماعیلیہ باطنیہ'' نے کچھ عرصے کے بعد ملت اسلامیہ کی سیاسی اتھل پتھل سے فائدہ اٹھا کر حسن بن صبّاح کی سربراہی میں خراسان کے ایک مقام ''قلعہ الموت'' میں اپنی الگ حکومت قائم کر لی۔ اور پھر اپنے ''فدائین'' کے

ذریعہ مسلم ممالک کے رہنماؤں اور عام مسلمانوں کے خلاف انتقام اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اور ایک دور ایسا بھی آیا جب یہ ظالم طاہر قرمطی کی قیادت میں مکہ مکرمہ پر چڑھ دوڑے اور عینِ حج کے دوران انہوں نے کعبۃ اللہ میں گھس کر حاجیوں کا قتل عام کیا اور ان کی لاشوں سے چاہِ زمزم کو پاٹ دیا۔ اس کے بعد کعبہ کی دیوار سے ''حجر اسود'' اکھاڑ کر درمیان سے توڑ ڈالا اور پھر اسے اپنے ساتھ لے گئے جو کہ تقریباً بیس سال تک ان ظالموں کے قبضہ میں رہا۔ طاہر قرمطی نے ''حجر اسود'' کو لے جا کر اپنے گھر کی دہلیز پر دفن کر دیا تھا تا کہ لوگ اس پر پاؤں رکھ کر گذرتے رہیں اور اس کی بے حرمتی ہو ۔۔۔! بالآخر عباسی خلیفہ مطیع للہ کے عہدِ حکومت میں اس کی بے انتہا کوششوں سے یہ مقدس پتھر ان سے حاصل کر کے دوبارہ کعبۃ اللہ کی دیوار میں نصب کیا گیا۔ حجر اسود کے دونوں ٹکڑوں کو جوڑنے کیلئے اس کے گرد چاندی کا مضبوط حلقہ یا فریم فٹ کرنا پڑا تھا۔ غرض اس دور میں ان ظالم باطنی شیعوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے تھے جس کی مثال اس سے قبل یا بعد نہیں ملتی۔ انجام کار تاتاریوں کے ہاتھوں یہ ظالم اپنے کیفر کردار کو پہونچے ۔۔۔!

ہم دیکھتے ہیں کہ شیعیت کو ایران کے ملک میں جو عروج و ترقی حاصل ہوئی وہ انہیں کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایران کے مجوسی النسل باشندے اپنی ہزاروں سالہ حکومت چھن جانے اور اسلام و مسلمانوں کے سیاسی غلبہ و استیلا سے حسد و انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ شیعیت کے پلیٹ فارم سے انہیں اسلام کے خلاف کاروائی کرنے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے بہترین موقع ہاتھ آئے۔ اسی لئے انہوں نے تیزی کے ساتھ شیعہ مذہب کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور آج یہ حالت ہے کہ ایران ۔ جو صحابیٔ رسول حضرت سلمان فارسیؓ کا وطن ہے۔ اس کی آبادی کا ۹۷٪ فیصد حصہ شیعہ مذہب پر عامل ہے اور باقی ۳٪ فیصد جو سُنی آبادی کُرد وغیرہ ہیں ان پر ان لوگوں نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے ۔۔۔!!

سیاسی میدان میں ان ''یہودیوں'' کا کردار دیکھئے۔ انہوں نے کبھی تو براہِ راست اور زیادہ تر ''اہل تشیع'' کے بھیس میں مسلمانوں کو ہر دور میں زک پہونچانے اور فنا کے

گھاٹ اتارنے کی کوشش کی ہے بطور ثبوت چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

بغداد کی ساڑھے پانچ سو سالہ عباسی خلافت ۶۵۶ھ میں آخری خلیفہ معتصم باللہ کے شیعہ وزیر اعظم ابن علقمی کی غداری اور ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں ختم ہوئی۔ اور چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خاں نے دار الخلافہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ تین چار دن میں سولہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے جن کے خون سے دریائے دجلہ کا پانی سرخ ہوگیا۔ خلیفہ معتصم اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ غیر مشروط طور پر بغداد چھوڑنے کے لئے باہر نکلا مگر ہلاکو خاں نے اس کو پکڑ کر قتل کر ڈالا اس طرح ان شیعوں کے طفیل عباسی خلافت کا وجود مٹ گیا ——!

سسلی جسے ۲۱۲ھ میں اسد بن فرات کی سرکردگی میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا، اور تقریباً دو صدیوں تک بڑے رعب و دبدبہ سے وہاں حکومت کی تھی۔ بالآخر ''قصریانہ'' کے شیعہ حاکم ابن حمود کی غداری کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔ سسلی کے سقوط کے بعد مصر کے فاطمی خلیفہ نے نصرانیوں کے فاتح جرنیل ''روجر'' کے پاس مبارکبادی کا مکتوب بھیجا تھا جس میں روجر کے اس اقدام کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے جزیرہ سسلی کے مسلمانوں کو شکست کا مستحق ٹھہرایا گیا تھا ——!

شیعوں کی ''فاطمی حکومت'' جو ۲۹۸ھ میں مراکش کے اندر قائم ہوئی تھی اور پھر ۳۶۲ھ میں اس کی قیادت منتقل ہو کر مصر آگئی تھی۔ اس شیعہ حکومت کو کھلے طور پر یہود ونصاریٰ پر اعتماد تھا۔ انہیں میں سے زیادہ تر وزراء، ٹیکس اور زکوٰۃ کے محصلین، سیاسی اقتصادی اور علمی اُمور کے مشیر، اطباء اور حکام کے معتمدین منتخب ہوتے تھے اور بڑے بڑے کام انہیں کے سپرد کئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کے ظلم وستم سے رعایا پناہ مانگتی تھی مگر ان لوگوں کی کہیں دادرسی نہ ہوتی تھی۔ خلیفہ عزیز فاطمی نے اپنے وزیر یعقوب بن کلس یہودی پر اعتماد کرتے ہوئے فاطمی یعنی شیعہ مذہب کی دعوت کا کام بھی اس کے حوالہ کردیا تھا۔ یہ وزیر خود بیٹھ کر اسماعیلی فقہ کا درس دیتا تھا۔ اس طرح اس شیعہ حکومت کے طفیل یہودیوں کے ہاتھوں مصر کے عوام کو ناقابل تلافی دینی ودنیوی نقصانات پہونچتے رہے۔ بالآخر ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھوں یہ ظالم شیعہ حکومت ختم ہوئی اور

مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا ——!

ہندوستان میں مغلیہ حکومت، جو اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد میں کابل سے لیکر رنگون تک وسیع ہوگئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد شیعی عناصر کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں زوال پذیر ہوگئی۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے ''سادات بارہہ'' کے نام سے مشہور دو بھائیوں، عبداللہ اور علی حسین کے کردار اور حرکات مخفی نہیں۔ یہ دونوں شیعہ مذہب کے پیروکار تھے اور ''بادشاہ گر'' کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔ ان کا عروج، مغلوں کے زوال کا سبب بن گیا، اور پچاس سال کے مختصر عرصے میں صدیوں سے قائم مغل سلطنت انحطاط اور خاتمہ کے نزدیک پہونچ گئی۔ بالآخر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے، جو شیعوں کی طفیل ہی ہندوستان کی سرزمین پر قدم جمانے میں کامیاب ہوئے تھے، آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون میں قید کردیا اور وہاں اس کی موت ہوگئی۔ اس طرح ہندوستان میں بھی مسلم حکومت کا خاتمہ ہوگیا تھا ——!

پلاسی کی جنگ میں جب سراج الدولہ بنگال میں انگریزوں کے دانت کھٹے کئے دے رہا تھا تو عین وقت پر اس کے شیعہ وزیر ''میر جعفر'' کی غداری سے پانسہ پلٹ گیا اور سراج الدولہ کو شکست ہوگئی۔ اس طرح ان شیعوں کے طفیل مشرقی ہندوستان میں انگریزوں کو پاؤں جمانے اور سیاسی طور پر مستحکم ہونے کا موقع ملا۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ، جنوبی ہند میں انگریزوں کے لئے بلائے بے درماں بنا ہوا تھا۔ مگر یہود صفت شیعوں نے اس سے غداری کی۔ حیدرآباد دکن کا حکمراں نظام جو کہ خود شیعہ تھا، انگریزوں کے شانہ بشانہ اپنی تمام مسلح افواج کے ساتھ سلطان ٹیپو کے خلاف لڑ رہا تھا اور سرنگاپٹنم کے محاصرے کے دوران ٹیپو سلطان کے وزیر اعظم میر صادق نے۔ جو شیعہ تھا۔ عین لڑائی کے دوران غداری کی اور فتح شکست میں بدل گئی ——!

آخری اسلامی خلافت یعنی ترکوں کی ''خلافتِ عثمانیہ'' کے زوال کے اسباب اگرچہ اور بھی تھے جیسے بعض ترکی سلاطین کی کمزوری وعیش کوشی، سیاسی اُمور میں حاشیہ نشینوں کی مداخلت، حکومتی شعبوں کا بگاڑ اور رشوت کی گرم بازاری، سیاسی، اعتقادی اور زندگی کے

فکری بگاڑ کے دوسرے بہت سے محرکات، مگر صلیبی اور صیہونی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں اور
دشمنانِ اسلام یہود کی سازشیں، عثمانی خلافت کے خاتمہ کے لئے سرفہرست اور بنیادی
اہمیت رکھتی ہیں——!

۱۸۹۷ء میں جبکہ سلطان عبد الحمید برسرِ اقتدار تھے، سوئزرلینڈ کے شہر پال میں ہرتزل
یہودی کی سربراہی میں صیہونی کانفرنس منعقد ہوئی جو ''بیل کانفرنس'' کے نام سے مشہور ہے
اسی کانفرنس میں فلسطین کے اندر یہودی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ تیار ہوا۔ صیہونیوں نے
عرب قوم پرستوں کے دشمن سلطان عبد الحمید کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کی کہ یہودیوں
کو فلسطین ہجرت کرنے کی اجازت دی جائے۔ سلطان نے اس تجویز کو قطعیت کے ساتھ
صرف ردّ ہی نہیں کیا بلکہ فوراً یہ حکم اور قانون نافذ کردیا کہ یہودی ہجرت سختی سے روک دی
جائے اور ارضِ فلسطین میں یہودی نوآبادیاں کسی قیمت پر قائم نہ ہونے دی جائیں——!

فلسطین میں یہودی وطن کے قیام کی مخالفت سلطان عبد الحمید کی طرف سے
یہودیوں کے مُنہ پر ایک زبردست طمانچہ تھا۔ جس کا انہوں نے بھرپور بدلہ لیا۔ سلطان کو
اس کا تصور بھی نہ تھا۔ یہودیوں نے ایک طرف اسلام دشمن تحریکوں کو ابھارا اور مسلم عوام کو
اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے کے بجائے ان کے درمیان نسل وقوم کی برتری کے
نظریات کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ دوسری طرف ان یہودیوں نے عثمانی حکومت پر اندر
سے حملے شروع کردئے۔ نسل، تہذیب، آزادی، بھائی چارہ اور مساوات کا زبردست
پروپیگنڈہ کر کے ترکوں کو اسلام سے منحرف کرنے میں مصروف ہوگئے۔ تاکہ ان فریب
خوردہ افراد کو مسخر کر کے امتِ مسلمہ کا شیرازہ منتشر کردیں——!

اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے زیادہ کام دو پارٹیوں سے لیا۔ ایک
جماعت ''ترکیا الفتاۃ'' اور دوسری ''اتحاد وترقی''۔ ترکی ادیبہ خالدہ ادیب خانم نے ادبی
وفکری سطح پر ''طورانی قومیت'' کے نظریہ کو دوسروں کے ساتھ مل کر رواج دیا۔ ''ترکیا الفتاۃ''
کے لیڈروں نے انقلاب کے لئے راہ ہموار کی اور ترکی کو اسلام کے تشخص اور اس کے
پیغام سے بے نیاز کردیا۔ ان لوگوں نے ترکی کو پہلی جنگِ عظیم میں بلا کسی معقول عذر کے

ڈھکیل دیا۔ پھر جب ترکی کی حلیف جرمن قوم کو شکست ہوگئی تو ترکی نے بھی اپنی شکست تسلیم
کرلی۔ اور ۱۹۱۸ء کے معاہدہ روڈس (Rhodes Pact) میں سرکاری طور پر عثمانی
خلافت اور اسلامی عزت ووقار کا آفتاب غروب ہوگیا تھا——!

پہلی جنگِ عظیم میں ترکی کے شکست تسلیم کرلینے کے بعد یورپی ممالک نے اس
''مردِ بیمار'' کی املاک کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ اس کے بعد انہوں نے ''جدید ترکی'' کی تعمیر
کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جو ''یہودی'' تھا۔ اور قوم پرستی کے سہارے اس
یہودی شخص نے جس کا نام ''مصطفیٰ کامل پاشا'' تھا، آخری عثمانی خلیفہ عبد الحمید بن
عبد العزیز کو، جو انہیں انقلابیوں کے ہاتھوں ہی کچھ عرصہ قبل منتخب ہوا تھا، ملک میں
''جمہوری حکومت'' کے قیام کا اعلان کرنے پر مجبور کردیا۔ اس کے بعد نام نہاد ''قومی
جمعیت'' کی طرف سے مصطفیٰ کمال پاشا یہودی کو سربراہِ مملکت منتخب کرلیا گیا۔ اور اسے
''اتاترک'' کا خطاب دے دیا گیا۔ جس کے معنیٰ ہوتے ہیں ''ترک قوم کا باپ''۔ ''اقتدار
حاصل کرنے کے صرف چھ ماہ بعد ہی اس مصطفیٰ کمال پاشا یہودی نے ''اسلامی خلافت''
کے خاتمہ کا اعلان کردیا تھا اور ۳ر مارچ ۱۹۲۴ء کو مسلمانوں کے آخری خلیفہ کو ملک سے باہر
نکال دیا گیا اور اس طرح نہ صرف ترکی بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ''مرکز اتحاد'' اسلامی
خلافت، جو گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل ''خلفاء راشدین'' کے دور سے کسی نہ کسی شکل
میں قائم تھی۔ یہودی سازش کے نتیجہ میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے مٹ گئی——!!

عثمانی اسلامی خلافت کے خاتمہ کا مطلب یہ تھا کہ اس یہودی مصطفیٰ کمال پاشا کے
صیہونی منصوبوں کی راہ میں خلافت کا رمزی اور شکلی وجود بھی بہت بڑی رکاوٹ یا خطرہ بن
سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مشہور مستشرق ''کارل بروکلمین'' کے الفاظ کے مطابق ''خلافت''
کے خاتمہ کے بعد ''غازی'' اتاترک کو وہ تمام اقدامات کرنے آسان ہوگئے جن کے ذریعہ
ترکی قدامت پرستی کے غار سے نکل کر جدید تہذیب وتمدن کا علم بردار بن گیا——!!

مصطفیٰ کمال اتاترک یہودی نے ترکی کو جدید بنانے کے لئے جو اقدامات کئے ان
کی تفصیل یہ ہے کہ اقتدار پر بلا شرکت غیرے قابض ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے

عربی زبان اور اس کے رسم الخط پر پابندی لگادی۔ اس طرح قرآن مجید بھی وہاں اپنے پاس رکھنا جرم ہو گیا تھا۔ اوقاف کو ختم کردیا، مساجد میں تالے ڈالے، پورے ملک میں اسلامی قوانین کو معطل کردیا۔ ایا صوفیہ کی مشہور مسجد کو ''میوزیم'' اور سلطان محمد فاتح کی مسجد کو ''مخزن'' بنادیا۔ ترکی ٹوپی کی جگہ ہیٹ کو رواج دیا، زبردستی انگریزی لباس پہننا لازم کیا گیا، نصاب تعلیم سے عربی و فارسی زبانوں کو بالکل نکال دیا۔ عربی کی کتابوں اور نایاب مخطوطات کو معمولی قیمت پر فروخت کردیا۔ یورپ کی ''سیکولر تعلیم'' کو پورے ترکی میں رائج کیا اور یہ تعلیم ٹیکنالوجی وسائنس کے میدان میں اختیار نہیں کی جس سے ترک مسلمان سائنسی میدان میں ترقی کرسکتے بلکہ محض لسانی، ادبی اور دینی میدانوں میں یورپ کی تعلیم کو فروغ دیا ---!

اس طرح دشمنانِ اسلام یہود کی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں ترکی کو زوال ہوا اور پھر اس کے بعد سے ترکی آج تک نہ سنبھل سکا۔ ترکی کے بعد پورا عالمِ اسلام یکے بعد دیگر زوال کا شکار ہوتا چلا گیا۔ اتحاد اور وحدتِ اسلامی کے رشتے علاقائی اور لسانی عصبیتوں کی وجہ سے کمزور پڑتے چلے گئے۔ اس زوال وادبار سے عرب بھی محفوظ نہ رہ سکے ---!

انقلاب فرانس، جس اصولوں کے پس پردہ یہودی ذہن کارفرما تھا، اس کے پروردہ نپولین بوناپاٹ نے ۱۷۹۸ء میں مصر پر چڑھائی کی۔ اسلامی یونیورسٹی ''جامعہ ازہر'' کو اس نے گھوڑوں کا اصطبل بنادیا۔ قاہرہ سے اسکندریہ تک راستے میں جو بستیاں اور شہر تھے انہیں تباہ کردیا۔ فرانسیسی استعمار نے اپنے قدم مصر کی سرزمین پر جمالینے کے بعد وہاں شراب، جوا، فحاشی، اور اخلاقی بے راہ روی کو رواج دینے کے لئے اپنے تمام وسائل جھونک دیئے۔ مصر وشام میں عرب اور غیر عرب مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے انہوں نے ''مائیکل افلق'' اور ''لارنس'' جیسے یہودیوں خدمات حاصل کیں اور انہوں نے عرب عوام میں عربی تفاخر اور ''عرب قومیت'' کے نظریہ کو رواج دیا اور ان کوششوں سے عربوں کے قومی جذبات، عصبیت اور قدیم ''جاہلیت'' ابھر کر رفتہ رفتہ اس سطح پر پہونچ گئی کہ ''ابوجہل'' اور ''ابولہب'' جیسے دشمنانِ اسلام کو اپنا ''قومی ہیرو'' تصور کرنے لگے اور مصر میں ان کے نام سے شبینہ کلب قائم کئے جانے لگے۔ ریڈیو مصر کے صبح کے پروگرام کا آغاز

روزانہ بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کے، ''باسم قوم عرب'' اور ''والعزۃ للقوم العرب'' کے جملوں سے کیا جانے لگا۔ یہ صورتِ حال مصر اور پورے عالم عرب کے لئے قومی عصبیت اور مغربی تہذیب وتمدن کی طرف پیش قدمی کرنے اور انقلاب فرانس کے ''اصولِ ثلاثہ'' پر آنکھ بند کرکے ایمان لانے میں بڑی مدد ومعاون ثابت ہوئی ---!

عربوں کو خلافتِ عثمانی سے برگشتہ کرنے کے لئے یہودی النسل لارنس نے ان کے اندر عرب قومیت کا جنون پیدا کرکے انہیں ملتِ اسلامیہ سے ذہنی طور پر بالکل علیحدہ کرنے اور مغربی افکار ونظریات اور تہذیب وتمدن کا دلدادہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے پیروکار ''ساطع حضرمی'' جیسے شخص نے جس کی عجمیت کا یہ حال تھا کہ وہ فصیح عربی بولنے پر بھی قادر نہ تھا اور صیہونی تربیت کے نتیجہ میں اسلام سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ اس نے عرب قومیت کے نظریہ کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور یہودی عناصر کی امداد وتعاون خصوصاً شیعہ عرب کے سہارے اسے اس مہم میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ---!

''عرب قومیت'' کا نظریہ جس کا مفہوم سیکولر اور اسلام دشمنی پر تھا۔ یہودی ذہن کی پیداوار تھا۔ اور یہ نظریہ ان صیہونیوں نے ایک سازش کے تحت سیدھے سادھے عربوں کو عثمانی خلافت سے برگشتہ کرنے اور ملتِ اسلامیہ سے انہیں ذہنی طور پر علیحدہ کرنے کے لئے تراشا تھا۔ اس کا مقصد عربوں کو اس جامع عقیدے ''کلّ مؤمن اخوۃ'' سے دور کرنا تھا جس کی بنا پر عرب متفقہ طور پر صیہونیت کا مقابلہ کرسکتے تھے۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر یہود اور دشمنانِ اسلام کے دانت کھٹے کرسکتے تھے ---!

عرب قومیت کا نظریہ عربوں کے دائمی انتشار کی ضمانت تھا، کیونکہ یہ ایک ایسے قوم پرست اور انقلاب پسند نوجوانوں سے عبارت تھا جن کے پاس نہ تو کوئی عقیدہ تھا اور نہ اصلیت اور تاریخی بیدار مغزی۔ اس طرح انہیں بڑی آسانی سے چند نعرے سمجھائے جاسکتے تھے۔ جنہیں وہ دہراتے رہیں اور اپنے واپنی قوم کی عقلوں کو اسی میں الجھائے رہیں۔ عرب قومیت کی عصبیت نے عربوں کو ذہنی طور پر انتہائی نیچی سطح پر پہونچا دیا ہے، اور وہ عالم اسلام کی ذہنی قیادت کے منصبِ عظمیٰ کو چھوڑ کر محدود گروہی سیاست اور قومی

وعلاقائی عصبیتوں کے دامِ فریب میں اسیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ لبنان وفلسطین کے حالیہ واقعات سے انہیں کوئی سبق نہیں ملا۔ اسی طرح سامراجیوں کی طرف سے مختلف اوقات میں انہیں عبرت آموز حادثات، ومعاملات اور شدید ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن اس سے انہوں نے کچھ نہ سیکھا۔ آج بھی جب ان میں کوئی آپسی اختلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے صحیح علاج کے بجائے مختلف قسم کے علاقائی وقومی نعرے سُننے میں آتے ہیں۔ مثلاً ''مصر، مصریوں کا ہے۔'' یا ''ہلال خضیب'' اور ''مغرب عربی کا اتحاد'' وغیرہ۔ انہیں کسی ایسے اتحادی مرکز کی طلب یا تلاش نہیں جو کہ شمالی وجنوبی امریکہ، مشترکہ یورپی منڈی، اور وارسا پیکٹ، مشرقی ومغربی بلاک کی طرح نقطۂ اتحاد ثابت ہو۔ نہ انہیں کسی ایسے مذہب سے دلچسپی ہے جس سے اخلاق وطبائع میں تبدیلی پیدا ہو۔ اس کے برعکس وہ بچوں کی طرح اپنے منفرد ڈھلیوں میں مصروف ہیں اور عربوں کے شیرازے کو بکھیرنے میں مدد پہونچا رہے ہیں ——!!

صیہونی سازش ''عرب قومیت'' کا شکار ہونے کے بعد آج عربوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے پاس نہ تو کوئی آفاقی نظریہ باقی ہے اور نہ اپنی تہذیب وتمدن۔ آج کسی بھی عرب ملک میں جا کر دیکھ لیجئے ''اذان'' اور ''زبان'' تو بلاشبہ عربی نظر آئے گی، باقی سب کچھ مغربیت کے سانچے میں ڈھل چکا ہے۔ بیشتر عرب معززین جو عرب لباس پہنے نظر آتے ہیں وہ بھی محض نمود اور عرب قومیت کے اظہار کے لئے ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان کے بیش قیمت عربی لباس عبا وقبا کے نیچے بہترین تراش وخراش کے مغربی سوٹ زیب تن ملیں گے جو زیادہ تر یورپ اور امریکہ کے ملکوں کے سلے ہوئے ہوتے ہیں۔ عرب قومیت کا تفاخر ان کا شعار بن کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس سے نہ تو ان کی تہذیب کو فائدہ پہونچ رہا ہے اور نہ ہی ہمہ گیر اسلامی اخوت اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے اتحاد کے کاز کو کسی طرح کی تقویت مل رہی ہے۔ بلکہ اس سے عربوں کے باہمی اتحاد وتعاون اور خلوص ویکجہتی کے قدیم جذبوں کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہونچ رہا ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ آج دو عرب ملکوں کے درمیان اتحاد ''عرب اسرائیل'' یا پھر ''امریکہ یا سابقہ سوویت

روس'' اتحاد سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے عمل سے اپنے اسلاف میں ابوجہل کے جانشینوں کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ معمولی معمولی اسباب کی بنا پر آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ باہمی تعلقات منقطع کر لیتے ہیں اور بغیر کسی صلاح ومشورہ اور باہمی تعاون کے اپنی منزل کی تلاش میں سرگرداں ہیں مگر منزل ان سے روز بروز دُور چلی جا رہی ہے——!

آج عرب دنیا کے سیاسی افق پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر انتہائی دکھ اور صدمہ ہوتا ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم، جو کبھی اسلامی اخوت، رواداری اور انسان دوستی کے نقیب اور اتفاق واتحاد نیز اسلامی اصول وروایات کے پاسدار تھے، سیاسی یا تنظیمی لحاظ سے اب اسلام کا ان میں کچھ حصہ نہیں...... ! دشمنانِ اسلام یہود کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں آج ان کے اتحاد کے تمام وسائل بکھر چکے ہیں۔ یہ نہ تو اقتصادی اور اجتماعی خود کفالت ہے اور نہ سیاسی ونشریاتی تنظیم! اس وقت عرب دنیا کا بڑا حصہ متفرق حکومتوں کی شکل میں ''دائیں'' اور ''بائیں'' بازو کے نظاموں کا پابند اور حاشیہ بردار بن کر رہ گیا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے مفاد کے لئے اپنے ''سیاسی آقاؤں'' کے مشورہ پر کام کرتا ہے۔ ایک عرب شخص کو کسی بھی عرب ملک میں ذہنی سکون میسر نہیں۔ مغربی ممالک امن وسکون کی جگہ سمجھے جاتے ہیں وہیں کے ملکوں کے بینکوں میں جن کے مالک یہودی ہیں، ان کی تیل کی دولت رکھی جاتی ہے۔ عربوں کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے کے لئے یا تفریح کی غرض سے ان مغربی ممالک کا ہی رخ کرتے ہیں۔ عرب ممالک کے مابین آپس میں کسٹم، سفر اور ویزہ کے ایسے سخت قوانین نافذ ہیں کہ کسی عرب انسان کو کسی دوسرے عرب ملک جانے کے بجائے یورپ جانا آسان معلوم ہوتا ہے——!

عربوں کا انحطاط —— عرب قومیت کا یہودی نظریہ اپنانے کے بعد—— اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ بدر وحنین اور یرموک وقادسیہ میں اپنے سے کئی گنا دشمنوں کو ہزیمت دینے اور بے سروسامانی کے باوجود قیصر وکسریٰ جیسی وقت کی عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روندنے والی قوم کا حال یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء میں ایک چھوٹی سی اسرائیلی حکومت نے جس کے باشندوں کی تعداد کا تناسب ۱/۳۵ تھا، ان عرب قوم پرستوں کے

مشترکہ محاذ کو ان کے گھروں میں گھس کر شکست دیدی تھی۔ اور آج بھی یہ عرب، قوم پرستی کے جذبہ کے باوجود صیہونی شوکت وہیبت سے خائف ولرزاں نظر آتے ہیں ــــ!

عرب قوم کی بدنصیبی یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی نادانی سے اخوت اسلامی کے عالمی رشتے کو توڑ دیا اور عرب قومیت کے جنون میں مبتلا ہوگئے تو ان کا باہمی اتحاد بھی پارہ پارہ ہوکر رہ گیا اور وہ عرب قوم کو ذہنی طور پر شکست وریخت سے نہ بچا سکے۔ اس طرح شدہ شدہ وہ خود بھی مختلف قومیتوں میں بٹ کر رہ گئے۔ چنانچہ آج کل بعض خلیجی ملکوں میں عرب عوام کو مختلف خانوں میں تقسیم کررکھا ہے۔ مثلاً خلیجی نمبر ایک، جن کو ہر طرح کے سیاسی ومادّی حقوق حاصل ہیں۔ اسی طرح خلیجی نمبر ۲ کا شمار ان عربوں کے لئے ہوتا ہے جن کو صرف مادّی حقوق کے حصول کا استحقاق ملتا ہے، تیسرے نمبر پر ایرانی عرب ہیں جن کو ایک مختصر مدت کے بعد قومیت کے حصول کا حق مل جاتا ہے۔ اس کے بعد علی الترتیب عراقی، شامی، فلسطینی اور مصری عرب عوام ہیں، چنانچہ اس طرح ان میں مختلف تقسیمات کے نتیجہ میں مادی حقوق میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے حالانکہ قابلیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہر قسم کے لوگوں کا مرتبہ اور درجہ بھی ان کے طبقہ کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے ــــ!

برصغیر ہندوپاک اور دیگر اسلامی ممالک سے جو غیر عرب مسلمان ملازمت کے لئے عرب ممالک جاتے ہیں وہ اپنی بہترین صلاحیتوں اور علمی قابلیت کے باوجود کمتر حیثیت کے شمار کئے جاتے ہیں۔ اور بڑی بڑی عرب کمپنیوں کے ڈائریکٹر اور کلیدی عہدہ دار عموماً صرف عرب ہوتے ہیں۔ آپ کسی بھی عرب ملک میں چلے جایئے، قومی عصبیت اور اونچ نیچ کے مظاہر عام طور پر دیکھنے میں آئیں گے۔ یہ صورتِ حال انتہائی فکر انگیز اور تشویش ناک ہے ــــ!!

عرب دنیا میں قومی عصبیت کی فراوانی اور عالمی تناظر میں ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی پر ان کی بے حسی اور عدمِ مداخلت کی پالیسی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ وہی قوم ہے جس کے بلند حوصلہ اسلاف نے ماضی کے ہر دور میں اسلامی حمیت اور غیرت کردار کا ثبوت قدم قدم پر فراہم کیا تھا۔ حجاج بن یوسف ثقفی جیسا شقی القلب اور ظالم وجابر عرب حکمراں جس کا دامن جبر صحابہ کرامؓ اور اسلافِ امت کے خون سے داغ داغ تھا، دیبل

کے قید خانہ سے ایک مسلم لڑکی کے اپنے خون سے لکھے ہوئے خط کو پڑھ کر مسلمانوں کی مظلومیت پر اس کا دل بھی تڑپ اٹھا تھا اور محض اخوت اسلامی کے جذبہ کے تحت اس نے اس لڑکی کی فریاد پر فوری طور پر لبیک کہتے ہوئے بلا تاخیر اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ایک لشکر ہندوستان کی دور دراز مہم پر بھیج دیا تھا ــ لیکن آج یہودی سازش ''عرب قومیت'' کے مکروہ جذبہ نے عربوں کو اس قدر بے حس اور پتھر دل بنا دیا ہے کہ بابری مسجد کے دن دہاڑے اجتماعی انہدام کی کاروائی پر اظہار ناراضگی یا بوسنیا، چیچینیا، کشمیر اور افغانستان کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم پر احتجاج وامداد تو دور کی بات ہے اس کے برعکس اندرا گاندھی کے دورِ حکومت میں جس وقت مرادآباد کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی تھی۔ مسلم عورتوں کی عصمت دری اور مسلمانوں کی املاک کو لوٹنے اور جلانے کی کاروائیاں پورے شباب پر تھیں ٹھیک اسی دوران تیل کی دولت سے مالا مال ایک خلیجی ملک کا عرب حکمراں ہندوستان کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ اس نے ان مظلوم مسلمانوں کی حالت زار پر توجہ کرنے اور ان کے آنسو پوچھنے کے بجائے مسز اندرا گاندھی کو فوری طور پر ایک ارب روپے کی خطیر رقم اس مقصد کے لئے بھینٹ کی تھی کہ وہ اس سے دہلی میں منعقد ہونے والے ایشائی کھیلوں کے لئے مسلمانوں کے اسلاف کی ہڈیوں پر کھیلوں کا عشرت کدہ نہرو اسٹیڈیم ــ کی تعمیر اور نئی دہلی کی سڑکوں اور فلائی اوروں کی تعمیر نو کرسکے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں موجودہ دور کے عرب حکمرانوں کی بے حسی اور عالمِ اسلام سے بے تعلقی کی دی جاسکتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ دشمنانِ اسلام یہود کی سازش کی کامیابی کا بین ثبوت نہیں ہے ــ؟؟ کیا خوب کہا ہے شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے ؎

جو کرے گا امتیازِ نسل وخوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر ــ!!

باطنیت ایک شیعی تحریک

فرقہ باطنیہ اگرچہ ''شیعیت'' ہی کی ایک شاخ ہے مگر اہل مجوس کی رہنمائی اور اسلام ومسلمانوں سے ایران کے مجوسیوں کی دلی عداوت نے اسے ایک تخریبی تحریک بنادیا اور آگے

چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات واعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دور چلی گئی۔۔۔!

تاریخ اسلام میں اس باطنی تحریک کو "ملاحدہ اسمٰعیلیہ"، "تعلیمیہ اور قرامطہ کے لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ شیعوں کے چھٹے امام جعفر صادقؒ کی وفات کے بعد ان کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہوگئے تھے۔ ایک نے ان کے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر "اہل تشیع امامیہ اثنا عشریہ" کہلائے اور دوسرے گروہ نے ان کے بڑے بیٹے اسمٰعیل کو ان کا جانشین مانا وہ اسماعیلیہ کے نام سے معروف ہوئے۔ یہی لوگ بعد میں "باطنیہ" کہلائے۔۔۔!

گذشتہ صفحات میں ہم یہ بیان کرآئے ہیں کہ ایران کی دوہزار سالہ "ساسانی حکومت" کا خاتمہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہوجانے پر ایران کے مجوسی عربوں کے تسلّط اور اسلام کے فروغ کو ناپسند کرتے تھے اور اپنی عظمت رفتہ کو یاد کرکے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے بغض وحسد کے جذبات بھڑک رہے تھے۔ اس لئے جب ابنِ سبا یہودی کے پیروکاروں نے انہیں اپنے نئے دین "شیعیت" کی طرف بلایا، جس کی بنیاد بغض صحابہؓ اور حضرت علیؓ کے غلوئے عقیدت پر رکھی گئی تھی۔ تو انہیں اپنے درد کا درماں مل گیا۔ اور یہ مجوس تیزی سے شیعیت قبول کرنے لگے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ سارا ایران شیعہ مذہب کا پیروکار ہوگیا۔۔۔!

اہلِ مجوس نے شیعیت قبول ضرور کرلی تھی، لیکن انہوں نے اپنا امتیاز برقرار رکھنے کے لئے شیعہ مذہب کے اصولوں میں بھی ردّوبدل کی اور شیعہ مذہب میں ان کے اثرات اور کوششوں سے جو عقائد پیدا ہوئے وہ بقول براؤن یہ ہیں:۔۔۔

(۱) تشبیہ ۔۔۔ یعنی خدا کا انسانی شکل میں ظہور۔

(۲) بداء ۔۔۔ یعنی مشیت الٰہی میں تبدیلی کا عقیدہ۔

(۳) رجعت ۔۔۔ یعنی امام کی اس دنیا میں دوبارہ واپسی کا اعتقاد۔

(۴) تناسخ ۔۔۔ یعنی ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت پر حلول کرنا۔ {۱}

{۱} "ایران کی ادبی تاریخ" پروفیسر براؤن، ج ۱ ص ۳۱۱۔

یہ سارے عقائد جو آج بھی شیعہ مذہب میں کلیدی اہمیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ طور پر شرک ہیں اور قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی لئے یورپین مورخ لین پول نے اپنی تصنیف "داستانِ قاہرہ" میں لکھا ہے کہ :۔۔۔

"اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمیین مصر کا مذہب "محمد زم زم" نہیں ہے۔۔۔!" {۱}

عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے میں سب سے پہلے فرقہ باطنیہ کے جس شخص نے روج کیا وہ "المقنع" تھا۔ ابنِ خلکان نے اپنی مشہور تصنیف "وفیات الاعیان" میں لکھا کہ المقنع کا اصل نام عطاء تھا۔ یہ شخص انتہائی کریہہ المنظر، قصیر القامت اور ہکلا تھا۔ وہ بدنما چہرے پر سنہرا نقاب ڈالے رہتا تھا۔ اسی لئے "المقنع" یعنی نقاب پوش کہلایا۔ اس نے جادو اور طلسمات میں مہارت حاصل کی اور خدائی کا دعویٰ کردیا۔ اس نے اپنے ؤں سے کہا کہ سب سے پہلے خدا نے آدمؑ میں حلول کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے ہیں سجدہ کیا۔ اس کے بعد خدا تمام انبیاء میں حلول کرتا رہا۔ انبیاء کے بعد ابو مسلم خراسانی جسم میں داخل ہوا اور اس کے مرنے کے بعد اب خدا نے میرے جسم میں حلول کیا! بہرحال المقنع کو ۱۶۹ھ میں قتل کردیا گیا۔۔۔

خلیفہ مامون عباسی کے دورِ حکومت میں فرقہ باطنیہ کے ایک دوسرے فرد "بابک رمی" نے خروج کیا۔ یہ شخص بھی الوہیت کا مدعی تھا۔ بقول مورخ طبری: اس شخص نے یں سال تک ایران کے صوبہ میں ہنگامہ برپا رکھا۔ بالآخر مامون کے سپہ سالار افشین ر نے ۲۲۳ھ میں اسے قتل کردیا۔ المقنع اور بابک خرمی نے خدائی دعویٰ کرکے لاکھوں لمانوں کو گمراہ کردیا۔ بقول مسعودی: بابک نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو قتل کیا ا ان دونوں کے مقتول ہونے کے بعد اہواز کے رہنے والے ایک شخص عبد اللہ ابن ون القداح نے فرقہ اسماعیلیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کی تھی۔ اور پہلے رہ اور پھر سلامیہ (شام) کو اپنا مرکز بنانے کے بعد تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعاۃ کو

{۱} "داستانِ قاہرہ" اسٹینلی لین پول ص ۱۱۳ (مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء)۔

اسمٰعیلی مذہب کی اشاعت کے لئے روانہ کیا۔اس نے ٨٧٥ء ٢٦١ھ میں وفات پا
اس کے بعد ایک عراقی کاشتکار ''حمدان بن اشعث'' نے جس کا لقب ''قرمطہ''
اسماعیلی مذہب کو باطنی تحریک میں بدل دیا۔اور اسی لئے اسمٰعیلی فرقہ اس کے نام
منسوب ہوگیا اور لوگ انہیں ''قرامطہ'' کہنے لگے ــــ!

قرامطہ نے ''الجنابی'' کی قیادت میں ایران کے علاقہ میں ایک آزاد ریاست
کرلی تھی۔اس کے بیٹے ابوطاہر قرمطی نے ٩٣٠ء میں ایام حج کے دوران مکہ مکرمہ پر حمل
کے حجاج کرام کو شہید کیا تھا۔اور چاہِ زمزم کو حجاج کی لاشوں سے پاٹ دیا تھا۔اس وا
کا تذکرہ ہم گذشتہ صفحات میں بھی کر چکے ہیں۔اس نے کعبہ کی دیوار میں نصب ''حجر ا
کو اکھیڑ کر دو ٹکڑے کر دیا تھا۔پھر یہ کمبخت اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا اور اسے اپنے گھ
دہلیز پر دفن کر دیا تھا تاکہ لوگ اس پر سے ہو کر گذریں اور اس کی بے حرمتی ہو۔ان قرا
نے تقریباً سو سال تک سلطنتِ عباسیہ کے باشندوں کو خوف زدہ رکھا تھا ــــ! {١}

القداح نے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے بہت سے مبلغین تیار کئے تھے۔ان کا لق
''داعی'' تھا۔ان دعاۃ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی معزز پیش
تجارت یا طبابت اختیار کر لیتے تھے۔مثال کے طور پر دنیائے طب کی جانی پہچانی شخص
جسے ''بابائے طب'' بھی کہا جاتا ہے۔یعنی شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا بھی عقائد کے ا
سے ''باطنی شیعہ'' تھا۔عام طور پر یہ لوگ سب سے پہلے اپنی وضع قطع، تقشف اور فلس
گفتگو کے ذریعہ لوگوں کے دلوں پر اپنی علمیت کا سکّہ اور قابلیت کی دھاک بٹھاتے
اپنے زہد و تقویٰ اور تقدس کی نمائش اور متورّع ہونے کا نقش جماتے تھے۔پھر جب ل
ان کی بزرگی اور تقدس کے قائل ہو جاتے تھے تو ان کے قلوب میں فلسفیانہ سوالات
ذریعہ شکوک و شبہات اور وساوس و اضطراب پیدا کر دیتے تھے، پھر رفتہ رفتہ ان کے عقا
متزلزل کر کے انہیں اپنے رنگ میں رنگ لیتے تھے ــــ! {٢}

{١} تاریخ براؤن پروفیسر براؤن ج ۱ ص ۱۰۱۔
{٢} ''تاریخ خلافت بنی فاطمہ'' ڈاکٹر اولیری ص ٢٨-٢٩۔

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں، مسلمانوں میں تصوّف
کے ابتدائی سلسلوں کا آغاز ہو چکا تھا جیسے طیفوریہ، محاسبیہ، حلولیہ اور نوریہ وغیرہ۔مرشدان
تصوف کی عامۃ المسلمین میں غیر معمولی پذیرائی کے جذبات، اور ان کے ارشادات پر فرطِ
عقیدت سے آنکھ بند کر کے عمل کرنے کے رجحان کو دیکھ کر تصوف کے ذریعہ ان قرامطہ
باطنیہ کو اپنے خیالات و عقائد مسلمانوں میں پھیلانے کا سنہری موقع ہاتھ آیا۔چنانچہ انہوں
نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور صوفیوں کا بھیس بنا کر اور تقیہ کر کے خود کو سُنی العقیدہ
ظاہر کرنے کے بعد یہ لوگ بھی گروہِ صوفیاء میں شامل ہو گئے اور انہیں کی طرح کچھ عرصہ
کے بعد ان تقیہ بردار ''شیعہ صوفیوں'' نے بھی اپنی الگ خانقاہیں بنا لیں اور مسند وعظ
ارشاد کے ذریعہ جاہل عوام کو اپنا معتقد بنانے کے بعد ''پیری مریدی'' کا سلسلہ شروع
کر دیا۔اس کے بعد اپنے عقیدت کیش مریدوں کے ذریعہ اپنے گمراہ کن خیالات اور
شیعہ آئیڈیالوجی کو عوام الناس کے ذہنوں میں اتارنا کچھ مشکل نہ تھا ــــ! اس طرح
''تصوف'' جو اسلامی اصطلاح ''احسان'' ہی کا دوسرا نام تھا اور رشد و ہدایت اور اصلاح
و تزکیہ نفس کا ایک موثر ذریعہ...... ان دشمنانِ اسلام اہل تشیع باطنیہ کی کوششوں کے طفیل، ہر
طرح کی خرافات شرک و بدعت اور غیر اسلامی عقائد اور اعمال و وظائف اور شیعی معتقدات
سے آلودہ ہو کر اپنی آب و تاب کھو بیٹھا۔شیعی اور باطنی خیالات و عقائد، اسلامی تصوف کے
ساتھ مل کر گمراہ صوفیاء کے ذریعہ اس طرح لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو گئے ہیں کہ
اب ان کو دلوں سے نکالنا ناممکن ہو گیا ہے۔بطور ثبوت ''بریلویت'' کی مثال پیش کی جا سکتی
ہے جو تقیہ کے پردہ میں شیعیت کی ہی ایک واضح شکل ہے اور جاہل طبقے میں ''پیرا
مریدی'' کے دھندے کے ذریعہ ہی اس کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی ہے ــــ!!

اسمٰعیلی شیعوں کا نام ''باطنیہ'' اس لئے پڑا کہ ان کے نزدیک ہر لفظ کے ایک ظاہری
معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور
دیا کہ ان کا اصل نام ''اسمٰعیلیہ'' غیر معروف ہو گیا اور وہ ''باطنیہ'' کے نام سے ہی مشہور ہو گئے۔
انہوں نے لوگوں کو یہ باور کرایا کہ قرآن و حدیث کے الفاظ کے بھی دو، دو معنی ہیں۔یعنی

ایک ظاہری اور ایک باطنی ۔ اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست کو مغز سے ہو
ہے۔ جہلاء صرف ظواہر سے آگاہ ہوتے ہیں حقائق یا ''باطنی معارف ومعانی'' کو صرف اہل
اسرار ہی جانتے ہیں۔ جو شخص ظواہر یعنی ظاہری معنیٰ میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں
میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نچلی سطح پر ہے۔ اور جو شخص ''اہل باطن'' کی صحبت میں ر
کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے ---!

باطنی شیعوں کی نزاریہ شاخ کی ۴۷ ویں امام شہاب الدین شاہ فرزند شاہ علی شاہ کی
ایک کتاب ''رسالہ در حقیقت دین'' کے نام سے فارسی زبان میں ۱۹۳۳ء میں بمبئی سے
شائع ہوئی تھی۔ اس کا دیباچہ انگریزی زبان میں پروفیسر آئی ویناف (I Vanaw) نے
لکھا تھا۔ اس رسالہ کے صفحہ ۱۳ پر یہ روایت ''حدیث قدسی'' بتا کر درج کی گئی ہے :

لولاک لما خلقت الافلاک {۱} یعنی اے محمد! اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک
و کائناتِ ہستی کو پیدا نہ کرتا ---!

اسی طرح اس رسالہ کے فصل پنجم میں ایک جگہ یہ روایت درج ہے کہ :

''اگر علی نہ بودے ترا خلقت نمی کردم''

یعنی اگر علی نہ ہوتے تو اے محمد! ہم تجھے بھی پیدا نہ کرتے۔

"لولاک لما" کی اس مشہور شیعی روایت کی تشریح میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ
''ارشادِ الٰہی'' کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر یا طفیل ساری کائنات
کو پیدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس روایت کے ابتدائی الفاظ "لولاک" اس مفروضہ تشریح کی
نفی کرتے ہیں اور ان پر غور کرنے سے طفیل، خاطر یا واسطے کا مفہوم کہیں بھی مترشح نہیں
ہوتا۔ بلکہ صاف طور پر لولاک کا لفظ کائنات کی تخلیق سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے وجودِ حقیقی کی موجودگی کا اشارہ کرتا ہے لو = اگر۔ لا = نہیں (ہوتا) ك = تیرا (وجود)۔
حاصلِ مطلب یہ ہے کہ اس کائناتِ ہستی سے قبل تیرا وجودِ ہستی موجود نہ ہوتا تو میں کائنات
کو بھی پیدا نہ کرتا (کیونکہ میں نے تیری خوشی اور خوشنودی کیلئے ہی اس عالمِ ہستی کو وجود بخشا ہے)

{۱} ''رسالہ در حقیقت دین''، امام شہاب الدین شاہ نزاریہ، ص:۱۳۔

واضح رہے کہ اگر اس روایت میں موجود لفظ ''افلاک'' سے صرف ساتوں آسمان
مراد لئے جائیں تو زمین اور باقی کائنات کی علت وجودی بے معنیٰ ہو جاتی ہے۔ اور اگر
افلاک سے مراد ساری کائنات اور عالمِ موجودات ہی ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک انسان اور مخلوق کے کائنات سے علیحدہ کب ہیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو بہر حال اسی کائنات کا ایک جزو اور حصہ ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت
میں اس روایت کا مفہوم یہی قرار پائے گا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شیعی
عقیدہ کے مطابق ''اوّل وآخر'' یعنی ازل سے موجود اور غیر حادث ہیں لہٰذا: آپؐ کے
وجود کو مدنظر رکھ کر کائناتِ عالم کی تخلیق بعد میں کی گئی۔ اور چونکہ ازل سے موجود ہستی
کائنات کا جزو نہیں ہوتی۔ لہٰذا آپ بھی غیرِ حادث...... یا بالفاظ دیگر خدا ہیں! اور اگر اس
ہی رسالہ کی دوسری روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے۔ یعنی ''اگر علیؓ نہ ہوتے تو اے محمدؐ!
ہم تجھے بھی پیدا نہ کرتے۔'' تو صورتِ حال اور بھی سنگین ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر پہلی روایت
کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ازل سے موجود اور غیرِ حادث ہیں، مخلوق نہیں ہیں، تو
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے قبل حضرت علیؓ کا وجود ایک مہمل بات ہوگی: کیونکہ
ازلیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے قبل کوئی موجود نہ ہو۔! حضرت علیؓ کا وجود رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے قبل ماننا اور آپؐ کے وجود کو حضرت علیؓ کے وجود کی علت غائی بتانا گویا اس
بات کا صریح اعتراف ہے کہ ازل سے موجود ہستی اصلیت میں حضرت علیؓ کی ہی ہے اور
وہی خدا اور معبودِ حقیقی ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود شیعی عقیدہ کے مطابق
چونکہ بہر طور حضرت علیؓ کا ہی وجود ہے۔ لہٰذا کائنات کی پیدائش کی علت غائی محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے پردہ میں در اصل حضرت علی ہی ہیں۔ اس لئے کہ ازل سے خدائی کرنے والی
ہستی صرف حضرت علیؓ کی ہی ہے۔ بالفاظِ دیگر وہی اللہ ہیں، وہی محمدؐ ہیں اور وہی معبودِ حقیقی
ہیں۔ کیونکہ اللہ، محمدؐ اور علیؓ میں عینیت کا علاقہ ہے۔ لہٰذا تینوں ایک ہی وجود ٹھہرے۔ اور
کائنات کا وجود پذیر ہونا صرف حضرت علیؓ کے وجود کا محتاج ہے ---!

بہر نوع! لولاک لما کا یہ عقیدہ شیعیت کی جان اور اس کے متبعین کا ایمان ہے

ان لوگوں نے اس شرکیہ عقیدہ کو اہلِ سنت کے ذہنوں میں اتارنے کے لئے نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے اس پر عشقِ رسول کا خوشنما اور چمکدار غلاف چڑھا کر اسے اس قدر پرکشش اور دیدہ زیب بنا دیا ہے کہ عقلی دلائل اور شریعت کی روشنی اس کی چمک دمک کے آگے ماند پڑ جاتی ہے—!

ملا علی قاریؒ اپنی مشہور کتاب ''الموضوعات الکبیر'' میں لکھتے ہیں کہ روافض نے حضرت علیؓ کے فضائل میں تین لاکھ سے زیادہ روایات وضع کی تھیں جن میں سے بیشتر گمراہ صوفیوں کے ذریعہ جاہل اور کم علم مسلمانوں میں مقبول ہو کر عقیدہ و عمل کا جزو بن گئیں۔ مثلاً

(۱) لولاك لما والی مذکورہ بالا روایت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وجہِ تخلیقِ کائنات بتایا گیا ہے خالص شیعی افترا پردازی ہے۔

(۲) کنت کنزاً مخفیاً والی ''حدیث'' بھی موضوع اور بے اصل ہے۔

(۳) اول ما خلق اللہ نوری وانا من نور اللہ بھی شیعوں کی گھڑی ہوئی جھوٹی حدیث ہے۔

(۴) کان اللہ ولم یکن معه شیٔ بھی حدیث نہیں ہے، شیعوں کی تراشیدہ ہے۔

(۵) حضرت علیؓ کی نمازِ عصر قضا ہونے پر آفتاب کے واپس لوٹ آنے کی روایت بھی قطعی جھوٹ اور اہلِ تشیع کا گھڑا ہوا افسانہ ہے۔

(۶) حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مرفوعاً یہ روایت کہ تخلیقِ آدم سے دو ہزار برس پہلے قریش اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک نور تھا جو تسبیح کیا کرتا تھا اور اس کی تسبیح خوانی کے مطابق فرشتے تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس حدیث کی بھی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ محض کذب بیانی ہے۔ کیونکہ قریش اسلام سے پہلے مشرک تھے اور ظہورِ اسلام کے وقت یہ لوگ سب سے زیادہ سخت کافر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ اذیت پہونچانے والے تھے اور یہی لوگ مکہ والوں کو مسلمان ہونے سے روکنے میں پیش پیش تھے۔ ابوجہل، ابولہب، عتبہ بن ربیع، امیہ بن خلف، جیسے مشرکینِ مکہ اور دشمنانِ رسول کیا قبیلہ قریش سے تعلق نہیں رکھتے تھے—؟ پھر یہ نورانی الاصل ہونا چہ معنی دارد—؟؟

(۷) خرقۂ صوفیاء والی روایت بھی غلط، جھوٹی اور معاندینِ صحابہ اہلِ تشیع کی وضع کردہ ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں ایک خرقہ عطا کیا گیا تھا اور حکم دیا گیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اس کو پہنا دیا جائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ اور عمر بن الخطابؓ سے اس خرقہ کے بارے میں دریافت فرمایا کہ آیا وہ اس کا حق ادا کر سکتے ہیں—؟ ان کے جوابات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن نہ ہوئے پھر حضرت علیؓ سے پوچھا گیا ان کے جواب سے آپ مطمئن ہو گئے اور پھر وہ آسمانی خرقہ حضرت علیؓ کو پہنا دیا۔!!

(۸) یہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہؓ کو نہیں سکھائے۔ سراسر لغو اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بہتان ہے کیونکہ اسلام میں کوئی بھید اور راز نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول ایسا نہیں کر سکتے تھے—!

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی سیکڑوں جعلی اور بے بنیاد روایات جو صدیوں سے مسلمانوں کے ذہنوں میں اہلِ تشیع کی کوششوں سے جگہ پا چکی ہیں، شرک و بدعت کے فروغ کا حقیقی سبب ہیں۔ باطنی شیعوں نے گمراہ صوفیوں کے ذریعہ اپنے عقائد کی اشاعت کی اور جاہل و نیم خواندہ سادہ لوح مسلمانوں نے ان خرافات کو اسلامی روایات اور حدیثِ رسول سمجھ کر اپنا جزو ایمان بنا لیا۔ اب ان عقائد کو ان کے ذہنوں سے نکالنا بلا شبہ ایک ناممکن امر ہو گیا ہے—!

بہر حال ''باطنیت'' جو سبائیت یا دوسرے لفظوں میں ''شیعیت'' کی ایک نکھری ہوئی شکل ہے۔ اسلام کے خلاف دشمنانِ اسلام یہود کی ایک خطرناک سازش تھی جو انہوں نے ایران کے مجوسیوں کی مدد سے تیار کی تھی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کے ذہنوں سے توحید اور اسلامی شریعت کے نقوش کھرچ کر پھینک دینا تھا تاکہ رفتہ رفتہ اسلام کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے۔ بدقسمتی سے صوفیاء کا جاہل طبقہ اپنی جہالت اور سادہ لوحی کی بنا پر بہت جلد ان کی سازش کا شکار ہو گیا اور انہوں نے اپنی صفوں میں موجود ان تقیہ بردار دشمنانِ اسلام کے خلاف شریعت

نظریات کو نہ صرف یہ کہ پوری طرح قبول کرلیا بلکہ اپنے خلفاء ومریدین کے ذریعہ ان خیالات کی اشاعت کر کے عامۃ الناس میں پھیلا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مسلم معاشرہ کا ۳/۴ حصہ ان غیر اسلامی نظریات کو اپنے بزرگوں سے منسوب ہونے کی وجہ سے ''عین اسلام'' سمجھتا ہے اور ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارہ نہیں کرتا ۔۔۔!

پروفیسر مرزا محمد سعید اپنی محققانہ تصنیف ''مذہب اور باطنی تعلیم'' میں لکھتے ہیں:۔۔۔

''ہماری رائے میں اس بات کو باور کر لینے میں کوئی تأمل نہیں ہوسکتا کہ تصوف کو ایران میں بارہویں صدی سے پندرہویں صدی تک جو مقبولیت حاصل تھی اس سے فائدہ اٹھا کر بہت سے اسمٰعیلی مبلغ صوفیاء اور درویشوں کے لباس میں عوام کو مسحر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔'' {۱}

باطنی شیعوں نے صوفیوں کے ذریعہ جو اپنے مخصوص عقائد عوام الناس میں پھیلائے ہیں، اس کا اندازہ ترکی اور اس کے اطراف میں مشہور اہل تشیع کے سلسلہ میں تصوف، یعنی بیکتاشی صوفیوں کے عقائد سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ سلسلہ تصوف اپنے عقائد ونظریات کے لحاظ سے شیعیت اور باطنیت کا مجموعہ ہے۔ ان کے کچھ عقائد کا تذکرہ ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں مثلاً ''نادعلیاً'' والی شیعی روایت کی تبلیغ وغیرہ۔ ان کے چند گمراہ کن شیعی عقائد اور ملاحظہ فرمائیں۔ جو ڈاکٹر جے۔ کے برج نے اپنی کتاب ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' میں ان کی معتبر کتابوں سے نقل کیے ہیں ۔۔۔

(۱) اللہ حقیقت واحدہ ہے۔

(۲) اللہ، محمدؐ اور علیؓ تینوں میں ''عینیت'' کا علاقہ ہے۔ یعنی یہ تینوں نام ایک ہی ہستی کے ہیں۔

(۳) محمدؐ اور علیؓ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں۔

(۴) محمدؐ اور علیؓ ایک حقیقت یا ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ {۲}

{۱} ''مذہب اور باطنی تعلیم'' پروفیسر مرزا محمد سعید ص ۳۲۸۔

{۲} ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' ڈاکٹر جے کے برج ص ۱۳۲-۱۳۳۔

اسی طرح بیکتاشی سلسلے کی معتبر ترین کتاب ''خطبۃ البیان'' میں حضرت علیؓ کے یہ اقوال نقل کیے گئے ہیں ۔۔۔

(۱) میں قسیم النار والجنۃ ہوں۔

(۲) میں اللہ کا دل ہوں۔

(۳) میں نوح اول ہوں۔

(۴) میں ذوالقرنین ہوں۔

(۵) میں عالم ماکان ومایکون ہوں۔

(۶) میں قیوم السماء ہوں۔

(۷) میں منشی السحاب ہوں۔

(۸) میں مطر الانہار ہوں۔

(۹) میں لوح محفوظ ہوں۔

(۱۰) میں حجۃ اللہ ہوں۔

(۱۱) میں حجۃ الانبیاء ہوں۔

(۱۲) میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمدؐ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

(۱۳) عزرائیل یعنی ملک الموت میرا تابع فرمان ہے۔ {۱}

مذکورہ بالا عقائد سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان بیکتاشی صوفیوں کا اسلام سے کتنا تعلق تھا۔۔۔؟ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کا نام لیکر سیدھے سادھے ترک مسلمانوں کو بے وقوف بنایا ہے اور ان کا مذہب اسلام نہیں بلکہ شیعیت اور باطنیت کا مجموعہ ہے۔ ان لوگوں نے جادو، مسمریزم اور ہپناٹزم کے سہارے مسلمانوں کے اذہان وقلوب پر دسترس حاصل کی اور انسانی جسم میں ودیعت کردہ قوتِ جذب وکشش یعنی حیوانی مقناطیسیت (Animal Maganatism) کی بے پناہ مشق ومہارت کے سہارے مافوق الفطرت کارنامے انجام دے کر عوام کے دلوں پر اپنی بزرگی کا نقش بٹھایا۔

{۱} ''خطبۃ البیان'' ص ۱۴۲-۱۴۳ مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء۔

ترک چونکہ سب سے پہلے ان کی فریب کاریوں کا شکار ہوئے تھے اور عرصہ دراز تک ترکی خلافت دنیائے اسلام کی محافظ اور اسلامی قدروں کی نقیب رہی ہے اس لئے یہ عقائد باطلہ جاہل صوفیوں یا تقیہ بردار شیعی مبلّغین کے ذریعہ رفتہ رفتہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں پھیل گئے۔ یوں ملتِ اسلامیہ کا ایک بڑا طبقہ انجام کار شرک وبدعت کے گہرے اور تاریک غاروں میں جاگرا ۔۔۔!

تقیہ کے لبادے میں ملبوس صوفیوں کا یہ ''بیکتاشی سلسلہ'' جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں، ''حاجی بیکتاش'' نامی ایک اسمٰعیلی داعی نے شروع کیا تھا جس کا پورا نام حاجی قندش بیکتاش (Hadju kondush) تھا۔ یہ شخص ۶۳۸ھ - ۱۲۸۱ء میں خراسان سے جو اسماعیلی شیعوں کے دعاۃ کا مرکز تھا ترکی شہر ''اناطولیا'' آیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنی خانقاہ ہنگری کے قصبہ ''ناغی کنیزسا'' (Noghy Kanizsa) میں قائم کرلی تھی۔ حسن بن صباح کے پیروکار اس اسماعیلی داعی نے بہت جلد اپنی عقیدت اور بزرگی کا سکّہ ''بوسنیا'' اور اس کے اطراف کے شہروں کے ہزاروں مسلمانوں کے علاوہ بہت سے عیسائیوں کے دلوں پر بھی بٹھا دیا تھا۔ سلطنت ہنگری کے فوجی سپاہیوں کو بھی اس سے عقیدت ہوگئی تھی۔ ان کا اعتقاد تھا کہ حاجی قندش بیکتاش کا عطا کردہ تعویذ بازو پر باندھنے سے بندوق کی گولی اثر نہیں کرتی۔ حاجی صاحب تلواروں، سنگینوں اور بندوق کی گولیوں کے گہرے زخموں کو صرف ہاتھ پھیر کر اور اپنا لعاب دہن لگا کر اچھا کر دیتے تھے۔ مشہور مستشرق ڈاکٹر زویمر نے حاجی قندش بیکتاش کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی مریض لایا جاتا تھا تو وہ چند دعائیں پڑھ کر اس پر دم کرتے تھے اور اسے چت لٹا کر دونوں ہاتھ اس پر پھیرتے تھے اور اس طرح وہ دم بھر میں صحت مند ہوجاتا تھا۔۔۔! حاجی قندش بیکتاش کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ وہ جس شخص کو گھور کر دیکھتے وہ بے ہوش ہوجاتا تھا۔ اس لئے حاجی صاحب اکثر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔۔۔!

سلطنتِ عثمانیہ کے بانی سلطان عثمان اوّل نے جس زمانے میں ''اناطولیا'' کی چھوٹی چھوٹی ترک ریاستوں کے شیرازہ بندی شروع کی تھی۔ ان کی اس فوجی تحریک اور

سیاسی صف بندی کے دوش بدوش بیکتاشی صوفیوں کی ''مذہبی تحریک'' بھی ترکی میں فروغ پارہی تھی۔ ان کے راہبانہ طور طریق اور کثرتِ اشغال کی بنا پر ان کی نام نہاد ''روحانی قوت'' یا بالفاظِ دیگر ''حیوانی مقناطیسیت'' پر کنٹرول کرنے کی مشق کافی بڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے ترکوں کی اکثریت بڑی آسانی سے ان کے دام فریب میں گرفتار ہوتی چلی گئی۔ انتہا یہ کہ ترکی کا سلطان عثمان خاں اوّل اپنے ابتدائی دور عروج میں بیکتاشی صوفیوں کے اثرات سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگیا۔ اور وہ اپنی تمام فتوحات کو بیتاشی صوفیوں کے وظائف ونقوش وتعویذات کا نتیجہ سمجھتا تھا۔۔۔!

سلطان عثمان خاں کا بیٹا اورخان بھی بیکتاشی صوفیوں کا گرویدہ اور معتقد تھا وہ جب اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا اور مختلف جنگوں میں بہت سے نوعمر عیسائی لڑکے گرفتار ہوکر اس وقت کے ترکی سلطنت کے پایۂ تخت ''بروصہ'' بھیجے گئے تو سلطان اورخاں نے ان عیسائی لڑکوں کو اپنے مرشد بیکتاشی شیخ کے حضور پیش کردیا۔ شیخ نے ان نوعمر عیسائی لڑکوں کو اپنی توجہ اور ''روحانی قوت'' سے جب مذہب اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرلیا تو اس نے سلطان کو حکم دیا کہ وہ ان نومسلموں کو ''فرزندانِ شاہی'' قرار دے کر ان کی خالص فوجی تربیت دے۔ اس کے بعد بیتاشی شیخ نے ان لڑکوں کو اپنی آستین پھاڑ کر بطور ''تبرک'' دی اور انہیں اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔ انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ اگر وہ جہاد پر ثابت قدم رہے تو فتح ونصرت ان کے قدم چومے گی۔۔۔!

سلطان اورخان نے ان نومسلم لڑکوں کے لئے اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق شاہی محل کے قریب علیٰحدہ فوجی بارکیں بنوائیں اور انہیں شہزادوں کی طرح تمام حقوق اور عیش و آرام کے لوازم عطا کئے۔ ان نومسلموں نے چونکہ اسیری کے مصائب برداشت کرنے کے بعد بیکتاشی شیخ کی مہربانی کے طفیل اچانک ہی غیر متوقع طور پر عیش وآرام اور قدر ومنزلت پائی تھی اس لئے قدرتی طور پر وہ شیخ اور اس کے جانشینوں کے بندۂ بے دام اور بے انتہا عقیدت مند تھے۔ عیسائیوں کے ساتھ مختلف لڑائیوں میں رفتہ رفتہ نوعمر قیدیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور وہ شیخ کے توسط سے اسلام لانے کے بعد اس جماعت میں

شامل کئے جانے لگے۔ ہر سال دو ہزار عیسائی لڑکے جنگی قیدیوں سے منتخب کر کے اس مقصد کے لئے وقف کئے جانے لگے یہاں تک کہ ترکی سلطنت کی وہ مشہور ''ینی چری'' فوج تیار ہوگئی جس کے ہیبتِ شمشیر اور رعب و دبدبہ سے یُورپ صدیوں تک بید لرزاں کی طرح کانپتا رہا! اس نو مسلم فوج کا پرچم بیتاشی شیخ کی عطا کردہ وہ آستین تھی جو اس نے شروع میں ان کے حوالے کی تھی—!

سلطنتِ عثمانیہ کے سب سے زیادہ بہادر، جری اور ہمت والے سپاہی ''ینی چری'' فوج کے یہی نوجوان تھے جو بیکتاشی صوفیوں کے مرید اور ان کے خیالات و معتقدات کے داعی تھے۔ اس فوج کی بہادری کے سہارے سلطنتِ عثمانیہ بہت جلد یونان، سرویا، بلغاریہ، البانیہ اور ہنگری کو پامال کرتی ہوئی ویانا کے دروازے پر پہونچ گئی۔ ''ینی چری'' فوج کے یہ مایۂ ناز سپاہی بیکتاشی درویشوں کی عقیدت کے نشے میں اس قدر چور اور ان سے اس درجہ اندھی عقیدت رکھتے تھے کہ وہ ہر جنگ کے موقع پر اپنے بازو پر بیکتاشی صوفیوں کے عطا کردہ تعویذ اس یقین کے ساتھ باندھتے تھے کہ دشمنوں کے ہتھیار ان پر اثر انداز نہیں ہوسکیں گے۔ بیماری کے علاج کے بجائے وہ ان درویشوں سے پانی دم کرا کر پیتے تھے۔ اور جنگ کے وقت وہ اپنے شیخ کے نام کا نعرہ لگا کر اس سے مدد طلب کرتے تھے—!

عثمانی سلطنت میں سلطان کے بعد سب سے بڑا درجہ وزیرِ اعظم کا ہوتا تھا۔ اس دور میں بیکتاشی صوفیوں کا اثر ورسوخ سلطنتِ عثمانیہ پر اس قدر زیادہ تھا کہ ہمیشہ وزیرِ اعظم بیکتاشی سلسلے کے ان نو مسلم مریدوں کی رائے سے مقرر کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ''ینی چری'' فوج کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ سلاطینِ عثمانیہ کا عزل و نصب بھی ان کے ہاتھ میں چلا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال تک یہ لوگ عثمانی خلفاء کو اپنی مرضی کے مطابق، تخت نشین اور معزول و قتل کرتے رہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے آخری دور میں ینی چریوں کی ناقابلِ برداشت سرکشی سے مجبور ہو کر افواجِ عثمانیہ کے ہاتھوں انہیں انتہائی بے دردی سے تہہ تیغ کیا گیا۔ اس طرح ملک کو ان کے عذاب اور آئے دن کی بغاوتوں سے بظاہر نجات ضرور مل گئی، مگر بیکتاشی ینی چری فوج کے ختم ہو جانے سے اطرافِ عالم میں عثمانی سلطنت کا رعب و دبدبہ

بالکل ختم ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ ان کی عظمت و شوکت اور ہیبت قصّہ پارینہ بن کر رہ گئی—!

خلافتِ عثمانیہ کے ہاتھوں جنوب مشرقی یورپ فتح ہو جانے کے بعد ترک سب سے زیادہ ہنگری میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ اور اس ملک پر انہوں نے عرصہ دراز تک حکومت کی ہے۔ ہنگری میں آباد ہونے والے ترک باشندوں کی عظیم اکثریت چونکہ بیکتاشی صوفیوں کے زیر اثر تھی اس لئے تعویذات و نقوش کے علاوہ شیعی معتقدات پر مشتمل عقائد واعمال اور شرک و بدعت کا فروغ وہاں بہت زیادہ بڑھا۔ ہنگری کے موجودہ دار الحکومت ''بوڈاپسٹ'' میں مشہور صوفی بزرگ ''گلشن بیکتاشی'' کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے، جہاں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ عیسائی بھی مرادیں مانگنے کے لئے کثرت سے آتے ہیں۔ ان بزرگ کے بارے میں مقامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ہاتھ پھیر کر امراض دور کر دیا کرتے تھے۔ ان کے مزار کے پاس ایک چھوٹا سا چشمہ بھی موجود ہے، جس کا پانی دفع امراض کے لئے ارفع و اعلیٰ سمجھا جاتا ہے—!!

باطنی شیعوں کا ایک اور صوفیانہ سلسلہ ہے جو خطہ کشمیر میں بے حد مقبول ہوا یہ ''نور بخشی سلسلہ'' کہلاتا ہے۔ اس کا بانی سید محمد بن عبد اللہ تھا جو ۷۹۵ھ میں ''قائین'' (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا۔ اسے اس کے مرشد خواجہ اسحٰق خطلانی نے ''نور بخش'' کا خطاب دیا تھا۔ نور بخش کا دعویٰ تھا کہ اسے امام جعفر صادق سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اس سلسلے کے افراد خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانِ غنیؓ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں!

نور بخشی سلسلہ، کشمیر میں فتح شاہ کے عہد حکومت میں ۱۴۹۶ء میں ایک شخص شمس الدین نامی اسماعیلی داعی نے شروع کیا تھا۔ یہ شخص اپنے وطن ''شولغان'' (علاقہ ایران) سے چل کر بلتستان میں نور بخشی عقائد کی تبلیغ کے لئے پہونچا، پھر کشمیر آیا اور کشمیر کے چک حکمران خاندان کو شیعہ مذہب کا پیرو کار بنا دیا—! {۱}

اس طرح دشمنانِ اسلام یہود اور مجوس نژاد شیعوں نے جو قرامطہ کے نام سے باطنی

{۱} ''کشمیر زیر نگیں سلاطین'' پروفیسر محب الحسن ص ۲۸۳-۲۸۷۔

عقائد کی تبلیغ وتشہیر میں معروف تھے، صوفیوں کا بہروپ بنا کر مسلمانوں کی صفوں میں گھسنے کے بعد رفتہ رفتہ مسلمانوں کو غیر اسلامی شیعہ عقائد سے مانوس کیا۔ اپنی ان کوششوں کے ذریعہ وتصوف کے پردہ میں اپنے معتقد مسلمانوں کے اندر الحاد، بے دینی کی اشاعت اور شیعی عقائد شرک وبدعت کی اشاعت میں کامیاب ہوگئے۔ شیعوں کے مخصوص عقائد مثلاً تثلیث (اللہ، محمدؐ اور علیؓ کا ایک ہی وجود ہونے کا نظریہ) تجسیم (اللہ کا انسانی جسم میں آنا) کفارہ، حلول، الوہیت علیؓ، رجعت، بداء، اتحاد، تناسخ ارواح اور قدامت مادّہ وغیرہ جو شیعی لٹریچر کی جان ہیں، انہیں قرامطہ باطنیہ کی کوششوں کے نتیجہ میں تصوّف کی بہت سی کتابوں میں داخل ہوگئے اور پھر بدعت پسند نام نہاد پیروں اور شیعیت زدہ مشائخ کے ملفوظات اور کتبِ تصوّف میں ان عقائدِ باطلہ کا ذکر اور ذہنی وابستگی دیکھ کر عوام الناس انہیں ہی اصل اسلام سمجھنے لگے ——!!

مثال کے طور پر ایک صوفی بزرگ سید سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف ''حقائق ومعارف القدر'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو ''وصیِ نبی'' مانتے تھے۔ حالانکہ یہ عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''وصی'' یعنی جانشین تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ ابن سبا یہودی کی اختراع اور اہلِ تشیع کے مذہب کی جڑ بنیاد ہے۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ حضرت علیؓ وصی رسولؐ تھے تو وہ دوسرے لفظوں میں خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو بلاشبہ ''غاصب'' تسلیم کرتا ہے۔ خواہ وہ مصلحتاً یا تقیہ کے طور پر زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے ——!

سید سلامت علی شاہ قادری کی مذکورہ بالا کتاب کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے۔

''ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی، وصی نبی وعلی ذریتہ الحسن والحسین —— الخ''

صفحہ نمبر ۶ پر اس کتاب میں یہ فارسی رباعی لکھی ہوئی ہے۔

یارب برسالتِ رسول الثقلین ۔۔۔ یارب بغز کنندۂ بدر وحنین
عصیان رامرا دو حصہ کن در عرصات ۔۔۔ نیمے بحسن بخش ونیمے بہ حسین!

پوری کتاب میں حضراتِ شیخینؓ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے ان پر ہدیۂ سلام بھیجنا تو دور کی بات ہے!

اپنی اسی کتاب ''حقائق ومعارف القدر'' کی دوسری جلد میں سید سلامت علی شاہ قادری غیر اسلامی ''شیعہ عقیدہ'' درج کرتے ہیں۔

''معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ مقتدائے زماں امین خاں سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین، شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھو۔ جب میں نے حکم کی تعمیل میں ادھر دیکھا تو پوچھا۔ کیا نظر آیا......؟ میں نے کہا۔ محمدؐ۔ فرمایا اب پھر دیکھو۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ فرمایا چہ دیدی؟ یعنی کیا دیکھا؟ میں نے کہا علیؓ۔ فرمایا پھر دیکھو۔ میں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ پوچھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے کہا عبدالقادر جیلانی کو دیکھا۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔ محمدؐ، علیؓ اور عبدالقادر جیلانی بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (یعنی باعتبار باطن) ایک ہی وجود ہیں اور معیّت تام رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے جو اس کے خلاف سمجھے۔'' {۱} (یعنی ان تینوں کو علیحدہ علیحدہ ہستی سمجھتا ہو)

ایک اور صوفی بزرگ، سلطان العارفین، بُرہان الواصلین ملا سلطان محمد گنابادی کی تصنیف ''ولایت نامہ'' میں یہ غیر اسلامی اور ''شیعی عقیدہ'' ملتا ہے۔

قبول رسالت بیعت کردن است بر قبول احکام ظاہری، وقبول ولایت بیعت کردن است برقبولِ احکام باطنی۔ اول را اسلام وثانی را ایمان می گویند۔

رسالت پر ایمان لانا احکامِ ظاہری کے قبول کرنے کی بیعت ہے اور ولایت کے نظریہ پر یقین کرنا باطنی احکام کے قبول کرنے کے مترادف ہے۔ رسالت محمدی

(۱) ''حقائق ومعارف القدر'' سید سلامت اللہ قادری ج ۲ رص ۱۳۷۔

وچوں قبول رسالت بجہت وصول
بسوئے ولایت است کہ فرمود : وَ
لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰاكُمْ
لِلْاِيْمَانِ۔ وفرمود وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَةً۔ یعنی رسالت تو
مقدمہ ولایت علی علیہ السلام است اگر
تبلیغ رسالت نہ کردی وبیعت بولایت
علی نہ گرفتی، ہیچ تبلیغ رسالت نہ کردہ۔
کہ مقدمہ بدون ذی مقدمہ وجودش با
عدم مساوی است وبملاحظہ حیثیت
رسالت و ولایت بحدیث دادہ کہ
لولا علیّ لما خلقتك ۔“ {۱}

قبول کرنا اسلام ہے اور ولایتِ علی کے نظریہ پر
یقین کرنے کا نام ایمان ہے۔ اور رسالتِ محمدی
کو قبول کرنا ولایتِ علی کے تسلیم کرلینے کی سمت
پہلا قدم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے
کہ ”اللہ نے تم پر احسان کیا کہ تمہیں ایمان کی
طرف رہنمائی کی۔“ دوسری آیت کا مطلب یہ
ہے کہ اے محمدؐ! اگر تو نے ولایتِ علی کی تبلیغ
نہیں کی اور بیعت علی کے لئے نہیں لی تو رسالت
کی تبلیغ بالکل نہیں کی۔ کیونکہ تیری رسالت
مقدمہ ہے ولایت علی کا۔ اور اگر مقدمہ بغیر ذی
مقدمہ کے ہو تو اس کا وجود وعدم مساوی ہیں۔
اور رسالت وولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس
حدیث میں نسبت دی گئی ہے کہ اگر علی پیدا نہ
ہوتے تو اے محمدؐ! میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔۔۔!

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایتؔ، نبوتؔ سے افضل ہوتی ہے کیونکہ ایمان بہر حال افضل ہے اسلام سے۔ نیز یہ کہ جب تک کوئی شخص حضرت علیؓ کی ولایت پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوسکتا۔ تیسری اور اہم بات یہ کہ رسالتِ محمدی کی اپنے طور پر کوئی قدر و قیمت نہیں اور نہ وہ مقصود بالذات ہے بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایت علیؓ کا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصولِ مقصد کا۔ اور وہ مقصد ہے ”گرفتن بیعت ولایتِ علی۔“ ظاہر ہے کہ مقصد افضل ہوتا ہے واسطہ یا وسیلہ سے۔ اسلئے ولایت افضل ہے رسالت سے۔ اور صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے۔۔۔! واضح لفظوں میں یوں سمجھئے

{۱} ”ولایت نامہ“ ملا سلطان محمد گنابادی ص ۳۵۔
”اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش“ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص ۸۳ (دہلی)

کہ حضرت علیؓ افضل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔۔۔!! (نعوذ باللہ من ذالک)

اگر یہ خیالات وعقائد ان کی کتاب میں اہل تشیع کی تدسیس کا نتیجہ نہیں تو پھر بصورتِ دیگر ”سلطان العارفین“ کے شیعہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا۔۔۔!!

قاضی نور اللہ شوستریؔ نے اپنی مشہور تصنیف ”احقاق الحق“ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ معراج سے متعلق یہ روایت درج کی ہے :۔

اذا سمعت النداء من قبل الله
يا محمد من تحبّ ان تكون
معك فى الارض۔ فقلت احب
من يحبّه العزيز الجبّار
ويأمر بمحبّة فسمعت النداء
من قيل يا محمد احب علياً
فانى احبّهٗ واحب من احبّه
فبكىٰ جبريل وقال لو ان اهل
الارض يحبّون علياً كما
تحب اهل السماء ما خلق الله
النار۔ {۱}

شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ اے محمدؐ! تو کس سے
محبت کرتا ہے کہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ حضورؐ نے
فرمایا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز
الجبار محبت کرتا ہے اور اسکی محبت کا مجھے حکم دے۔
پس آپؐ نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ اے محمدؐ!
تو علیؓ سے محبت کر کیونکہ میں اس سے محبت کرتا
ہوں۔ یہ سن کر جبرئیل رونے لگے اور بولے۔
اگر اہل زمین بھی علی سے ایسی ہی محبت کرتے
جیسے اہل آسمان ان سے محبت کرتے ہیں تو اللہ
تعالیٰ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔۔۔!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مومنین کی یہ خصوصیت بیان فرماتا ہے کہ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط یعنی جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتے ہیں۔ لیکن دشمنانِ اسلام یہودؔ نے مسلمانوں کی اس خصوصیت کو ختم کرنے کیلئے سبائیت اور اہلبیت کے روپ میں مسلمانوں پر یہ ظلم کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنادیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی باطل روایات وضع کی گئیں، پھر یہ روایات گمراہ صوفیوں اور موجودہ دور میں بریلویت کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں میں پھیلا دی گئیں۔

(۱) ”احقاق الحق“ قاضی نور اللہ شوستری، ج ۷، ص ۱۵۲۔

اور لوگوں نے ان جھوٹی روایات پر یقین واعتماد کر کے انہیں اپنا عقیدہ بنالیا ــــ!

شاہ نیاز احمد بریلویؔ جو چشتیہ سلسلے کے بزرگ کہلاتے ہیں۔ بریلی میں ان کی خانقاہ
ہزاروں عقیدت مندوں کا وہاں ہجوم لگا رہتا تھا۔ بقول غلام سروؔر صاحب ''خزینۃ الاصفیا
ان کے حلقہ ارادت میں بے شمار خلقت داخل تھی اور دور دراز کے ملکوں اور علاقوں میں
کابلؔ، قندھارؔ، بلخؔ، شیرازؔ اور بدخشاںؔ وغیرہ سے بے شمار لوگ ان کی خدمت میں فیض حا
کرنے کے لئے آتے تھے۔ شاہ نیاز احمد بریلوی جو اُردو زبان کے مسلّم الثبوت شاعر تھے
مصحفی کے استاذ بھی تھے نہایت سنگلاخ زمین میں بہت ہی بے تکلفی سے شعر کہتے تھ
انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علیؓ کو شیعوں کی طرح ''و
نبی'' تسلیم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بحق ''دوزدہ آئمہ معصومین شیعہ'' التجا کی ہے۔ شیخ عبد القا
جیلانیؒ کو بھی واسطہ بنایا ہے۔ مگر افضل الصحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کہیں تذکرہ نہیں۔ ا
مناجات کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے۔ ؏ بحق امام علی مرتضیٰ وصّی نبی وولّیِ خدا

اپنی ایک غزل میں وہ اسی عقیدے کا اظہار یوں کرتے ہیں ــــ

ولیّ حق، وصی مصطفیٰ دریائے فیضانے امام دو جہانے قبلۂ دینے وایمانے!{

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاہ نیاز احمد بریلویؔ کے نزدیک حضرت علیؓ نہ صرف یہ کہ
تعالیٰ کے ولی ہیں بلکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے صحیح مستحق بھی آپ ہی
کیونکہ حضرت علیؓ نہ صرف یہ کہ فیض کے دریا ہیں بلکہ دونوں جہان کے امام بھی وہی ہیں اور دی
قبلہ ہونے کا فخر بھی صرف انہیں کو حاصل ہے نیز مرکزِ ایمان بھی آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے ــ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سُنّی تھے مگر اصلیت میں وہ شیعہ تھے۔ انہو
نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیقِ اکبرؓ یا فاروقِ اعظمؓ کا ذکر نہیں کیا ہے ــــ!!

شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی، جو شاہ کلیم اللہ دہلویؔ کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے
انہیں کی ہدایت پر دکّن چلے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے سلسلہ نظامیہ کی شاندار خانقاہ قائم کی تھ
ن کی کتاب ''نظام القلوب'' میں جہاں بہت سے اذکار لکھے ہیں وہاں یہ وظیفہ بھی درج ہے ــ

} ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش'' پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص ۱۱۸-۱۱۹۔

''ذکر پنج فرقی ــــ جانب ایمن یا محمد جانب ایسر یا علیؓ، جانب بالا یا فاطمہؓ در پیشِ یا حسنؓ در دل یا حسینؓ۔'' {۱}

ذکر پنج فرقی یہ ہے کہ داہنی طرف رخ کر کے یا محمدؐ! کہے اور بائیں جانب مڑ کر یا علیؓ! کی صدا بلند کرے، آسمان کیطرف رخ کر کے یا فاطمہ! کی آواز بلند کرے اور سامنے دیکھتے ہوئے یا حسنؓ! کا ورد کرے اور دل میں حسینؓ کو یاد کرے!

یہ ذکر یا وظیفہ جو شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی کی کتاب میں ملتا ہے، شیعوں کے عقیدہ ''پنج تن پاک'' کا آئینہ دار ہے اور سراسر ارشادِ الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کے لئے ہی خاص فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ط (الجمعہ : ۱۰)

تم اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو ــــ!

اللہ تعالیٰ نے کسی بھی جگہ پر غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے۔ سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کو ہی لے لیجئے۔ اس کا مطلب ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت وطاقت نہیں۔ یہ ذکر پنج فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو ــــ! اللہ تعالیٰ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلق ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا ہے تو پھر دوسرے کس شمار وقطار میں ہیں ــــ؟؟

سید محمد گیسو دراز جن کا مزار ''گلبرگہ'' سرزمین دکّن میں ہے۔ انکی مشہور تصنیف ''جوامع الکلم'' کے صفحات پر ہمیں یہ عقیدہ ملتا ہے۔

''خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوگونہ است یکے از خلافتِ صغریٰ کہ مراد از خلافتِ ظاہری است، دوم خلافتِ کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است ومخصوص بحضرت علیؓ است۔''

آنحضرت ﷺ کی خلافت دو قسم کی ہے ایک خلافتِ صغریٰ جس سے مراد خلافت ظاہری ہے اور دوسری خلافتِ کبری جس کا مطلب خلافتِ باطنی ہے۔ اور یہ مخصوص ہے حضرت علیؓ کیساتھ۔'' {۲}

(۱) ''نظام القلوب'' شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی ص ۳۰ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۰۹ء۔

(۲) ''جوامع الکلم'' سیّد گیسو دراز (بحوالہ ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش' ص ۱۱۴۔

حالانکہ قرآن مجید میں خلافتِ ارضی کے علاوہ نہ تو صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا۔ اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ باطنیت کا تصوّر صحابہ کرامؓ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ، اسمٰعیلیہ، قرامطہ، باطنیہ، کے دماغوں کی اُپج ہے اور اسی لئے انہیں ''باطنیہ'' کہتے ہیں۔ سید بندہ نواز گیسودراز جیسے بزرگ طریقت کی کتاب میں یہ خلاف شرع شیعی عقیدہ درج ہونا اہل تشیع کی ہاتھ کی صفائی اور کاریگری کا نمونہ ہی کہا جاسکتا ہے ــــ!

بہر نوع! اہل تشیع کی چیرہ دستیوں اور ملتِ اسلامیہ کی صفوں میں ان کی رخنہ اندازیوں کی داستان بے حد طویل اور دردناک ہے۔ اہل سنت کی کتابوں خصوصاً کتب تصوف میں ان ظالموں نے جو تدسیس اور ردّوبدل کر کے ان میں اپنے مخصوص عقائد شامل کر رکھے ہیں ان سے نہ صرف یہ کہ ان کتابوں کے لکھنے والے تمام قابلِ احترام بزرگان تصوف کی شبیہ داغ دار ہوئی ہے بلکہ ان کی نسبت سے ایسی تمام شیعی خرافات نے عوام الناس خصوصاً ان بزرگوں کے مریدین و منتسبین کے عقائد میں بگاڑ اور ان کے درمیان شرک وبدعت کے شیوع میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمارا ''حسن ظن'' اگرچہ ان بزرگوں کی نسبت سے ایسی خلاف شریعت باتوں کی نفی کرتا ہے، تاہم ان کی کتابوں میں ان خرافات کا وجود، اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ دشمنانِ اسلام اہل تشیع کی دست برد سے نہ تو ہمارے بزرگوں کی کتابیں محفوظ رہ سکیں اور نہ ذخیرۂ احادیث اور تفاسیر قرآن ــــ ہر جگہ ان یہود صفت اہل تشیع نے اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے اور مسلمانوں کے عقیدہ و عمل کے مستحکم قلعہ میں شگاف ڈالنے کی مذموم کوششیں کی ہیں۔

کیا کیا لٹا ہے تیرہ نصیبی کے دور میں
گھر میں کوئی چراغ جلے تو پتہ چلے!

آئندہ صفحات میں ہم انشاء اللہ العزیز دشمنانِ اسلام یہود اور اہل تشیع کی قرآن کی تفاسیر اور ذخیرۂ احادیث میں دراندازی کی کوششوں کی نشاندہی کریں گے ــــ! واللہ المستعان

باب ۳

سرچشمۂ اسلام پر یہودی فکر کی یلغار

دشمنانِ اسلام یہود نے شروع ہی سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف مورچے بنا رکھے ہیں، اور ہر سمت سے اسلام اور امت مسلمہ کو مغلوب کرنے کے لئے اور انہیں متفرق و منتشر کرنے کی ہمہ وقت جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر ایک طرف انہوں نے امت مسلمہ میں تفریق ڈال کر خوارج، شیعہ اور دوسرے گمراہ فرقے بنانے کی کوشش کی ہے تو دوسری طرف سیاسی محاذ پر یہ لوگ مسلمانوں کو قدم قدم پر زک دینے اور ان کے قصرِ اقتدار کو متزلزل و منہدم کرنے کی مسلسل کاروائیاں کرتے رہے ہیں۔ تیسرا محاذ انہوں نے مسلمانوں کے دینی اور فکری سرمائے کو غتربود کرنے اور اسلامی تعلیمات کو مشکوک و مضحکہ خیز بنانے کے لئے قائم کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ذخیرۂ احادیث اور قرآن مجید کی مجمل آیات کی تفاسیر کو اپنا ہدف بنایا۔ اور مختلف عوامل و حالات کے تحت جھوٹی روایتیں وضع کرنے والے جعلسازوں اور مکذوبات و موضوعات کو سکّہ رائج الوقت بنانے والے فتنہ پردازوں کا ایک عظیم گروہ اس امت مسلمہ میں پیدا ہو گیا جو یہودیوں کی اپنے اسلاف کے ذریعہ گھڑی ہوئی رسوا کن جھوٹی کہانیوں کو ایک سازش کے تحت احادیث و تفاسیر کے ذخیرہ میں شامل کرنے لگا۔ تاکہ اسلامی روایات کا وقار مجروح ہو، ان کا وزن کم ہو اور مسلمان ایسی توہم پرست قوم شمار ہو جو خلافِ عقل اور خلافِ تجربہ و مشاہدہ باتوں پر ایمان رکھتی ہے۔ تشیّع اور باطنیت کی تحریک کی طرح ان کی یہ سازش بھی بے انتہا دور رس نتائج کی حامل ثابت ہوئی، اور تفسیر و احادیث کے حوالہ سے ان کے یہ بے سروپا افسانے تمام دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔ جاہل یا کم پڑھے لکھے عوام، واعظوں کی زبان سے سن کر یا چھوٹے چھوٹے غیر معتبر رسالوں میں ان بے سروپا قصوں اور حکایتوں کو پڑھ کر انہیں ایک سچی حقیقت ماننے لگے اور ان کی صداقت پر ایمان و یقین رکھنے لگے۔۔۔! کتنی حیرت ناک بات ہے کہ شام و یمن اور عرب کے یہودیوں کے تراشے ہوئے افسانے اور فاسد عقیدے، آج ہند و پاک جیسے دور دراز ملکوں میں گاؤں گاؤں عوام الناس کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں، اور ان کے زہریلے اثرات ان کے ایمان و عمل پر حاوی نظر آتے ہیں۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان ''اسرائیلی روایات'' کی

جڑیں اسلامی معاشرے میں کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔۔۔؟؟

اسلام میں ''اسرائیلی روایات'' کی دراندازی اور قومِ یہود کی دسیسہ کاریوں کی وجہ یہ ہوئی کہ عرب میں طلوع اسلام سے سیکڑوں برس پہلے، یہودی، جو شام و فلسطین سے بھاگ بھاگ کر عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ عرب میں آئے تو اپنی تہذیب و تمدّن، اپنا معاشرتی نظام اور اپنی قومی روایات بھی اپنے ساتھ لائے۔ عرب کے باشندے اپنی بدویت اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے ان یہودیوں کی تہذیب اور ان کے تمدن اور مذہبی روایات سے کافی حد تک مرعوب و متاثر تھے۔ پھر جب سرزمینِ عرب پر نیر اسلام طلوع ہوا اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کو اسلامی مرکز ہونے کا شرف حاصل ہوا تو یہود جو نواح ''یثرب'' میں آباد تھے، اسلام کی اشاعت و کامیابی اور اپنی تہذیب و تمدن کی مغلوبیت پر تلملانے لگے۔ بود و باش کی قربت اور کاروباری ضرورتوں کی وجہ سے یہود اور مسلمانوں میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں جو بالعموم دنیاوی حیثیت کی ہوتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی علمی اور دینی گفتگو بھی اتفاق سے ہو جاتی تھی۔ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت پیش کرنے کیلئے یہود کی بستیوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح یہود بھی اپنے معاملات و مقدمات فیصل کرانے کے لئے، سربراہ مملکت ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ مسلسل ملاقاتیں، باہمی گفت و شنید، تجارتی اور کاروباری روابط، ان تمام باتوں نے اسلام کے بارے میں یہودیوں کے سوالات اور خود یہود کی زبانی ان کی روایات کے جاننے کے مواقع فراہم کر دئے۔ اس کے علاوہ یہودی اپنی تہذیب و تمدن اور علم کی وجہ سے ذہنی طور پر مسلمانوں کے بہت جلد قریب ہو جاتے تھے اور کاروباری تعلقات و لین دین کی وجہ سے مسلمانوں میں گھل مل جانے اور سخن سازی و چرب زبانی کے فن میں ماہر ہونے کی وجہ سے اَن پڑھ عربوں کو اپنی لچھے دار باتوں سے مرعوب کرنے کا ہنر انہیں خوب آتا تھا۔ ان میں سے کچھ مکّار بظاہر مسلمان بن کر ان کی مجلسوں میں شریک ہوتے اور عوام کو اپنی لچھے دار باتوں سے متاثر کر لیتے تھے۔ اور اس طرح منافقین اندر ہی اندر اس بے پناہ شیفتگی اور والہانہ وابستگی کو جو مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ

کی ذاتِ اقدس سے تھی۔ اس کو ضعیف وکمزور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔۔۔!

یہودیوں میں سے کچھ افراد ایسے بھی تھے جو صدقِ دل سے ایمان لائے تھے اور انہوں نے اشاعتِ اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا اور اپنی بے لوث خدمات کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان ایک باعزت مقام حاصل کرلیا۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ، عبد اللہ بن صوریاؓ، اور کعب احبارؓ وغیرہم۔ یہ لوگ توریت کے عالم تھے۔ یہودی سماج میں ان کی بڑی قدر ومنزلت رہی تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی، ان کے علم وفضل کی وجہ سے ان کا بڑا اعزاز واکرام کیا جاتا تھا۔ عام مسلمان ان کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ انکی علمی عظمت عوام الناس کے دلوں میں پہلے ہی سے جاں گزیں تھی، اسلام لانے کے بعد ان کے شرف ومجد میں اور اضافہ ہوگیا۔۔۔! ان کے برعکس کچھ یہودی بدنیتی اور سازش کے تحت اسلام کے لباس میں ملبوس ہوکر مسلمانوں میں شامل ہوگئے تھے۔ صورتاً وہ مسلمانوں کی طرح ہی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے طور طریقے اپنا لئے تھے اور انہیں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے مگر ان کے دل اسلام دشمنی سے لبریز تھے۔ قرآن واحادیث میں ان لوگوں کو ''منافقین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ انہیں میں وہ غیر یہودی عرب بھی شامل ہوگئے جو سیاسی وجوہات کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ سے حسد رکھتے تھے۔ جیسے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی۔ یہودی معاشرے میں انبیاء کرامؑ کے بارے میں جو غلط سلط اور جھوٹی کہانیاں رائج اور مشہور تھیں، ان منافقوں نے ان کو مسلمانوں کی محفلوں میں بیان کرنا شروع کردیا۔ یہ قصّے اور کہانیاں، حیرت ناک، محیّر العقول اور سنسنی خیز ہونے کی وجہ سے مسلم سوسائٹی میں بآسانی پھیل گئیں۔۔۔!

دوسری وجہ اسرائیلی روایات کی اشاعت کی یہ ہوئی کہ جب قرآن کے نزول کے دوران اس میں انبیاء کرامؑ کے بارے میں کوئی مجمل واقعہ بیان کیا جاتا تو مسلمانوں کو شوق ہوتا تھا کہ واقعہ کی مزید تفصیل معلوم ہو۔ اس لئے وہ ان مسلمانوں سے جاکر پوچھتے تھے جو کبھی اہلِ کتاب کے مستند علماء میں شمار ہوتے تھے۔ جیسے کعب احبارؓ اور عبد اللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ یہ لوگ انکی تشفی کیلئے اپنی معلومات کی حد تک یہودی مذہب کی روایات، ان قرآنی واقعات

کے ضمن میں بیان کردیا کرتے تھے۔ لیکن نہ تو دریافت کرنے والوں کو ان قصوں کی صداقت پر یقین ہوتا تھا اور نہ ہی سنانے والوں کا ایمان ان لغویات پر، اسلام لانے کے بعد باقی رہ گیا تھا۔۔۔! صحابہ کرامؓ نے بعد میں آنے والوں کے سامنے (یعنی تابعین کے رُوبرو) ان قصّوں کو بطور تذکرہ بیان کردیا۔ پھر ان تابعینؒ نے اپنے بعد والوں یعنی تبع تابعین کے سامنے اسی نیت سے بیان کردیا۔ اس طرح یہ روایت چل پڑی۔ پھر دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ''فن تفسیر'' کی تدوین ہوجانے پر یہی قصّے صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کی روایتوں کے نام سے کتابوں میں جمع کردئے گئے۔ اس کے بعد کی صدیوں میں جن لوگوں کو عجائب وغرائب اور محیّر العقول قصوں سے دلچسپی تھی، انہوں نے تلاش کرکر کے ان قصوں اور روایات کو اپنی کتابوں میں ''حدیث'' و ''آثار'' کے نام سے جمع کردیا۔۔۔!!

قرآن مجید کی قدیم ترین تفسیروں، مقاتلؒ ابن سلیمان اور ابنِ جریری طبریؒ کی تفسیریں سرفہرست ہیں جن میں اسرائیلی روایات کا بڑا ذخیرہ نظر آتا ہے۔ ان اسرائیلی روایات نے واقعات وقصص سے تجاوز کرکے بحث ومناظرہ اور علم الکلام پر بھی اثر ڈالا۔ اور اسکے نتیجہ میں بہت سے ایسے غلط عقیدے مسلمانوں میں پیدا ہوگئے جن کا اصل سرچشمہ یہی یہودی رہے ہیں۔ مثال کے طور پر خلقِ قرآن کا عقیدہ جس نے ایک زمانے میں اسلامی دنیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا، انہیں یہودیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے ایک طبقہ میں آیا۔ ابنِ اثیر نے اپنی تاریخ میں احمد بن ابی داؤد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ''خلق قرآن'' کا مدعی تھا۔ اس نے یہ عقیدہ بشر المریسی سے لیا۔ بشر نے جہم بن صفوان سے اور جہم نے جعد ابنِ درہم سے لیا۔ جعد نے ابان بن سمعان سے اور ابان نے لبید بن اعصم یہودی کے بھانجے اور داماد طالوت سے لیا اور طالوت نے یہ عقیدہ خود لبید بن اعصم سے لیا تھا۔ یہی لبید بن اعصم وہ یہودی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا تھا اور ایک عرصے تک آپؐ پر اس سحر کا اثر دنیاوی امور میں رہا۔ یہ لبید بن اعصم یہودی خلق قرآن کا دعوے دار تھا۔۔۔! {۱}

یہود کو قرآن اور رسول اللہ ﷺ سے شدید دشمنی تھی۔ توریت وانجیل کی طرح قرآن

{۱} ''تاریخ ابن اثیر کامل'' ج ۷، ص ۲۶۔

میں ترمیم وتحریف کرنے کی جسارت تو ان میں نہیں تھی اور نہ ہی ایسا ہونا ممکن تھا کیونکہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ اسلئے انہوں نے قرآن کی بے لوث صداقت کو داغدار بنانے کے لئے اپنی مذموم کوششیں شروع کردیں۔ انہوں نے زبردست سازش کی کہ قرآن میں جن واقعات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے، ان کی تفصیلات میں جھوٹے قصے، مہمل باتیں، گندے اور ناپاک واقعات، خلاف عقل ومشاہدہ اور محیر العقول کہانیاں گھڑ کر مسلمانوں میں مختلف طریقوں سے پھیلادیں تاکہ قرآن میں بیان کردہ مجمل واقعات کے ذکر کے وقت یہ تفصیلات بھی قرآن سے جوڑ دی جائیں۔ اس طرح قرآن کی صداقت بڑی آسانی سے داغدار ہوسکتی ہے۔ یہود اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں؟ اس کا اندازہ تفسیر واحادیث کے ذخیرہ کے مطالعہ سے بآسانی ہوسکتا ہے ——!

قرآن کی تفسیر میں، سب سے زیادہ روایات حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ سے مروی ہیں۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ سے، پھر حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے، پھر اُبی بن کعبؓ سے۔ ان کے بعد تفسیری روایات کا کچھ ذخیرہ کتب احادیث میں دیگر صحابہ کرام جیسے عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن جابرؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہم سے بھی منقول ہے۔ اگر ''موضوع'' اور خالص ''اسرائیلی روایات'' کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سب سے زیادہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے نام کی روایات ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں خاندان نبوت سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہیں۔ اس لئے وضعِ روایت کرنے والوں نے ان دونوں کے ناموں کا بے دریغ استعمال کیا ہے تاکہ ان کی گھڑی ہوئی روایات کو ان عظیم شخصیتوں کی وجہ سے اعتماد عام کا مقام حاصل ہوجائے......!

تفسیری روایات کے سلسلے میں تابعینؒ کے جو نام نمایاں نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) عطاء ابن رباحؒ

(۲) سعید بن جبیرؒ

(۳) مجاہدؒ

(۴) عکرمہؒ (مولیٰ ابن عباسؓ)

(۵) قتادہؒ

(۶) ضحاک بن مزاحمؒ

(۷) محمد بن کعب القرضیؒ

(۸) حسن بصریؒ

فن تفسیر میں حضرت سفیان ثوریؒ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ اور ضحاک بن مزاحمؒ کو سند قرار دیتے ہیں۔ سماک بن حربؒ کی رائے ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر کے سلسلے میں عکرمہؒ ہر بات بتاسکتے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے تعلیم حاصل کی ہے!

تابعین کے بعد ان لوگوں کا زمانہ آتا ہے جنہوں نے تفسیر کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے اقوال جمع کئے ہیں: ''تبع تابعین'' کے اس گروہ میں سرِ فہرست ان حضرات کے نام ملتے ہیں ——

(۱) شعبہ ابن الحجاجؒ (متوفی: ۱۶۰ھ)

(۲) سفیان ثوریؒ (متوفی: ۱۶۱ھ)

(۳) وکیع بن الجراحؒ (متوفی: ۱۹۶ھ)

(۴) سفیان بن عُیینہؒ (متوفی: ۱۹۸ھ)

(۵) عبدالرزاق صنعانیؒ (متوفی: ۲۱۱ھ)

(۶) ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (متوفی: ۲۳۵ھ)

(۷) اسحٰق بن راہویہؒ (متوفی: ۲۳۸ھ)

(۸) عبدابن حمیدؒ (متوفی: ۲۴۹ھ) وغیرہ {۱}

تیسری صدی ہجری کے نصف اول تک صرف صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال کے مجموعے تیار ہوئے تھے ان مجموعوں میں توضیح وتشریح، یا تبصرہ وتنقید کا وجود نہیں تھا۔ پھر

{۱} ''الاتقان فی علوم القرآن'' جلال الدین سیوطیؒ ج ۲/ص ۱۸۹ (مطبوعہ لاہور پاکستان)۔

تیسری صدی کے نصفِ آخر میں محمد ابن جریر طبریؒ (متوفی: ۳۱۰ھ) نے فن تفسیر میں نئی راہ نکالی۔ انہوں نے تفسیر میں اقوال کی توجیہہ کی اور بعض کو بعض پر ترجیح دی۔ اعراب وقرأت پر بحث کی، الفاظ ومعانی کے متعین کرنے میں کلام عرب سے استشہاد کیا۔ اس لحاظ سے فن تفسیر میں باقاعدہ اور پہلی کتاب، ابن جریر طبریؒ کی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' ہی ہے۔ اس کے بعد فن تفسیر میں بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھیں۔ پہلے پابندی کے ساتھ ہر ایک روایت کی پوری سند نقل کی جاتی تھی۔ مگر بعد کے لوگوں نے اسے مختصر کر دیا۔ اقوال کی بہتات کردی۔ ایک ایک آیت کی تفسیر میں اتنی کثرت سے اقوال نقل کئے گئے کہ فن تفسیر میں ہر طرح کی رطب ویابس، غلط وصحیح باتیں آگئیں۔ جس کے دل میں جو خیال آیا اس کو صحیح مان کر تفسیر میں لکھدیا۔ بعد کے لوگ اسے صحیح سمجھ کر نقل کرتے چلے گئے اور یہ معلوم کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی اس ضمن میں سلف صالحین نے کیا لکھا ہے ـــ؟؟

متقدمین اور بعض متاخرین علماء کی جن تفسیروں کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور جو آج بھی دستیاب ہیں۔ دورِ حاضر میں تفسیری مسائل کے لئے انہیں کتابوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ہماری اردو زبان میں لکھی جانے والی تمام تفاسیر کے لئے سرمایۂ اعتماد واستناد یہی کتب تفاسیر ہیں۔ دورِ حاضر کے ہر مفسر کو قرآن کی تفسیر لکھتے وقت ان تفسیروں میں سے کسی نہ کسی تفسیر کا حوالہ دینا ضروری ہوتا ہے ورنہ اس کی لکھی ہوئی تفسیر اہلِ علم میں قبولیت حاصل نہیں کرپاتی......! مثلاً :ـــ

(۱) ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' (محمد ابن جریر طبریؒ)

(۲) ''معالم التنزیل'' (علامہ بغویؒ)

(۳) ''الکشاف'' (علامہ زمخشریؒ)

(۴) ''مفاتیح الغیب'' (امام فخر الدین رازیؒ)

(۵) ''الجامع لاحکام القرآن'' (امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الاندلسیؒ)

(۶) ''تفسیر خازن'' (علامہ علاء الدین ابو الحسن بن ابراہیم بغدادیؒ)

(۷) ''تفسیر بیضاوی'' (قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاویؒ)

(۸) ''مدارک التنزیل یعنی تفسیر نسفی'' (امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ)

(۹) ''تفسیر ابن کثیر'' (حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر ابن کثیر دمشقیؒ)

(۱۰) ''الدر المنثور'' (علامہ جلال الدین سیوطیؒ)

(۱۱) ''روح المعانی'' (سید محمد بن عبد اللہ آلوسی بغدادیؒ)

ان کتابوں میں سے اکثر وبیشتر میں اسرائیلی روایات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بیشتر مفسرین نے صرف اسرائیلی روایات کے تذکرہ پر اکتفاء کیا ہے۔ ان پر کسی قسم کی کوئی تنقید نہیں کی ہے البتہ: حافظ ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں اسرائیلیات کی تردید پر سب سے زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ چونکہ وہ محدث بھی ہیں اور علم اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل سے بھی واقف ہیں اس لئے ان کی ہر تردید علمی استدلال لئے ہوئے ہے۔ متاخرین میں علامہ آلوسی بغدادی ہیں، جو تیرہویں صدی ہجری کے عالم ہیں۔ انہوں نے کسی بھی آیت کے ضمن میں بیان کی جانے والی تمام اسرائیلی روایات کو یکجا کردیا ہے۔ وہ ہر روایت کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور پھر علمی بنیاد پر اس کی تردید وابطال پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ جنہوں نے موضوع روایات کی چھان بین کرتے ہوئے اپنی کتاب "اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة" میں تمام موضوع احادیث کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اپنی تفسیر میں بعض جگہ پر موضوع روایات کا ذکر کرتے ہیں مگر ان کے موضوع ہونے کی کوئی وضاحت نہیں کرتے ـــ!

آئندہ صفحات میں ہم تفاسیر کے ذخیرہ سے کچھ موضوع اور خود ساختہ ''اسرائیلی روایات'' کا جائزہ لیں گے جو صدیوں سے ان قدیم تفاسیر کی کتابوں میں درج ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پاگئیں اور جنہیں لوگ ''اسلامی روایات'' کا ہی حصہ سمجھتے ہیں ـــ!!

تفسیروں میں اسرائیلی روایات

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ

تفسیر ابن جریر میں وہبؒ ابن منبہ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں شیطان کے بہکاوے میں آکر حضرت آدم علیہ السلام کے ''ممنوعہ پھل'' کھانے اور انجام کار جنت سے نکالے جانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ روایت کے مطابق ابلیسؔ جنت میں پہونچنے کے لئے سانپ کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔ اس سانپ کے چار پاؤں تھے جس طرح اونٹوں کے ہوتے ہیں۔ جنت میں پہنچ کر اس نے سب سے پہلے حضرت حواؑ کو بہکایا۔ اور ان کو چکنی چپڑی باتوں میں لیکر ممنوعہ پھل کھلا دیا۔ پھر حواؑ کی تحریک پر وہ پھل حضرت آدمؑ نے بھی کھا لیا۔ نتیجتاً دونوں لباس سے محروم ہوئے اور اپنی برہنگی چھپانے کے لئے گنجان درختوں میں گھس گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا دی گئی۔ اے آدم! تم کہاں ہو؟ آدمؑ نے جواب دیا۔ اے الٰہ العالمین! میں یہاں ہوں۔ اللہ نے آدمؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''ملعون! مٹی سے تو پیدا کیا گیا۔ یہ لعنت عمر بھر تیرے لئے کانٹا بنی رہے گی۔ اور اے حواؑ! تو نے میرے بندے کو دھوکا دیا اس لئے جب بھی تجھکو حمل ہوگا، تو تجھے انتہائی مصیبت جھیلنی پڑے گی۔ اور جب تو بچہ جننے کا ارادہ کرے گی تو تیری جان پر بن آیا کرے گی اور تو بار بار موت کے مُنہ میں پہونچ جایا کرے گی۔'' پھر خدا نے سانپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے نالائق! تیرے ہی پیٹ میں گھس کر ابلیس لعین جنت میں آیا اور اس نے میرے بندے کو دھوکا دیا۔ تو ملعون ہے۔ تجھ پر لعنت کی وجہ سے تیرے پیروں کو تیرے پیٹ میں ٹھوس دیا جائے گا اور تیری خوراک سوائے مٹی کے اور کچھ نہ ہوگی۔ تو آدمؑ کا دشمن ہے اس لئے آدمؑ کی اولاد بھی ہمیشہ تیری دشمن رہے گی—!!

حقیقت یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کا گھڑا ہوا افسانہ ہے، جسنے ایسے عمر بھر کی لعنت کا جلیل القدر پیغمبر کو ''ملعون'' کے لفظ سے تخاطب ...

...ملوث ہونے کی تہمت خبیث فطرت یہودیؔ ہی لگا سکتے ہیں جو قرآن مجید کی گواہی کے مطابق انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کے جرم کے مرتکب رہے ہیں۔ ابن جریر طبریؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ وضاحت کردی تھی کہ یہ روایت اہل کتاب کے ذریعہ آئی ہے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ لیکن اس وضاحت کے باوجود بعد کے مفسرین نے اسے ترک نہیں کیا، اور برابر اسے نقل کرتے آرہے ہیں—!

اسی طرح قرآن کی آیت فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ ۚ کے ضمن میں بھی رطب و یابس قصّے نقل کئے گئے ہیں۔ سیوطیؒ نے ابنِ عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو جن کلمات کے پڑھنے سے مغفرت ملی وہ یہ ہیں۔

أَسْئَلُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَ عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةِ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ
إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ ٥

اس روایت کے مطابق ان کلمات کے کہنے سے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ حالانکہ یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ یہ کسی شیعہ دماغ کی اختراع ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو کلماتِ مغفرت وحی کئے گئے تھے وہ قرآن میں مکمل طور پر موجود ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْ...
...دیا تک رہ جاتی ہے—؟؟
الْخَاسِرِيْنَ ط (البقرہ:)

اسکے بعد مذکورہ بالا شیعی کلما... ...ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اتارے
کتب تفاسیر میں ا... ...ساہ... کی وجہ سے سیاہ تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے
گئے ... ''ایام بیض'' کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو سفید بنادیا۔ اسی لئے ان روزوں کو ''ایام بیض'' کے روزے کہا جاتا ہے—!

اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت آدمؑ جب دنیا میں آئے تو پیاس محسوس ہونے پر بدلیوں سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ہی درہم و دینار ڈھالے تھے—!

ہابیلؔ و قابیلؔ کے قصہ میں ابن جریر طبریؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اپنی تفسیروں میں جو روایت کعب احبار سے نقل کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قابیلؔ نے جب ہابیلؔ کو قتل کر دیا تو زمین نے اس کا خون جذب کر لیا۔ اس پر حضرت آدمؑ نے زمین پر لعنت کی جسکی وجہ سے ہابیلؔ کے خون کے بعد اب زمین قیامت تک کسی کے خون کو جذب نہیں کر سکتی ــــ!

اسی طرح یہ روایت کہ قابیلؔ نے ہابیلؔ کو قتل کرنے کے بعد ایک تھیلے میں رکھ کر اپنے کندھے پر لٹکا لیا اور سال بھر تک اسی طرح وہ اس کی لاش کو کندھے پر لئے پھرتا رہا۔ جب لاش پھول کر پھٹ گئی اور اس میں سے بدبو آنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے دو کوؤں کو بھیجا ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر اس کے لئے اپنی چونچ سے گڈھا کھودا اور اس میں مقتول کوے کو دفن کر دیا۔ اس طریقے کو دیکھکر قابیل نے اپنے بھائی کی لاش کو دفن کرنا سیکھا ــــ!

یہ اور اس ضمن میں قابیلؔ سے متعلق دوسری روایات جن میں بھائی کے قتل کے بعد اس کی رنگ کا سیاہ ہو جانا اور آدم علیہ السلام کا ہابیلؔ کے غم میں پورے ایک سال تک غمزدہ رہنا اور نہ ہنسنا نہ مسکرانا۔ یا حضرت آدمؑ کا ہابیلؔ کے قتل پر مرثیہ کہہ کر فن مرثیہ نگاری کو ایجاد کرنا وغیرہ۔ یہ تمام خرافات اسرائیلی روایات کا شاخسانہ ہیں اور قرآن واحادیث صحیحہ میں ان لغویات و خرافات کا دور تک پتہ نہیں ملتا ــــ!

[illegible] ۱۸۹) [illegible] کی آیت فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحاً جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاءَ (الاعراف :

پیداوار ہے۔ اور یہ [illegible] علیہ السلام کی طرف شرک کا انتساب بھی یہودی ذہن کی

متشابہات میں سے مشکل ترین آیت [illegible] ہے۔ یہ آیت قرآن مجید کی آیات

واحدة سے حضرت آدمؑ اور زوجَهَا کے لفظ سے [illegible] کے شروع میں نفس

جَعَلَا لَه شُرَكَاءَ سے حضرت آدمؑ و حوّاؑ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مگر جب [illegible] لئے

کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے اور انبیاء کرام سب کے سب معصوم عن [illegible]

ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں شرک کا صدور ان سے کیسے ممکن ہو سکتا ہے جو صرف گناہ [illegible]

[illegible]س بلکہ "گناہ کبیرہ" ہے ــــ!!

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس سلسلے میں ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "ابلیس نے حضرت آدمؑ کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔ ایک مرتبہ جنّت میں اور دوسری بار زمین پر۔" {۱}

تفسیر خازن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے یہاں پہلا بچہ ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا اور کہا۔ اگر اپنے بچہ کا بھلا چاہتے ہو تو اس کا نام عبد الحارث رکھنا۔ (کیونکہ ابلیس کا نام آسمان میں حارث ہی تھا) حضرت آدمؑ نے فرمایا تجھ سے اللہ کی پناہ! میں نے جنت میں تیری بات مانی جس کی پاداش میں جنت سے نکالا گیا۔ میں تیری بات کبھی نہ مانوں گا۔ اتفاق سے بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا۔ دوسرا بچہ ہوا تو ابلیس پھر آیا اور وہی بات کہی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس مرتبہ بھی انکار کیا۔ پیدائش کے بعد سوئے اتفاق سے وہ بچہ بھی فوت ہو گیا۔ جب تیسرا بچہ ہوا تو ابلیس نے پھر کہا کہ اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو میں تمہارے بچوں کو اسی طرح مارتا رہوں گا۔ آخر کار حضرت آدم علیہ السلام نے اس بچہ کا نام "عبد الحارث" رکھدیا ــــ! {۲}

علامہ ابن جریر طبریؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں :ــــ

حدثنا ابن وكيع حدثنا سُهيل بن يوسف عن عمرو عن الحسن قال: كان هذا فى بعض اهل الملل ولم يكن بادم

یعنی یہ واقعہ سابقہ امتوں میں سے کسی شخص کا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ــــ!

بہر حال یہ اور اس قسم کی دوسری روایات جن سے حضرت آدمؑ کا شرک ثابت ہوتا ہے ان تمام روایتوں پر محدثانہ بحث کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر نے ان کا ضعف ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان روایتوں کا سر چشمہ "اسرائیلیات" ہیں۔ ہابیلؔ و قابیلؔ کا جو واقعہ قرآن میں مذکور ہے اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر قابیلؔ نے اس سے قبل کسی

---

(۱) "تفسیر قرطبی" علامہ قرطبی، ج ۷، ص ۲۳۸۔
(۲) "تفسیرِ خازن" علامہ علاء الدین ابو الحسن بن ابراہیم بغدادی ج ۲، ص ۲۶۷۔

کی موت دیکھی ہوتی تو اپنے بھائی کی لاش دفن کرنے کا طریقہ اسے پہلے سے معلوم ہوتا
آخر دفن کا طریقہ بتانے کے لئے کوّوں کی رہنمائی کی کیا ضرورت تھی۔؟ ظاہر ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام نے شروع میں فوت ہونے والے اپنے نومولود بیٹیوں کی لاشیں
آخر یونہی تو نہیں چھوڑ دی ہوگی اغلب یہ ہے کہ وحی کی رہنمائی میں انہوں نے ان دونوں کو
بھی باقاعدہ دفن ہی کیا ہوگا۔ اور یہ بات قابیل سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی کیونکہ اسکی پیدائش
لازماً ان دونوں اولادوں کے بہت بعد میں ہوئی تھی۔۔۔! بہرنوع: یہ ساری خرافات آدم
علیہ السلام سے شرک میں منسوب کرنے کیلئے ان خبیث یہودیوں کے دماغ کی اختراع
ہے اور ہمارے سادہ لوح مفسرین محض ابن عباسؓ کا نام درمیان میں ہونے کی وجہ سے
بلا سوچے سمجھے اس روایت کو نقل در نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔۔۔!!

(۲) کشتی نوحؑ

حضرت نوح علیہ السلام نے پانی کے طوفان سے بچنے کے لئے جو کشتی بنائی تھی، اس
کا ذکر مجمل طور پر قرآن مجید میں موجود ہے۔ بہر حال طوفانِ نوحؑ اور کشتی نوحؑ قرآنی
حقیقتیں ہیں۔ لیکن بعض تفسیروں میں اسرائیلی روایات کا اتنا بڑا انبار جمع کر دیا گیا ہے کہ
''حقیقت'' خرافات میں کھوگئی ہے۔ اور نوح علیہ السلام کی کشتی ایک دیومالائی داستان
یا ''افسانہ'' بن کر رہ گئی ہے۔۔۔!!

تفسیر ابن جریر میں حضرت عبد اللہ ابنِ عباسؓ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت
نوح علیہ السلام کی کشتی کی لمبائی بارہ سو ہاتھ (چھتیس سو فٹ لمبی) تھی اور چوڑائی اس سے
نصف یعنی چھ سو ہاتھ۔ اس کے تین درجے تھے۔ ایک میں چوپائے اور وحشی جانور، ایک
میں چڑیاں اور دیگر پرندے اور تیسرے درجے میں انسانوں کو رکھا گیا تھا جس طبقے میں
جانوروں کو رکھا گیا تھا، اس میں گوبر، لید اور پاخانے بھر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ
السلام پر وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم کو زور سے ہلاؤ۔ حضرت نوحؑ نے حکم کے مطابق ہاتھی کی دم کو
زور سے کھینچا، تو ہاتھی میں سے ایک جوڑا خنزیر کا نرومادہ نکل پڑے۔ انہوں نے باہر آتے ہی
غلاظتوں کو کھانا شروع کر دیا۔ اور تھوڑی دیر میں چٹ کر گئے۔ اسی طرح کشتی کے اندر رہنے

والے چوہوں نے شرارت شروع کر دی تھی۔ وہ کشتی کی لکڑی کو کترتے جاتے تھے۔ جس سے
کشتی خراب ہوتی جارہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے پاس وحی بھیجی کہ شیر کی دونوں
آنکھوں کے بیچ پیشانی پر ٹھوکر مارو۔ اور جب نوحؑ نے ایسا کیا تو اس کے حلق سے ایک بلّی
اور ایک بلاّ نکل پڑا۔ وہ دونوں چوہوں پر پل پڑے اور ان کا صفایا کر دیا۔۔۔ ایک دوسری
روایت میں ہے کہ شیر کی چھینک سے بلیاں اور ہاتھی کی چھینک سے خنزیر نکلے تھے۔۔۔!

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام مختلف جانوروں کو کشتی پر
سوار کر رہے تھے تو جس وقت بکری کا نمبر آیا، کشتی کا دروازہ اونچا ہونے کی وجہ سے اس
بیچاری کے لئے سوار ہونا مشکل تھا۔ اس لئے حضرت نوحؑ نے اس کی دم پکڑ کر کشتی میں
دھکیلا تو اس کی دم ٹوٹ گئی جس سے اس کی شرمگاہ کھل گئی اور آج تک کھلی ہوئی ہے۔ پھر
جب بھیڑ آئی تو بلا کسی زحمت کے اُچھل کر کشتی پر سوار ہوگئی۔ حضرت نوحؑ نے اس کی دم پر
شفقت سے ہاتھ پھیر دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی شرمگاہ کو دُم سے چھپا دیا۔۔۔!

یہ اور اس قسم کی دوسری خرافات جو انتہائی مضحکہ خیز ہیں، ''اقوال صحابہ'' کے نام پر
قرآن کی تفسیروں میں جگہ پا گئیں۔ جب کہ اس قسم کے قصّے یہودیوں نے اسلامی
روایات کو مسخرہ پن اور استہزاء کا شکار بنانے کے لئے گھڑ کر دورِ جاہلیت میں عربوں میں
پھیلا دئے تھے پھر جب اسلام آیا تو جو اہلِ کتاب یہودی ایمان لے آئے تھے، انہوں نے
اور حکایت مسلمانوں کی محفلوں میں ان قصّوں کو بیان کر دیا۔ ان لوگوں نے ان قصّوں کو
اپنے دوسروں سے تذکرہ کر دیا۔ اس طرح یہ خرافات تفسیروں میں شامل ہوگئیں اور موجودہ
دور کے مسلمان ان واقعات کا بیان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منسوب
ہونے کی وجہ سے ''حقیقتِ ثابتہ'' سمجھنے لگے اس طرح نہ صرف یہ کہ اس قسم کی خرافات کے
انتساب سے صحابہ کرامؓ کا وقار مجروح ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ پر
بھی بہتان اور افتراء کا الزام آتا ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے اس قسم کے واقعات کی
نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے۔ حالانکہ قرآن و احادیث صحیحہ اس قسم کی
خرافات کے ذکر سے پاک ہیں۔۔۔!

(۳) عوج بن عنق

قرآن مجید کی سورہ المائدہ آیت ۲۲-۲۳ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں ان کو "عمالقہ شام" سے جہاد کرنے کا حکم ہوا تھا۔ بنی اسرائیل جو عمالقہ کی زور، قوت اور ان کی بہادری سے مرعوب تھے اس لئے اپنے بزدلی کی وجہ سے وہ جہاد پر آمادہ نہیں ہوئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح کا وعدہ فرمایا تھا۔ بنی اسرائیل نے جہاد سے جی چرانے کے لئے جو بہانہ تراشا تھا وہ یہ تھا کہ إِنَّ فِيهَا قَوْماً جَبَّارِيْنَ ۝ یہود نے اپنی بزدلی اور جہاد کے حکم سے جی چرانے کی بات پر پردہ ڈالنے کے لئے قوم عمالقہ کی قوت، زور آوری، اور ان کے قد وقامت کی جو حیرت ناک داستانیں تراشی ہیں، وہ ہماری تفسیروں میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔

مثلاً ابن حکیم کی ابن حمزہ سے روایت ہے کہ قوم عمالقہ کے ایک آدمی کے موزے کے سایہ میں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یزید بن اسلم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمالقہ کی قوم کسی ایک آدمی کی ایک آنکھ کے گڈھے میں گیدڑ کا جوڑا اور اس کے بچے بے تکلف چل پھر سکتے تھے۔۔۔! ابن جریر اور ابن حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جبّارین کے شہر میں داخل ہو جاؤ تو ان کے ساتھ ان کی قوم چلی، جب شہر کے نزدیک پہونچے جو اس وقت "اُریحا" کہلاتا تھا۔ (یعنی وہ شہر جو یاسر عرفات کی موجودہ عارضی فلسطینی حکومت کا دار الخلافہ ہے)۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ نقیب خبر لانے شہر کے اندر گئے۔ شہر میں داخل ہو کر انہوں نے عمالقہ کے پہاڑ جیسے جسم اور حیرت ناک قد وقامت دیکھے تو ایک باغ میں گھس گئے۔ اتفاق سے باغ کا مالک پھلوں کو توڑنے کے لئے آپہونچا۔ اس نے جب انہیں وہاں چھپا ہوا دیکھا تو ہاتھ بڑھا کر ہر ایک کو باری باری پکڑ لیا۔ اور پھر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ جب وہ گھر پہونچا تو اپنی جیب الٹ دی جس سے پھلوں کے ساتھ یہ بارہ نقیب بھی باہر نکل کر رینگنے لگے۔۔۔!

اسی قوم عمالقہ میں عوج بن عنق کا کردار بھی انتہائی حیرت ناک اور عجیب وغریب

ہے۔ ابن کثیر کی روایت کے مطابق یہ شخص حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ کئی ہزار سال زندہ رہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فوت ہوا۔ یہ عجیب الخلقت انسان کیا تھا؟ مفسرین کی زبانی سنئے۔۔۔!

بعض تفسیر کی کتابوں میں عوج بن عنق کا قد تین ہزار ہاتھ لمبا (نو ہزار فٹ) درج ہے۔ وہ سمندر سے مچھلیاں پکڑتا تھا اور سورج پر بھون کر کھاجاتا تھا۔ حضرت نوحؑ کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا تو اس وقت بڑے بڑے پہاڑ تک پانی میں ڈوب گئے تھے مگر اس کے گھٹنے سے زیادہ پانی نہ ہو سکا۔ ابن جریر کی روایت ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کا قد دس ہاتھ تھا۔ ان کا عصا بھی دس ہاتھ لمبا تھا۔ اس کو مارنے کے لئے حضرت موسیٰؑ دس ہاتھ بلندی پر اچھلے تب کہیں جا کر اس کے ٹخنے پر مار سکے۔ اور ایک ہی ڈنڈے کی ضرب سے وہ مر کر گر گیا۔ اتفاق سے جس دریا کے کنارے پر وہ مارا گیا وہ دریا کی چوڑائی پر گرا، ایک کنارے کی طرف اس کے پاؤں تھے اور دوسرے ساحل کی طرف اس کا سر تھا۔ اس طرح وہ دریا پر پل بن گیا۔ اور ایک سال تک لوگ اس پل پر سے ہو کر آتے جاتے رہے۔۔۔!!

یہ دیو مالائی واقعات جو قوم عمالقہ سے متعلق ہماری مستند کتب تفاسیر میں لکھے ہوئے ملتے ہیں، محض کذب اور افتراء کا پلندہ اور اسرائیلیات کا شاخسانہ ہیں۔ بقول علامہ ابن کثیر کے یہ ساری بکواس اہل کتاب کا گھڑا ہوا افسانہ ہے۔ یہ شخص قطعاً حضرت نوحؑ کے زمانے میں نہیں تھا۔ اور طوفان نوح کے بعد کافروں میں سے کوئی زندہ نہیں بچا تھا، عوج ابن عنق کیسے بچ گیا۔۔۔؟

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں قوم عاد کی قوت اور زور آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ یعنی ہم نے قوم عاد سے زیادہ قوی اور زور آور انسان کہیں پیدا نہیں کئے۔ اور قوم عاد کے قد وقامت اور زور آوری کا جو ریکارڈ تاریخ کے صفحات پر دستیاب ہے، وہ قوم عمالقہ کے قد وقامت کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اس طرح ہماری تفاسیر میں عمالقہ کے بارے میں

محیر العقول داستانیں درج ہونے کا مطلب کیا قومِ عاد کے بارے میں قرآن کے بیان کی تکذیب نہیں ہے۔۔۔؟؟

(۴) مسخ صورت

قرآن مجید میں یہوؔد کی نافرمانیوں کے نتیجہ میں ان کے بطور سزا بندر اور سوّر بن جانے کا تذکرہ ہے۔ ان ظالموں نے قران کی آیتوں کی تضحیک اور تکذیب کے لئے بطور طنز کچھ اور باتیں گھڑنے کے بعد مسلمانوں میں پھیلا دیں تا کہ بندر اور سور کی صورت میں مسخ ہونے والی روایت کے ساتھ یہ خرافات بھی قرآن کے بیان کے ساتھ جڑ جائیں۔ اور اس طرح قرآن مجید کی عظمت و وقعت لوگوں کے دلوں سے ختم ہوجائے۔ ان ظالموں کی جسارت تو دیکھئے۔ جس قدر بھی خلاف مشاہدہ، خلاف عقل اور مضحکہ خیز باتیں گھڑتے تھے ان سب کو صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے منسوب کر دیتے تھے۔ اور ہمارے قابلِ احترام مفسرین کی سادہ لوحی بھی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے ان تمام خرافات کو اپنی کتب تفاسیر میں درج کرتے ہوئی کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ اور نہ ہی اس حقیقت پر غور کرنے کی زحمت گوارہ کی کہ اس قسم کی واہی روایات سے عام مسلمانوں کے ذہنوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے اور اسلام کی تصویر کتنی داغ دار ہوجائے گی۔۔۔؟؟

مسخ سے متعلق ایک روایت جو ابن جریر طبری نے اپنی کتاب میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر ''الدر المنثور'' میں نقل کی ہے۔ اس میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کونسے جانور ہیں جو مسخ ہو کر موجودہ شکل میں پائے جاتے ہیں۔؟ آپ نے فرمایا وہ تیرہ ہیں۔

(۱) ہاتھی
(۲) سوّر
(۳) ریچھ
(۴) بندر
(۵) مینگ مچھلی

(۶) گوہ
(۷) چمگادڑ
(۸) بچھو
(۹) جونک
(۱۰) مکڑی
(۱۱) خرگوش
(۱۲) سُہیل ستارہ
(۱۳) زہرہ ستارہ

اس موضوع روایت کے مطابق صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان کے مسخ ہونے کی کیا وجہ ہوئی؟ آپؐ نے جواب دیا۔ ہاتؔھی دراصل ایک جابر اور لواطت کرنے والا شخص تھا جو کسی مرد اور عورت کو نہیں چھوڑتا تھا۔ سب کے ساتھ قوم لوط کا عمل کرتا تھا۔ حدیث کے الفاظ ہیں لایدع رطباً ولا یابساً۔ اسی طرح ریچھ ایک آوارہ اور فاحشہ عورت تھی جو کھلے عام سب کو اپنے ساتھ زنا کرنے کی دعوت دیتی تھی۔۔۔!

سوّرؔ اصل میں نصاریٰ تھے جنہوں نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اپنے رب سے ''مائدہ'' طلب کیجئے اللہ نے مائدہ اتارا۔ اس کے بعد بھی ان لوگوں نے کفر کیا۔ اس لئے ان کو خنزیر بنا دیا گیا۔۔۔!

بندؔر ان لوگوں کی نسل سے ہے جن کو ''سبت'' یعنی سنیچر کے دن شکار کھیلنے سے منع کیا گیا تھا مگر وہ اس فعل سے باز نہیں آئے۔ مینگ مچھلی ایک دیوث تھا جو لوگوں کو اپنی بیوی سے زنا کرنے کی ترغیب اور دعوت دیتا تھا۔ گوہ ایک عرب بدو تھا جو حاجیوں کا سامان چراتا تھا۔ چمگادڑ کھجور کے درختوں سے پھلوں کو چوری کرنے والا آدمی تھا۔ اسی طرح بچھو۔ ایک ایسا آدمی تھا جس کی زبان کی تیزی سے کوئی محفوظ نہیں تھا۔ جونک ایک ایسا آدمی تھا جو کہ چغل خوری کرتا تھا۔ اور اپنی حرکتوں سے دوستوں کے درمیان تفرقہ اور اختلاف ڈالتا تھا۔ مکڑی ایک عورت تھی، جس نے خود اپنے شوہر پر جادو کر رکھا تھا۔ خرگوش بھی ایک عورت تھی

جوحیض کے بعد غسل نہیں کیا کرتی تھی۔ سُہیل ستارہ یمن کا ایک ظالم ٹیکس وصول کرنے والا
تھا۔ زہرہ ستارا۔ زہرہ نامی ایک عورت تھی جو بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک
بادشاہ کی بیٹی تھی جس کی محبت میں ہاروت اور ماروت فرشتے گرفتار ہوئے اور انہوں نے
اس سے زنا کیا جس کی پاداش میں وہ دونوں بابل کے کنویں میں الٹے لٹکا دئے گئے۔۔۔!!
نعوذ باللہ من ذالک الخرافات۔

علامہ ابن جوزیؒ نے اس روایت کو قطعی موضوع اور من گھڑت بتایا ہے۔ علامہ
جلال الدین سیوطیؒ جو اپنی تفسیر الدر المنثور میں اسے نقل کر کے خاموشی سے گذر جاتے ہیں
اور کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ اپنی دوسری کتاب ''اللآلی المصنوعہ'' میں اسے موضوع اور
اسرائیلی روایت لکھتے ہیں۔۔۔!!

(۵) قصہ حضرت یوسف علیہ السلام

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ بڑی تفصیل سے اور انتہائی مربوط
انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب فروخت ہوکر ''عزیز مصر'' کے
گھر میں رہنے لگے اور ایک دن موقع پاکر عزیز مصر ''فوطیفار'' کی بیوی ''زلیخا'' نے حضرت
یوسف علیہ السلام کو تنہا کمرے میں بلا کر دروازہ بند کرلیا اور ''بدکاری'' کی دعوت دینے لگی۔
قرآن مجید میں اس واقعے کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ
هَمَّ بِهَا ۵ یعنی عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کا قصد کیا اور وہ ان کی طرف بڑھی تو
یوسف علیہ السلام بھی بتقاضائے بشریت اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ انہیں
اپنے رب کی نشانی نظر آگئی (لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ) اسکے بعد یوسف علیہ السلام
دروازے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے پیچھے پیچھے عزیز مصر کی بیوی زلیخا بھی تھی۔ اس نے
پیچھے سے یوسف علیہ السلام کی قمیص کھینچ کر پھاڑ ڈالی۔ دونوں دروازے پر پہونچے تو زلیخا کا
شوہر اتفاق سے وہاں موجود تھا۔ زلیخا نے سارا الزام یوسفؑ کے سر ڈالدیا......

یوسفؑ و زلیخا کے اس واقعہ کے سلسلے میں اس قدر جھوٹی اور بے بنیاد روایتیں ہیں کہ
ان کی صداقت کو عقل سلیم ماننے سے صاف انکار کرتی ہے۔ یہ بے سروپا کہانیاں عصمت

انبیاء کے مسلمہ عقیدے کی نفی کرتی ہیں اور ان کا تذکرہ انتہائی شرمناک اور حیاء سوز ہے۔
ایک اولوالعزم پیغمبر تو کیا، ایسی خرافات کا انتساب کسی بھی شریف اور حیادار انسان کے لئے
ہتک اور بے عزتی کے مترادف ہے۔۔۔!

تفسیری کتابوں میں ایک روایت حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے متعدد راویوں نے
نقل کی ہے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ هَمَّ بِهَا (یوسفؑ نے زلیخا کا قصد کیا) کا
کیا مطلب ہے۔؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا ''پاجامے کا کھولنا اور اس مقام پر
بیٹھ جانا جہاں بیٹھ کر عورت سے مقاربت کی جاتی ہے جب حضرت یوسفؑ نے پاجامہ کھول
دیا اور اس مقام پر بیٹھ گئے تو یکا یک بڑے زور سے کسی نے چیخ کر کہا۔ تم اس چڑیا کی طرح
مت بن جاؤ جو پردار تھی اور جب اس نے زنا کیا تو اس کے پر جھڑ گئے۔! اسی قسم کی ایک اور
روایت حضرت علیؓ سے اور تابعین میں مجاہدؒ اور سعید بن جبیر سے بھی منقول ہے۔

لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کے بارے میں کسی روایت میں غیبی ندا یا پکار بتایا گیا
ہے اور کسی راوی نے ''برہان'' سے مراد یہ لی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس
کمرے کی دیوار پر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی تصویر دیکھی تھی جس میں
حضرت یعقوبؑ یوسف علیہ السلام کو دیکھ رہے ہیں اور اپنا انگوٹھا دانت سے کاٹ رہے
ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اس وقت حضرت یوسفؑ کو مارا
جس کی وجہ سے ان کی کل شہوت انگلیوں کی راہ سے باہر نکل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت
یعقوب علیہ السلام کے ہر لڑکے کے یہاں بارہ اولادیں ہوئیں مگر حضرت یوسفؑ کے اس
شہوت کے نکل جانے سے ایک لڑکے کی صلاحیت کم ہوگئی اور ان کے گیارہ بچے ہی
ہو سکے۔۔۔!! استغفر اللہ ونعوذ باللہ من ذالک الخرافات۔

یہ اور قصہ یوسفؑ سے متعلق دیگر غیر مصدقہ روایات جو کتب تفاسیر میں مذکور ہیں
زیادہ تر اسرائیلی خرافات ہیں۔ ان ظالموں نے اپنی بدکاریوں پر پردہ ڈالنے کیلئے نہ صرف
حضرت یوسف علیہ السلام بلکہ اللہ کے دیگر معصوم پیغمبروں کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عظمت ختم کرنے کے لئے اس قسم کے جھوٹے

قصّے سازش کر کے تفسیری روایات میں شامل کر دے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُونَ ○

حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ ان یہودیوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے دامنِ عصمت کو داغدار کرنے کے لئے ''بنتِ سبع'' کا قصہ گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلا دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے سلسلے میں بے بنیاد باتیں بھی ''اسرائیلیات'' کی قبیل سے ہیں۔ جن میں رفعِ حاجت کے لئے جاتے ہوئے حضرت سلیمانؑ کا انگوٹھی اپنی بیوی ''جرادہ'' کو دینا۔ اس سے شیطان کا حضرت سلیمانؑ کی شکل میں آ کر دھوکے سے انگوٹھی لے لینا۔ اور پھر سلیمانؑ کا مارا مارا پھرنا۔ اور شیطان کا حضرت سلیمان کی شکل وصورت میں ان کی بیویوں سے حالتِ حیض میں صحبت کرتے رہنا۔ اس کے بعد شیطان کا انگوٹھی سمندر میں پھینک دینا اور اسے مچھلی کا نگل جانا اور دوبارا سلیمانؑ کو مل جانا۔ وغیرہ جیسی خرافات شامل ہیں۔ اسی طرح بلقیس ملکۂ سبا کو جنّی ثابت کرنے کی تمام روایات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک رات میں ننانوے بیویوں سے جماع کرنے کی لغویات بھی یہودی ذہن ہی کی پیداوار ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کا تا قیامت زندہ رہنے کا شگوفہ بھی انہیں یہودیوں کا چھوڑا ہوا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی سورہ ''الانبیاء'' میں صاف ارشاد ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ط أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ ج یعنی ہم نے کسی بھی انسان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہمیشہ کی زندگی عطا نہیں کی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اے حبیبؐ! آپ کو تو موت آ جائے اور وہ آپ کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہیں۔؟؟ کیا حیاتِ خضرؑ کا عقیدہ قرآن کی اس آیت کی تردید نہیں۔؟؟ حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں بھی بہت سی خُرافات کتب تفاسیر میں اسرائیلیات کے زیرِ اثر درج ہو گئی ہیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں—!

کتب تفاسیر میں جو بے شمار اسرائیلی روایات درج ہیں ان میں مذکورہ بالا خرافات کے علاوہ ہاروت، ماروت، ذوالقرنین، اصحابِ کہف، یاجوج ماجوج، کوہِ قاف، بہموت مچھلی، کوہِ طور اور تجلّی ربّانی، عصائے موسیٰ، تابوتِ سکینہ، جنتِ شدّاد، الغرانیق العلیٰ اور بناء کعبہ وحجرِ اسود کے بارے میں بھی انتہائی غلط اور جھوٹی باتیں منسوب کر کے مسلمانوں

میں پھیلا دی گئی ہیں۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے :—

''تفسیروں میں اسرائیلی روایات'' مؤلفہ: مولانا نظام الدین صاحب اسیر ادروی،

''اسرائیلیات فی التفسیر والحدیث''

کتب تفاسیر میں درج شدہ اس قسم کی تمام روایتیں جن کی تصدیق نہ تو قرآن مجید سے ہوتی ہے اور نہ احادیثِ صحیحہ میں ان کا کوئی تذکرہ ہے۔ یہ سب کی سب ''اسرائیلیات'' میں سے ہیں اور یہودیوں کی خانہ ساز روایتیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین نے حسنِ نیت کے ساتھ اہلِ کتاب سے سن کر بطور ''نقل روایت'' بیان کر دیا تھا، جو مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعبؓ احبار اور وہبؓ بن منبہ وغیرہ ان حضرات نے علماء یہود سے سنا اور انہوں نے اپنے اسلاف سے یہ قصّے سن رکھے تھے۔ بہر کیف ان تمام روایتوں کا سرچشمہ یہودی سماج ہے جو اپنی افسانہ تراشی کے لئے مشہور رہا ہے۔ جس نے اپنی مذہبی کتاب ''توریت'' میں بھی ترمیم وتحریف کرنے کو نہیں چھوڑا۔ وہب ابن منبّہ وغیرہ کی جو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں، محدثین کے نزدیک وہ سب ''اسرائیلی روایات'' ہیں—!

صحابۂ کرام اور تابعین تک یہ سلسلہ روایت ختم ہو جاتا تو بھی غنیمت تھا مگر ستم تو یہ ہے کہ یہ اسرائیلی قصّے رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی آپ نے ''مسخ صورت'' کے عنوان کے تحت اس قسم کی روایت سطورِ گذشتہ میں ملاحظہ فرمائی۔ ظاہر ہے کہ یہ جرأت کوئی مسلمان تو کر نہیں سکتا کیونکہ وہ حضور ﷺ پر افتراء کی سزا خوب جانتا ہے۔ یہ کام اہلِ کتاب یہودیوں کے ہیں۔ انہیں کی سازش سے یہ روایتیں اسلامی معاشرے میں آئیں اور عوامی شہرت کی بنا پر مفسرین نے ان کو اپنی کتابوں میں ''بطور تذکرہ'' جگہ دی۔ یہ روایتیں آج عقدۂ لاینحل بنی ہوئی ہیں۔ اگر ان کو نقل کرتے ہوئے پہلے ہی ان کی اصل حیثیت ذہن نشین کرا دی گئی ہوتی تو بہت سے اختلافات کے دروازے بند ہو جاتے۔ بہر حال ان روایتوں کا کچھ نہ کچھ منفی اثر مسلم معاشرے پر پڑنا ہی تھا۔ اس کا پتہ بہت سے مسائل میں علماء کے باہمی اختلاف سے بخوبی لگ جاتا ہے—! {۱}

{۱} ''تفسیروں میں اسرائیلی روایات'' مولانا نظام الدین اسیر ادروی ص ۲۸۱-۲۸۲- مطبوعہ الجمعیۃ بکڈپو دہلی۔

دشمنانِ اسلام یہود کی دسیسہ کاریوں اور ملتِ اسلامیہ میں ان کے زبردست اثر ونفوذ کا اندازہ قارئین کرام کو گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے بخوبی ہو گیا ہوگا۔ بلاشبہ یہ لوگ دورِ صحابہؓ سے لیکر آج تک ایک دن کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے لئے ان کے مختلف محاذ صدیوں سے سرگرمِ عمل رہے ہیں۔ کبھی یہ اپنے پیش رو عبداللہ ابنِ سبا کی طرح بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور علمِ دین کا زبردست مطالعہ کرنے کے بعد — موجودہ دور کے مستشرقین یورپ کی طرح — اسلام کے مسلّمات میں فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ شکوک وشبہات کے بیج بوتے ہیں تو کبھی ''تصوّف'' یا بالفاظِ دیگر ''احسانِ اسلامی'' کے چشمہٴ صافی کو گدلا کرنے اور اس سے پیدا شدہ ''سمع وطاعت'' کے زبردست اسلامی رجحان سے فائدہ اٹھانے کے لئے مرشدانِ تصوّف کا بھیس بدل کر بھولے بھالے عوام اور جاہل مریدوں کو صراطِ مستقیم سے بہکانے اور شیعی معتقدات ان کے سادہ ذہنوں میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بریلویت — جو شیعیت کی ہی ایک تقیہ شدہ نکھری ہوئی شکل ہے اور جس نے مسلمانوں کے اعمال وعقائد کو بگاڑنے اور انہیں بالواسطہ طور پر شیعیت سے قریب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ عوام الناس کے ذہنوں میں اس کی زبردست چھاپ بیعت وارشاد اور پیرامریدی کے ذریعہ ہی پڑی ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم انشاء اللہ العزیز بریلوی ذہن کے کچھ اور گوشوں کو کریدنے کی کوشش کریں گے تاکہ انکے اسلام دشمن شیعی عزائم اور ملتِ اسلامیہ کو سبوتاژ کرنے کی سازش کا پتہ چل سکے! وما توفیقی الا باللہ۔

اس ضمن میں سب سے پہلے تو ہم اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ اہل تشیع نے ''جفر'' کے پراسرار علم کی ایجاد کیوں اور کس مقصد کیلئے کی تھی اور علم الاعداد یا ہندسوں کا یہ علم — جسکی تکمیل ومہارت کی تمنا میں بانی بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب مدینہ منورہ جا کر بھی بے چین اور وہاں اس کے ''شیعہ ماہرین'' کی تلاش میں سرگرداں رہے تھے — مسلمانوں کے ذہنوں کو گمراہ کرنے اور انہیں قرآن وسنت سے ہٹا کر توہمات اور شرک فی العقیدہ کے عمیق غار میں گرانے میں کتنا مدومعاون رہا ہے — ؟؟

باب ۴

علم الاعداد یا ''جفر'' اور اہل تشیع

دشمنانِ اسلام یہود، جو مسلمان کی صفوں میں ''باطنی شیعوں'' بالفاظِ دیگر گمراہ صوفیوں کے بھیس میں عرصہ دراز سے موجود ہیں، ان کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمان سرچشمۂ رشد و ہدایت قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے احکام کی تعمیل سے بیگانہ ہو جائیں۔ قرآن سے لاپرواہ ہو جانے کے بعد انہیں صحیح احادیث نبویؐ سے برگشتہ کرنے کے لئے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی کیونکہ احادیث کے ذخیرہ میں رطب و یابس روایات ملا دینا ان کے لئے کچھ مشکل کام نہ تھا۔ شیعیت کے پلیٹ فارم سے انہوں نے تین لاکھ سے زیادہ احادیث وضع کرنے کے بعد گمراہ صوفیوں کے سہارے مسلمانوں میں رائج کر دیں جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ایمان و عمل میں وہ خرابیاں پیدا ہوئیں اور شرک و بدعت کی ایسی آبیاری ہوئی کہ جس کے کڑوے کسیلے پھل آج ہمارے سامنے موجود ہیں۔۔۔!

''باطنی شیعوں'' کے بنیادی عقائد چونکہ قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے درمیان اپنے عقائدِ باطلہ کی ترویج و اشاعت کے لئے یہ سازش تیار کی کہ انہیں قرآن کی تلاوت اور اس کے معانی پر غور و خوض کرنے سے روکنے کے لئے حروف تہجی کو اعداد میں تبدیلی کر کے ''علم الاعداد'' ایجاد کر ڈالا اور اس علم کو معتبر بنانے کے لئے اسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا! انہوں نے ہر ''عدد'' کو ایک خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور پھر ان اعداد کے نقوش تعویذ کی شکل میں لکھ کر یہ تعویذ و طلسم عوام میں تقسیم کرنے شروع کر دئے۔ اس طرح عوام بہت جلد ان کے معتقد ہو گئے۔ اس کے بعد اگلے مرحلے پر انہوں نے قرآنی آیات کو حروفِ تہجی کی بنیاد پر ''اعداد'' میں تبدیل کر کے ان کے بھی نقش و تعویذ بنا ڈالے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دئے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے۔ ان گمراہ باطنی صوفیوں کے زیرِ اثر آ کر مسلمانوں نے آیاتِ قرآنی کے اعداد کے نقوش یا تعویذ لکھکر گلے میں ڈالنا شروع کر دئے۔۔۔!

اہل تشیع جو نہ صرف یہ کہ خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بے حد دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں بلکہ وہ صدیق اکبرؓ اور حضرت عثمان ذی النورینؓ کے جمع و شائع کردہ مصاحف قرآن کی صداقت کے بھی قائل نہیں۔ ان

کے نزدیک اصل قرآن صرف وہ ہے جو حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا اور جس کا نسخہ ان کے بارہویں امام غائب اپنے ساتھ لیکر بغداد کے پاس ''سر من راء'' کے غار میں غائب ہو گئے تھے۔ اور ان کے عقیدہ کے مطابق قیامت کے قریب انکے یہی ''امام المھدی'' جب ظاہر ہوں گے تو اصل قرآن دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ

اگرچہ ایران کی موجودہ ''اثنا عشری'' حکومت اور دنیا کے تمام اہل تشیع اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بطور تقیہ یہی پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے موجودہ قرآن کو درست تسلیم کرتے ہیں اور اس کو موجودہ ترتیب کے ساتھ ہی منزل من اللہ تصور کرتے ہیں مگر شیعہ مذہب کی امہات کتب اور صدیوں سے اہل تشیع کا قرآن مجید کے ساتھ معاندانہ رویہ ان کے اس دعوے کی نفی کرتا ہے۔ یہود صفت ان اہل تشیع نے ہمیشہ یہی کوششیں کی ہیں کہ قرآن کی اہمیت اور اس کی عزت و قعت مسلمانوں کے دلوں سے ختم ہو جائے اور وہ اس کے احکام و ہدایات سے لاپرواہ اور اعتقاد و عمل میں رفتہ رفتہ ان کے ہمنوا ہو جائیں۔۔۔!

اہل تشیع براہِ راست تو مسلمانوں کو قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیمات سے بیگانہ بنانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہیں نے ایک طرف تو نہایت ذہانت سے یہ سازش تیار کی کہ ''علم الاعداد'' ایجاد کر کے غیر اسلامی نقش و طلسمات کا مسلمانوں کو رفتہ رفتہ عادی بنا ڈالا۔ دوسری طرف جب انہوں نے دیکھا کہ احادیث صحیحہ خصوصاً صحاح ستہ میں چونکہ قرآن مجید کی بہت سی صورتوں کی فضائل مذکور ہیں جیسے سورہ یٰسین کو نزع کے وقت پڑھنے سے موت کی سختی آسان ہونا یا سورہ الملک کو روزانہ رات کو بلا ناغہ پڑھتے رہنے سے عذاب قبر سے حفاظت کا وعدہ اسی طرح بعد مغرب روزانہ سورہ الواقعہ کی تلاوت سے فاقہ کے خوف سے نجات۔ جمعۃ المبارک کے دن سورہ الکھف پڑھنے سے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک خیر و برکت اور فتنہ دجال سے حفاظت وغیرہ۔ سورہ الفاتحہ کی تاثیر سے متعلق حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی وہ حدیث جس میں انہوں نے سانپ کے ڈسے ہوئے شخص پر ایسے پڑھ کر دم کیا تھا جس سے اسے شفا ہو گئی تھی، اور معوذتین کی تلاوت کے ذریعہ لبید بن اعصم یہودی کے سحر کے اثرات کو دور کرنے کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا واقعہ وغیرہ۔ اہل تشیع نے سوچا کہ مسلمان چونکہ قرآن مجید سے والہانہ عقیدت ولگاؤ اور مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں کچھ مخصوص سورتوں کے مخصوص فضائل پر یقین رکھتے ہیں۔ اسلئے کیوں نہ اسی راستے سے ان کے ایمان وعمل کے قلعہ میں شگاف ڈالا جائے۔؟

چنانچہ انہوں نے بڑی ذہانت سے پورے قرآن کی ایک ایک سورت کے بے شمار فوائد اور لمبے چوڑے فضائل تصنیف کئے اور پھر اہل تصوف کی صفوں میں موجود اپنے ہم خیال گمراہ صوفیوں کے ذریعہ ان موضوع روایات کو عوام الناس میں مشہور اور رائج کر دیا۔ ان لوگوں نے انہیں یہ پٹی پڑھائی کہ اس طرح جو مسلمان قرآن کی تلاوت سے لاپرواہ ہیں، ان فضائل وفوائد کو سن کر قرآن کی طرف بہت زیادہ مائل وراغب ہو جائیں گے۔ بلا شبہ یہ فائدہ مسلمانوں کو ان وضعی روایات پر یقین کر لینے سے ضرور ہوا مگر اس سے وہی طبقہ ''فائدہ'' اٹھا سکتا تھا جو حافظِ قرآن ہو۔ کیونکہ اس دور میں آج کی طرح گھر گھر کتابیں اور جگہ جگہ پریس کی سہولیات میسر نہیں تھیں کہ ہر شخص ''پنج سورہ'' اور سورہ یٰسین کی چھپی چھپائی جلدیں ہمہ وقت اپنی جیب میں رکھ سکتا اور ان کا ورد بنا لیتا۔ اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ ہر شخص قرآن مجید کی تمام بڑی بڑی سورتوں کو زبانی یاد کر لے۔ چنانچہ اس بات کا ان دشمنانِ اسلام اہل تشیع کو پہلے ہی اندازہ تھا۔ اس لئے انہوں نے عوام الناس کی آسانی اور ''سہولت'' کے لئے قرآن مجید کے حروف تہجی کے اعداد بنا ڈالے اور اس ''علم الاعداد'' کو حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا تاکہ ان کے تعلق سے کوئی ان اعداد کے علم پر انگلی نہ اٹھا سکے۔!

اہل تشیع نے حروف تہجی کو کس طرح اعداد میں تبدیل کیا تھا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل چارٹ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔!

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰

ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

اس طرح حروفِ تہجی کے ہر حرف کے عدد اس کے قائم مقام قرار پائے۔!

اس کے بعد دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے ان اعداد کے سہارے قرآن مجید کی ہر ایک سورۃ کے نقش بنا ڈالے اور ان نقوش کے لئے عوام الناس کو یہی باور کرایا گیا کہ چونکہ یہ اعداد قرآن ہی کے الفاظ کا بدل ہیں اس لئے ان کے بھی وہی خواص ہیں جو قرآنی آیات اور سورتوں کے ہیں۔ ان نقوش کو لکھکر اور پھر پانی سے دھوکر پینے اور تعویذ بنا کر گلے میں لٹکانے سے وہی سب فوائد حاصل ہوں گے جو اصل آیتوں کے ہیں۔ جو لوگ بڑی بڑی سورتوں کو پڑھ کر یاد نہیں کر سکتے وہ ان سورتوں کے نقش بنوا کر گلے میں پہن لیں یا بازو پر باندھ لیں۔ انہیں اتنا ہی فائدہ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کو اپنا ہر کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کرنا چاہئے۔ چنانچہ مسلمان دورِ نبویؐ سے ہی اس ہدایت پر عمل کرتے آئے ہیں۔ بسم اللہ چونکہ قرآن کا جزو ہے اس لئے برکت کے علاوہ اس کے پڑھنے سے دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ہر حرف کو پڑھنے یا لکھنے پر چونکہ دس نیکیاں ملتی ہیں اس لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو انیس حروف پر مشتمل ہے۔ اس کو پڑھنے یا لکھنے والے کو گویا ہر دفعہ ۱۹۰ نیکیاں ملتی ہیں۔ مگر ان ظالموں نے مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ چونکہ ہر جگہ بسم اللہ لکھنے سے ان قرآنی حروف کی بے حرمتی کا اندیشہ ہے اس لئے وہ اپنی تحریروں میں خاص طور پر شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے اس کے اعداد ''۷۸۶'' لکھا کریں۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنی سادہ لوحی میں ۷۸۶ کے اعداد کو اپنا کر خود کو ہر دفعہ ۱۹۰ نیکیوں کے ثواب سے محروم کر لیا۔! یہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی ''محمدؐ'' کے اعداد ''۹۲'' اور اس طرح کے دوسرے اعداد کا ہے۔!

بہر حال قرآن مجید کی متعین اور مخصوص سورتوں کے جو فضائل وخواص بخاریؒ، مسلمؒ یا صحاحِ ستہ کی دیگر کتابوں میں درج ہیں، ان کے علاوہ وہ سب روایتیں غلط اور اہل تشیع کی

گھڑی ہوئی ہیں جو قرآن مجید کی ہر ایک سورۃ کی لمبی چوڑی فضیلت کے سلسلے میں بہت سی کتب تفاسیر میں مذکور ہیں ـــ!

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں اس ضمن میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ترجمہ و خلاصہ حسبِ ذیل ہے :ـــ

''جہاں تک قرآن کی ہر سورۃ کی فضیلت کے بیان میں آنے والی لمبی لمبی حدیثوں کا تعلق ہے تو وہ تمام احادیث ''موضوع'' ہیں۔ چنانچہ حاکمؒ نے ''المدخل'' میں ابوعمار المروزیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابوعصمت الجامع سے پوچھا گیا کہ آپ عکرمہؓ کے حوالہ سے قرآن کی تمام سورتوں کی فضیلت کے بارے میں حدیثیں کہاں سے لاتے ہیں؟ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ان احادیث کا پتہ ان کے شاگردوں کو بھی نہیں ہے۔! اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ قرآن سے اعتناء نہیں کر رہے ہیں اور ابوحنیفہ کی فقہ اور ابنِ اسحٰق کی مغازی میں دلچسپی لیتے ہیں تو میں نے کارِ ثواب سمجھ کر قرآن کی سورتوں کی فضیلت کے بارے میں احادیث وضع کرلیں۔

ابنِ حبّان نے ''تاریخ الضعفاء'' میں ابنِ مہدویؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے میسرہ بن عبد ربہ سے دریافت کیا کہ یہ حدیث آپ کہاں سے لائے کہ جس نے فلاں اور فلاں سورت پڑھی اسے یہ ثواب ہے ـــ؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ لوگوں کو قرآن کا شوق دلانے کے لئے یہ حدیث میں نے خود گھڑلی ہے ـــ!

اسی طرح المومّل بن اسمٰعیل سے منقول ہے کہ ایک شیخ نے مجھے قرآنی سورتوں کے فضائل میں ابی بن کعبؓ کی حدیث سنائی اور کہا کہ میں نے مدائن کے ایک شخص سے جو ابھی زندہ ہے یہ حدیث روایت کی ہے۔ چنانچہ میں اس کے پاس مدائن پہونچا اور اس سے بھی یہی دریافت کیا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی؟ اس شخص نے جواب دیا کہ شہر واسط میں فلاں شخص ہے جو ابھی

بقیدِ حیات ہے اس نے بیان کی تھی۔ پھر جب میں واسط کے اس شخص کی خدمت میں پہونچا اور اس سے پوچھا کہ آپ نے یہ روایت کس سے لی ہے؟ تو اس واسطی نے بصرہ کے رہنے والے ایک شخص کا پتہ بتایا۔ من سفر کر کے بصرہ پہونچا اور اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوکر معلوم کیا کہ آپ نے حدیث کس سے روایت کی تو اس نے مجھے آبادان کے ایک شخص کے حوالہ کردیا۔ غرض میں جب مطلوبہ شخص کے پاس دریافت حقیقت کے لئے پہونچا تو وہ شخص میرا ہاتھ پکڑ کر ایسے گھر میں لے گیا جہاں صوفیاء رہتے تھے اور ان میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مجھ سے بیان کی تھی۔ چنانچہ جب میں نے اس شیخ سے سوال کیا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی تو انہوں نے جواب دیا کہ کسی نے نہیں بلکہ میں نے اپنی طرف سے وضع کرلی ہے تاکہ جو لوگ قرآن کی طرف سے بے رغبتی کر رہے ہیں ان کے قلوب قرآن کی طرف مائل ہوجائیں۔'' {۱}

بہرکیف! باطنی شیعوں نے اپنا مذہب جن افکار و تصورات کی مدد سے مدون کیا تھا ان میں فیثا غورث کے افکار بھی شامل تھے۔ فلسفہ کا ہر طالب علم یہ بات جانتا ہے کہ فیثا غورث نے اپنے فلسفہ کی بنیاد ''اعداد'' پر رکھی تھی، اور یہ قول کہ نو کا عدد کامل ہے اسی کا ہے ـــ!

باطنی شیعوں نے ''علم الاعداد'' کیوں ایجاد کیا تھا؟ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کے ذریعہ عوام کے قلوب و اذہان کو بغیر کسی قیل و قال کے بہت جلد اور بڑی آسانی سے متاثر کیا جاسکتا تھا۔ مثال کے طور پر شیعوں کے مزعومہ بارہویں امام کی پیدائش ۲۵۶ھ بیان کی جاتی ہے۔ اس تاریخ کی روحانی عظمت کا ثبوت دلائل کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! ''نور'' کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ بارہویں امام المہدی نور ہیں ـــ!

اسی طرح ''حیی'' کے عدد ۱۸ ہیں۔ اس لئے ۱۴ معصومین آئمہ اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸

{۱} ''الاتقان فی علوم القرآن'' جلال الدین سیوطیؒ ج ۱ ص ۱۵۶۔

افراد بھی "حیی" یعنی زندہ ہیں —!

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے حروف ۱۹ / عدد ہوتے ہیں اس لئے ۱۹ / کا عدد مبارک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "بہائی شیعوں" کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے —!

بہاء اللہ (بانی شیعی فرقہ بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں "ظہورِ حق" ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لئے دلیل یہ دی کہ "ظہور حق" یعنی بہاء اللہ کے لقب کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں، لہٰذا حق کا ظہور انہیں کی ذات سے وابستہ ہے —!

اسی طرح چونکہ ۹ / کا عدد کامل ہے! اس لئے جس شہر میں ۹ بہائی ہو جائیں وہاں پر "بہائی شیعوں" کی "محفل" قائم کی جاسکتی ہے۔ {۱}

"اسم اعظم" کی ہوائی بھی انہیں باطنیہ کی چھوڑی ہوئی ہے اور اس سے منسوب بیشمار خواص اور ناقابل یقین واقعات، نیز کتب احادیث میں موجود "اسم اعظم" کے تعلق سے بیشتر ضعیف روایات انہیں دشمنانِ اسلام اہل تشیع کے فتنہ پرور ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ "اللہ" سے بڑھ کر اور اس سے بڑا نیز بابرکت وعظمت والا کوئی نام نہیں۔ سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ربانی ہے :

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ۔ (الرحمٰن : ۷۸) بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور بزرگی والا ہے۔

"اسم اعظم" اللہ تعالیٰ کے اس مخصوص نام کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے دعا مانگی جائے۔ اسم اعظم کے سلسلے میں اگرچہ کتب احادیث میں بہت سی صحیح احادیث بھی مروی ہیں جن میں مختلف دعاؤں کو اسم اعظم کہا گیا ہے۔ یہ گویا ان دعاؤں کی فضیلت اور قدر واہمیت بڑھانے کے لئے ہے مگر اسی سے استدلال پکڑتے ہوئے دشمنانِ اسلام یہود صفت اہل تشیع نے "اسمِ اعظم" کے نام سے لمبے چوڑے دعوے اور غیر معمولی کہانیاں وابستہ کردیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم "اسم اعظم" ہے۔ امام مالکؒ، اشعریؒ، طبرانیؒ، ابنِ حبانؒ اور باقلانیؒ کا یہی موقف ہے۔ چونکہ لفظ "اللّٰھمّ" بیشتر دعاؤں

{۱} "باب کی نئی تاریخ" مولفہ پروفیسر براؤن ضمیمہ دوم ص ۳۲۸ تا ۳۲۹۔

اور درود شریف کے شروع میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمیں نماز کے قیام وقعود اور رکوع و سجود میں جاتے وقت اور نماز شروع کرتے وقت غرض ہر رکن نماز کی ادائیگی کے لئے "اللہ اکبر" کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کی عظمت اور بڑائی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کے اسم ذاتی "اللہ" کے بھی اس کے تمام صفاتی ناموں میں اہم ترین ہونے کا اعلان شامل ہے، تمام اسمائے الٰہی میں "اللہ" مقدم ہے۔ سورہ "الحشر" کی آخری آیات ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر صفاتی نام جیسے عالم الغیب والشہادہ، رحمٰن، رحیم، خالق، باری، مصوّر، العزیز، الحکیم کا مرجع اسم الٰہی "اللہ" کو قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ ضمیر کا مرجع "اللہ" ہی ہے۔ انہیں وجوہات کی بناپر جمہور علماء امت کا خیال ہے کہ "اسم اعظم" لفظ "اللہ" ہے —!

"اسم اعظم" کے سلسلے میں "بلعم باعورا" کی وہ "اسرائیلی روایات" بھی ان باطنی ذہنوں کی تدسیس کے نتیجہ میں ہماری کتب تفاسیر میں پائی جاتی ہے جس کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے حکم سے "قوم جبارین" یعنی عمالقہ سے جہاد کرنے کے لئے کنعان میں داخل ہوئے تو کنعانیوں میں اسی کافر قوم "عمالقہ" کا ایک فرد "بلعم باعورا" بھی تھا۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ "اسم اعظم" جانتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لشکر کے ہمراہ کنعان میں داخل ہوئے تو بلعم باعورا کی قوم نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کرنے پر مجبور کیا —! قصہ مختصر یہ کہ اس کی اسم اعظم کے وسیلہ سے کی گئی دعا کے نتیجہ میں اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے لشکر کے "تیہہ" میں جا پھنسے اور پھر اپنی قوم کے ساتھ چالیس سال تک وہاں بھٹکتے رہے۔ جب پریشان ہو کر حضرتِ موسیٰؑ نے اپنے رب سے اس در بدری کی وجہ معلوم کی تھی تو جواب ملا کہ بلعم باعورا کی بد دعا سے ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! بلعم باعورا سے اپنا اسم اعظم واپس لے لے۔ چنانچہ آپ کی دعا کے نتیجہ میں بلعم سے معرفتِ الٰہی سلب ہوگئی اور ایک سفید کبوتر کی شکل میں اس کے سینے سے نکل کر اڑ گئی اور وہ اسمِ اعظم قطعی بھول گیا

پھر اس کی زبان لٹک کر اس کے سینے پر آپڑی وغیرہ وغیرہ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے اور بلعم باعورا اسی کافر قوم کا ایک فرد جس کے خلاف حضرت موسیٰؑ کو جہاد کا حکم ہوا تھا۔

آخر یہ کیا طرفہ تماشا ہے کہ ایک کافر محض اسم اعظم جاننے سے ایسا مستجاب الدعوات، طاقتور اور قضاء وقدر کے فیصلوں پر حاوی ہو جاتا ہے کہ اس کے منہ سے اسمِ اعظم کے الفاظ کی ادائیگی کے بعد اللہ کی مشیّت بھی — ان کافروں کے خلاف حکم جہاد دینے کے باوجود — حضرت موسیٰؑ کو مع ان کے تمام لشکر کے میدانِ جنگ سے اٹھا کر "تیہہ" کے ویرانوں میں لا پھینکتی ہے جہاں وہ مسلسل چالیس سال تک حیران وسرگرداں رہتے ہیں —!

اور پھر ایک کافر کو "معرفتِ الٰہی" حاصل ہونا چہ معنیٰ دارد؟ اسمِ اعظم کی اہمیت بڑھانے کے لئے اللہ کے ایک عظیم الشان نبیؑ کی یہ توہین اور بے چارگی کی کہانی کس طرح ان دشمنانِ اسلام کی کوششوں سے ہماری قدیم تفسیروں میں جگہ پا گئی اور محض عبد اللہ ابنِ عباسؓ کا نام درمیان میں ہونے کی وجہ سے کتنی آسانی سے امت مسلمہ نے بلا سوچے سمجھے اسے درست مان لیا —؟ نہایت حیرت وتعجب کی بات ہے —!!

مطبع نول کشور لکھنؤ سے ایک کتاب جس کا نام "دار النظیم" ہے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی جو عبد اللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں صفحہ ۶۱ پر "اسم اعظم" اس طرح مرقوم ہے۔

✡ اااا⊟ ہ ااا خ ج ہ

اس کے ساتھ ہی ایک نظم بھی لکھی ہے جو حضرت علیؓ سے منسوب کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اس "طلسم" میں چھ کونے والا جو ستارہ بنا ہوا ہے وہ یہودیوں کا قومی نشان ہے اور آج کل مملکتِ اسرائیل کے سرکاری کاغذات اور فوجی وردیوں پر لکھا جاتا ہے۔ جبکہ اسلامی ستارہ پانچ کونوں والا اور اس شکل کا ہوتا ہے — ✡

اسی کتاب کے صفحہ پر ۱۲۶ "سورۂ نور" کے جو خواص درج کئے گئے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں —!

"من كتبها وجعلها فى فراشه الذى ينام فيه لم تحليم ابداً وان كتبت بماء زمزم وشربها انقطع عنه شهوت الجماع وان جامع لم يجد "لذته".

ترجمہ: جو شخص سورۂ نور کو لکھ کر اپنے بستر میں رکھے جس پر وہ سوتا ہے تو اسے کبھی احتلام نہیں ہوگا۔ اور اگر اس سورۃ کو آبِ زمزم سے لکھ کر پی لیا جائے تو اس کی شہوتِ جماع منقطع ہو جائے گی یا جماع کرنے والے کو لذّت محسوس نہیں ہوگی۔

واضح رہے کہ یہ قرآن مجید کی اسی سورۃ النور کا تذکرہ اور توہین و بے حرمتی کرنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے کہ جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگی تہمت سے برأت کا اعلان اور آپ کی پاکدامنی کی شہادت الٰہی ہے۔ اہل تشیع چونکہ اپنی خباثتِ نفس اور اسلام دشمنی کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاکدامنی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شہادت سُبحَانَکَ هذا بُهتَانٌ عَظِیمٌ کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے اپنے خود ساختہ "عقیدہ براءۃ" کے مطابق نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی بھول تصوّر کرتے ہیں اس لئے قرآن عظیم کی اس رفیع الشان سورۃ النور کی بے حرمتی کے لئے انہوں نے یہ بے ہودہ عمل لکھ کر شائع کیا ہے۔ قرآن عظیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا —؟؟

ایران کے دار السلطنت "طہران" سے ۱۳۳۷ء خورشیدی میں ایک قرآن مجید کا نسخہ شائع ہوا تھا۔ اس میں بہت سے نقوش بھی درج کئے گئے ہیں چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے!

"نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاء الدین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار بر این شکل نظر کند، آتش دوزخ بروے حرام گردد۔"

یعنی خاتم المجتہدین شیخ بہاء الدین عاملی سے نقل کیا گیا ہے کہ جو کوئی اپنی عمر میں ایک بار اس نقش کو دیکھ لے اس پر آتشِ دوزخ حرام ہو جاتی ہے —!

وہ نقش یہ ہے۔

هلج هلج هلج	هلج هلج هلج
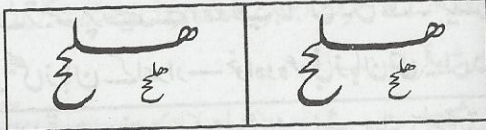
ظاہر ہے کہ جب نقش مرقومہ بالا کو صرف ایک بار دیکھ لینے سے دوزخ کی آگ حرام ہوجاتی ہے تو پھر قرآن مجید کی تلاوت یا اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔؟؟ {۱}

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو قرآن اور اس کی تعلیمات سے دور کرنے اور انہیں ''عشقِ رسول'' کا دھوکہ دے کر اس کی آڑ میں شیعی آئیڈیالوجی کا میٹھا زہر امتِ مسلمہ کی رگوں میں پہونچانے کے مقصد میں اہلِ تشیع کامیاب ہوگئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن مجید کی جو حیثیت رہ گئی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ تعویذ گنڈوں کی گرم بازاری اور قرآنی آیات کے اعدادی نقوش دھو دھو کر پلانے کا مشغلہ ان باطنی شیعوں کی کوششوں سے گھر گھر مسلمانوں میں رائج ہوگیا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ قرآن مجید کا حال یہ ہے کہ ؎

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین اُو، آساں بمیری!

تعویذ اور اس کی شرعی حیثیت

جہاں تک قرآنی آیاتِ مبارکہ لکھ کر بطورِ تعویذ دینے، انہیں اپنے پاس رکھنے یا ان آیات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کرنے کی بات ہے تو بلاشبہ اس کی اجازت شریعتِ مطہرہ میں ملتی ہے اور احادیثِ نبویؐ و تعامل سلف صالحین سے اس قسم کے ''عملیات'' ثابت ہیں۔! جن تعویذات کو ناجائز اور شریعت کے خلاف کہا جاتا ہے ان سے مراد وہ تمام تعویذی نقوش اور طلسم ہیں جو اہل تشیع نے قرآنی آیات کا بدل ثابت کرنے کے لئے ''علم الاعداد'' یا جفر کی بنیاد پر مرتب کر کے مسلمانوں میں پھیلادئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآنی الفاظ کا بدل نہ تو کسی زبان کے حروف ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اعداد و شمار۔ جس طرح قرآنی الفاظ کا ثواب اس کے عربی متن کی تلاوت کی صورت میں ہی مل سکتا ہے اور ان الفاظ قرآنی کا صرف ترجمہ پڑھنے سے وہ ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح قرآن کے الفاظ کا بدل کسی بھی زبان کے اعداد — خواہ وہ عربی زبان ہی کیوں نہ ہو — نہیں بن

{۱} ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش'' پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ص ۱۱۷۔

سکتے اور نہ ہی ان میں قرآن کے الفاظ کی تاثیر پیدا ہوسکتی ہے! تعویذ کے لغوی معنیٰ ''حفاظت کی دعا'' کے ہیں (ملاحظہ ہو: مصباح اللغات ص ۵۸۳ عَوَّذَ تَعْوِیْذاً وَ اَعَاذَ (مادہ عُوذ کے تحت) دوسرے لفظوں میں آپ اسے ''تحریری دعا'' کہہ لیجئے۔ جس طرح زبانی دعا کی قبولیت اور اثر پذیری اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے ٹھیک اسی طریقے پر قرآن کی آیات پر مشتمل تعویذ یعنی ''تحریری دعا'' (آیات کے حروف کے مجوّزہ اعداد نہیں!) کے اثرات و فوائد بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی پر ہی منحصر ہیں—! قرآن مجید جو غیر مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ ازلی ہے۔ اس کے الفاظ کی اثر پذیری کا ثبوت احادیثِ نبویؐ سے بھی ملتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید بن اعصم یہودی کے کئے ہوئے سحر کے اثرات ختم کرنے کے لئے وحی الٰہی کی ہدایت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معوّذتین کی تلاوت کرنا، جس کی حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ صحابی رسول حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی وہ حدیث جس میں انہوں نے ایک سفر میں سورہ الفاتحہ پڑھ کر دم کرنے کے عمل سے سانپ کے کاٹے ہوئے ایک مریض کا علاج کیا تھا اور وہ تندرست ہوگیا تھا اور بعد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ سن کر سورۂ فاتحہ کی اس تاثیر کی تصدیق فرمائی تھی۔ نظر بد سے حفاظت کے لئے اعوذ بکلمات اللہ التّامات والی دعا بھی حدیث نبوی سے ثابت ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی وہ حدیث جس میں ان کی تحویل میں صدقات کے مال میں بار بار چوری کرتے پکڑے جانے پر شیطان نے اپنی رہائی کے عوض خود یہ عمل حضرت ابوہریرہؓ کو بتایا تھا کہ اگر آیۃ الکرسی کسی مال پر پڑھ دی جائے تو شیطان کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات سُن کر فرمایا تھا کہ شیطان اگرچہ بہت جھوٹا ہے مگر اس جھوٹے نے یہ بات سچ کہی ہے۔ (او کما قال)

طبرانی و بزّار نے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :—

''جب تمہیں جنات و شیاطین (غول) دھوکا دینا چاہیں تو اذان پڑھ دیا کرو۔

اسلئے کہ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو گوز مارتے ہوئے بھاگتا ہے۔''

امام نوویؒ نے ''کتاب الاذکار'' میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ کو رفع ضرر کا وسیلہ قرار دیا ہے ——!

اسی طرح نسآئی نے ایک روایت حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ :—

''تم لوگ رات کو اول وقت گھر لوٹ آیا کرو کیونکہ رات کے وقت زمین سمٹتی ہے اور اگر غیلان (یعنی جنّات وشیاطین) تم پر ظاہر ہوا کریں تو جلدی سے اذان پڑھ دیا کرو۔''

موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں ایک عفریت الجن کو میں نے دیکھا۔ وہ مجھ کو آگ کے ایک شعلے کے ذریعہ بلا رہا تھا۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو جبریل نے مجھ سے کہا۔ کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ بتاؤں جس سے یہ آگ کا شعلہ بجھ جائے اور یہ اوندھا منہ گر پڑے؟ میں نے کہا ضرور بتایئے۔ اس پر جبرئیل امین نے مجھے یہ کلمات پڑھنے کو کہا :

قُلْ اَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيمِ وَ بِكَلِمَاتِهِ التَّامَّاتِ الَّتِى يُجَاوِزُهُنَّ بِرٌّ وَ لَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ مِنْ شَرِّ مَايَعْرُجُ فِيهَا وَ مِنْ شَرِّ مَا زَرَأَ فِى الْاَرْضِ وَ مِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ فِيهَا وَ مِنْ فِتَنِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِلَّا طَارِقاً يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص کو بچھو نے کاٹ لیا۔ اور ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر آپ فرماویں تو میں جھاڑ دوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہونچا سکے تو ضرور پہونچائے ——!

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آل عمر بن حزمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے رقیۃ العقرب یعنی بچھو کی جھاڑ کا عمل آتا ہے جس سے ہم بچھو کے کاٹے ہوئے کو جھاڑتے ہیں اور آپ نے اس جھاڑ کی ممانعت فرمادی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنا وہ ''رقیہ'' (یعنی منتر) پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ آپؐ کو سنایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''اس میں تو کوئی حرج کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ جو اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ پہونچائے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ کتاب اللہ اور ذکر اللہ سے جھاڑ پھونک جائز ہے۔ البتہ وہ ''رقیہ'' ممنوع ہے جو فارسی یا عجمی زبان میں ہو یا اس کے الفاظ ایسے ہوں جس کے معانی سمجھ میں نہ آئیں کیونکہ اس طرح اس بات کا امکان ہے کہ ان میں کچھ شرکیہ یا کفریہ الفاظ ہوں۔ اہل کتاب کے رقیہ میں علمائے امت کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے مگر امام مالکؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں ——!

جہاں تک تعویذ لکھنے کے جواز کی بات ہے تو اس کے لئے وہ صحیح روایت پیش کی جاسکتی ہے جو سنن ابی داؤد میں امام داؤدؒ نے اور مستدرک میں حاکمؒ نے نقل کی ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفا بنت عبد اللہؓ سے فرمایا:

''تم حفصہؓ کو ''نملہ'' کی جھاڑ پھونک بھی سکھا دو جس طرح تم نے اس کو تعویذ لکھنا سکھایا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ام المومنین حضرت حفصہ ضرورت مندوں کو تعویذ لکھ کر دیا کرتی تھیں اور ان کا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف نہیں تھا ——!

عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نظر بد اور سانپ بچھو وغیرہ کے کاٹ لینے پر جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔ ان دو کے علاوہ کسی اور جگہ جھاڑ پھونک منع ہے لیکن مذکورہ بالا حدیث اس خیال کی نفی کرتی ہے کیونکہ ''نملہ'' ان پھنسیوں کو کہا جاتا ہے جو جسم کے مختلف حصوں پر گچھوں اور خوشوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں جن میں بے حد جلن اور بے چینی ہوتی ہے ڈاکٹری اصطلاح میں ان پھنسیوں کو Herpes Zoster کہا جاتا ہے۔ عرب میں عورتیں اس کا علاج اس دور میں جھاڑ

پھونک کے ذریعہ کیا کرتی تھیں۔ وہ جو الفاظ پڑھا کرتی تھیں وہ یہ ہیں :

" العروس تحتفل وتختضب وتكتحل

وكل شئ تفتعل غير ان لا تعصى الرجل"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو سن کر ان سے جھاڑ پھونک کی اجازت دیدی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں شرکیہ کوئی کلمہ نہیں تھا ورنہ آپؐ ہرگز اجازت نہ دیتے ---!

تعویذ لکھ کر دینے کے ضمن میں ہی وہ حدیثِ مبارکہ بھی پیش کی جاسکتی ہے جو امام بیہقیؒ نے ''دلائل النبوّۃ'' کے آخری صفحات میں حضرت ابو دُجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا :

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں جب رات کے وقت سونے کے لئے لیٹا تو مجھے چکّی چلنے کی آواز اور پھر مکھیوں کی طرح بھنبھنانے کی صدا سنائی دی۔ پھر یک بہ یک ایسی روشنی ہوئی جیسا کہ بجلی چمکتی ہے۔ جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے صحن میں ایک سیاہ پرچھائیں معلوم ہوئی جو بتدریج بلند ہوتی اور پھیلتی جاتی تھی۔ جب میں اس کے قریب پہونچا تو اس کالی گھٹا جیسی پرچھائیں سے شعلے سے نکل کر میری طرف آتے ہوئے معلوم ہوئے اور پھر میرے سینے پر ایک آگ کی سی لپٹ آکر لگی۔ یہ واقعہ سن کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو دجانہ! تمہارے گھر میں جنّات کا بسیرا ہے۔ پھر آپ نے کاغذ و قلم منگوانے کے بعد حضرت علیؓ سے فرمایا۔ لکھو! پھر آپؐ نے جنّات کے نام اپنا یہ فرمان جاری فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"هذا كتاب من محمد رسول رب العالمين الىٰ من يطرق الدار من العمار والزوار الا طارقاً يطرق بخير۔ امّا بعد: فان لنا ولكم فى الحق سعة فان كنت عاشقا مولعا او فاجراً مقتحماً فهٰذا كتاب الله ينطق علينا وعليكم بالحق

انا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون ورسلنا يكتبون ما تمكرون۔ اتركوا صاحب كتابى هٰذا وانطلقوا الىٰ عبدة الاصنام والىٰ من يزعم ان مع الله الٰها آخر۔ لا اله الا هو كل شئ هالك الا وجهه لهٗ الحكم واليه ترجعون۔ حٰمٓ لا ينصرون حٰمٓ عٓسٓقٓ تفرق اعداء اللهِ وَ بلغت حجة اللهِ وَ لا حولَ ولا قوة الا باللهِ العلى العظيم فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم۔"

حضرت ابو دُجانہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ کلمات حضرت علیؓ سے ایک کاغذ پر لکھوا کر مجھے عنایت فرمائے اور میں نے اس کاغذ کو لپیٹ لیا اور احتیاط سے اس کو گھر لے آیا۔ پھر میں نے سوتے وقت اس پرچے کو اپنے سر کے نیچے رکھ لیا اور اطمینان سے سو گیا۔ کچھ دیر کے بعد مجھے سوتے ہوئے کسی کے دردناک آواز میں چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی جس سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں اٹھ بیٹھا۔ میں نے سنا۔ کوئی فریاد کر رہا تھا کہ اے ابو دجانہ! تو نے ہمیں پھونک دیا۔ تجھ کو اپنے صاحبؐ کی قسم! اس پرچے کو اپنے پاس سے ہٹا دے۔ ہم تیرے گھر یا تیرے پڑوس جہاں کہیں یہ خط ہوگا کبھی نہیں آئیں گے۔ حضرت ابو دجانہؓ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا! صحابیٔ رسول حضرت ابو دجانہؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میں جنوں کی چیخ پکار سے تمام رات نہیں سو سکا۔ اور مجھے وہ رات کاٹنی دوبھر ہوگئی۔ صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھنے مسجد نبوی میں پہونچا اور بعد فراغتِ نماز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کا ماجرا سنایا۔ آپؐ نے تمام واقعہ سن کر ارشاد فرمایا۔ اے ابو دجانہ! اب تم اس خط کو ہٹا دو کیونکہ اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے وہ جنات قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے ---!!

رُوئے زمین کے جنّات کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط کی یہ تاثیر تجربہ میں آئی ہے کہ آج بھی جس شخص پر جنّات کے اثرات ہوں۔ یا جس گھر میں جنّات کا

بسیرا ہو، اس عبارت کو سفید کاغذ پر باوضو صاف صاف لکھ کر بطور ''تعویذ'' مریض کے تکیہ کے اندر (غلاف کے نیچے اوپر سطح پر) رکھ دیا جائے اور اثر زدہ مریض کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ اس پر سر رکھ کر سویا کرے۔ تو نہ صرف اس شخص پر سے جنات کا اثر کافور ہو جائے گا بلکہ کچھ عرصے کے بعد یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ وہ جنات زدہ گھر بھی ہمیشہ کے لئے ان کے شر سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ عرصہ ہوا، راقم الحروف نے جنات کے اثرات سے پریشان اپنے ایک عزیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط کی کتاب میں سے ''فوٹو اسٹیٹ کاپی'' کرا کے دیدی تھی۔ انہوں نے اسے کسی سے لکھوانے کے بجائے بعینہٖ وہی پرچہ مریض کے تکیہ کے نیچے رکھ دیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ۔۔۔ اگر چہ دیر میں ہی سہی...... تاہم انہیں جنات کی شرارتوں سے بالکلیہ نجات مل گئی۔۔۔!!

المختصر یہ کہ: تعویذات بھی ایک قسم کی ''تحریری دعا'' ہیں اور ''مسلمان بھائی کو نفع پہونچانے کے لئے'' ان کا استعمال ''فی سبیل اللہ'' جائز ہے بشرطیکہ ان میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اور وہ محض قرآنی آیات پر مشتمل ہوں صرف ان آیات کے ''نام نہاد'' اعداد کے نقوش نہ ہوں۔ فی زمانہ تعویذوں کی جو ''تجارت'' ہوتی ہے اور غیر اسلامی گنڈے تعویذات اور نقوش و طلسم کا جو دور دورہ ہے اس کی تائید و حمایت کسی صورت میں بھی نہیں کی جا سکتی! تعویذ فروشی کی لعنت اسلامی مزاج اور شریعت و اخلاقی قدروں کے بالکل منافی ہے۔ خاص طور پر ان باطنی شیعوں کے رائج کردہ اعدادی نقوش و مشرکانہ الفاظ پر مشتمل تعویذات کی پر زور مذمت کی جانی چاہئے۔ بلاشبہ یہ تعویذ و طلسم مسلمانوں کو قرآن اور اس کی تعلیمات سے بیگانہ کرنے اور ان کے ذہنوں میں مشرکانہ عقائد کی چھاپ بٹھانے کی ایک خطرناک سازش ہے جو دشمنانِ اسلام یہود صفت اہل تشیع نے مدتوں پہلے تیار کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب ''اعمالِ قرآنی'' میں شروع سے آخر تک جتنے بھی ''عملیات'' لکھے ہیں وہ سب قرآنی آیات پر ہی مشتمل ہیں اور ان آیات میں سے کسی کا بھی کوئی نقش اعداد انہوں نے نہیں لکھا ہے۔ البتہ: ان کے ترجمہ قرآن کے ابتدائی صفحات پر یا ان سے منسوب ''بہشتی زیور'' میں نقوش اعداد پر مشتمل

جو تعویذات ملتے ہیں وہ ان کے ناشرین یا پھر کسی اور کا اضافہ ہیں۔ مولانا تھانویؒ کی اپنی کاوش نہیں ہے۔۔۔!

کچھ لوگ مسند احمد میں مذکور حضرت عقبہ ابن عامر جہنیؓ سے مروی حدیث نبویؐ:

"من علق تميمة فقد اشرق"

جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔

کو بنیاد بنا کر مطلق تعویذات کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا خیال درست نہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا حدیث اگر چہ ''صحیح'' ہے مگر اس سے مطلق تعویذ مراد نہیں بلکہ صرف وہ تعویذ مراد ہیں جو جاہلیت کے زمانے سے عرب معاشرے میں رائج تھے اور شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے۔ پوری حدیث پڑھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا حدیث کے متن کا ترجمہ یہ ہے۔

''حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس آدمیوں کا ایک وفد بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ آپؐ نے ان میں سے نو کو بیعت فرما لیا اور ایک کو نہیں فرمایا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپؐ نے نو کو بیعت فرما لیا اور ایک کو چھوڑ دیا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے تعویذ لٹکا رکھا ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور تعویذ کو توڑ کر پھینک دیا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی بیعت فرما لیا اور پھر فرمایا "من علق تميمة فقد اشرك" یعنی جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔ {۱}

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہاں ہر تعویذ مراد نہیں بلکہ دورِ جاہلیت میں رائج تعویذ مراد ہیں اور جاہلیت کے دور میں کاہن شیاطین کی مدد سے عربوں کے لئے تعویذ کے الفاظ لکھا کرتے تھے۔ یہ صاحب جن کے گلے میں تعویذ دیکھ کر آپ نے بیعت سے گریز فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ دیگر ارکان وفد کے ہمراہ اسلام لانے کے لئے ہی کاشانۂ

---

(۱) ''مجمع الزوائد'' حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ج ۵ ص ۱۰۳۔

نبوت میں حاضر ہوئے تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت ان کے گلے میں جو تعویذ ہوگا وہ دورِ جاہلیت میں رائج شرکیہ تعویذ ہی تھا جس کی مذمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے۔

اسی طرح ابوداؤد اور مشکوٰۃ کی یہ حدیث :—

ان الرقیٰ والتمائم والتِولَۃَ شرك۔ یعنی ٹونا، ٹوٹکہ، تعویذ اور منتر سب شرک ہیں۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۳۸۹)

اس میں بھی دورِ جاہلیت کے تعویذوں کے علاوہ مشرکانہ ٹونا، ٹوٹکوں اور منتروں کو شرک فرمایا گیا ہے جن میں جنّات وغیرہ سے استعانت حاصل کی جاتی تھی اور جو اس دور کے عرب معاشرے میں رائج تھے قرآنی آیات پڑھ کر دم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تمام سلف صالحین سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور یہ اس حدیث کے منافی ہرگز نہیں ہے—! البتہ: نقصان پہنچانے والے تعویذ قطعی حرام اور ناجائز ہیں اور ایسے شخص کو توبہ کرنی لازم ہے۔ اسی طرح جادو اور سفلی عمل کرنا بھی بدترین گناہ کبیرہ اور کفر ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اگر کسی کے جادو یا سفلی عمل سے کسی کی موت ہو جائے تو ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں قاتل تصور کیا جائے گا—!!

علم الاعداد کی نیرنگیاں

اہل تشیع کی ایجاد کردہ علم الاعداد یا ''جفر'' نے امت مسلمہ کے اندر نہ صرف یہ کہ قرآن عظیم کی آیات اور سورتوں کی تلاوت سے ممکنہ گریز کے لئے نقوش اعداد کا چلن اور اس طرح ان کی تخفیف و بے وقعتی کا رجحان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، بلکہ اس علم نے بسا اوقات قرآن مجید کی بے حرمتی اور بالواسطہ توہین کے فاسد نظریات کی بھی مسلمانوں میں آبیاری کی ہے—!

ان دشمنانِ اسلام نے ایک طرف تو قرآن مجید کی تمام سورتوں کے خواص کا پروپیگنڈہ بڑے زور و شور سے کیا اور دوسری طرف لوگوں کو یہ باور کرانے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی کہ یہ تمام خواص اور خوبیاں ان آیات کے نام نہاد ''مؤکلوں'' کے عمل و قوت پر

ہیں۔ اور اس طرح انہوں نے تمام نفع و نقصان کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنے خود ساختہ مؤکلوں کو ٹھہرایا، پھر انہوں نے نہایت ہوشیاری اور چابکدستی سے تمام آیاتِ قرآنی کے ان خود ساختہ مؤکلوں کو عناصر اربعہ کی بنیاد پر چار اقسام میں منقسم کر دیا—!

(۱) خاکی مؤکل

(۲) آتشی مؤکل

(۳) آبی مؤکل

(۴) بادی مؤکل

چنانچہ کچھ آیات اور قرآنی سورتیں مزاج کے اعتبار سے خاکی مؤکلوں کے ماتحت منسلک قرار پائیں، اور کچھ آتشی مؤکلوں کے زیر اثر نہایت گرم خشک اور ''جلالی'' کے لقب سے معنون ہوئیں، علیٰ ہٰذا القیاس کچھ آیتیں اور سورتیں آب و ہوا کے عناصر کے مزاج کے مطابق اسی قسم کے مؤکلوں کے تابع اور ہم خواص ٹھہرائی گئیں—!!

مثال کے طور پر قرآن مجید میں مذکور حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے مچھلی کے نگل لینے کے بعد اس کے پیٹ میں جا کر اس ظلمات و پریشانی سے نجات کے لئے مسلسل بارگاہِ رب العزت میں مانگی تھی۔ یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اس دعا کے متواتر ورد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے شکم سے نجات نصیب فرمائی تھی۔ چنانچہ اس دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ یعنی ہم حضرت یونس علیہ السلام ہی کی طرح اس دعا کا ورد کرنے والے مومنوں کو بھی مشکلات و پریشانیوں اور رنج و غم سے نجات عطا کرتے ہیں—!

قرآن مجید کا یہ واضح اعلان ظاہر ہے کہ اہل تشیع کے عقیدہ ناد علیاً مظہر العجائب، تجده عونالك فی النوائب سے متصادم تھا اور ان کے ''علی مشکل کشا'' کے باطل نظریہ کی تردید کرتا تھا۔ اس لئے ان ظالموں نے مسلمانوں کو مشکلات و پریشانیوں اور رنج و غم کی صورت میں قرآنی دعا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کی تلاوت اور اس کے ورد سے روکنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ اس دعا

کے موکل چونکہ ''آتشی مزاج'' کے اور بڑے ''جلالی'' ہیں اس لئے اس کا مست
کرنے سے دماغ خشک اور انسان کے پاگل ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس
زیادہ پڑھنے سے احتراز کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی بے سروپا اور من گھڑت
انہوں نے دیگر آیاتِ قرآنی کے بارے میں بھی مشہور کردیں۔ ذرا غور فرمایئے کہ
کریم جو سراسر رحمت، ہدایت اور شفاءٌ لِما فی الصدور ہے، جہنم سے نجات کا
ہے۔ اس کی ایک مہتم بالشان آیت ''کو آتشی مزاج'' بتانا بالفاظ دیگر اسے ''جہنمی
(نعوذ باللہ) قرار دینا کیا قرآن مجید کی کھلی توہین اور بے حرمتی نہیں ہے---؟؟ اور
پر مستزاد آیاتِ قرآنی کے خواص واثرات کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر منحصر کرنے کے بجا
نہاد ''موکلوں'' کے تابع کردینا کتنی بڑی جسارت، عقیدۂ توحید کے ساتھ مذاق اور ا
ایک کاری ضرب ہے۔؟ اس طرح ان اہل تشیع نے مسلمانوں میں درہ پردہ یہ ذ
شروع کر دیا کہ اچھائی و برائی اور رنج وخوشی بندے کو اللہ رب العزت کی طرف
پہونچتی بلکہ اس کے فاعلِ حقیقی نام نہاد ''موکل'' ہوتے ہیں۔ یا پھر وہ شیوخ تصو
ان موکلوں کو ''عملیات'' کے ذریعہ اپنے قابو میں کرلیتے ہیں اور وہ ان عاملوں کے
فرمان ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ ان موکلوں کے ذریعہ انسانوں کے خیر وشر کے
ومختار بن جاتے ہیں---!! واضح رہے کہ عملیات وتعویذ کا دھندا عرصہ دراز
''مرشدانِ طریقت'' سے ہی وابستہ رہا ہے اور لوگ اپنی مشکلات وپریشانیوں میں
لینے ان ہی کے در پر جاتے ہیں۔ اسی طرح مختلف اوراد ووظائف بھی انہی کی بارگا
مریدوں کے لئے جاری کئے جاتے ہیں۔ اس لئے لامحالہ مشائخ طریقت کے بھیس
بیٹھے ہوئے شیعہ فطرت ''دین کے سوداگر'' نہ صرف یہ کہ ''ماہر عملیات'' اور ان
''موکلوں'' کو مسخر اور اپنے قابو میں کرنے والے گردانے گئے بلکہ ان کی ذات والا صفا
کو ہی جاہل عوام نے اپنا مطاع، مرکزِ عقیدت اور مالک خیر وشر مان لیا---!
بریلی کے ''محلہ سوداگران'' میں بیٹھ کر شیعی افکار ونظریات کی سوداگری کرنے وا
جناب احمد رضا خاں صاحب ''بانیٔ بریلویت'' کی تعویذ وعملیات کی کتاب جسے

ان رضا'' کے نام سے اقبال احمد نوری مہتمم رضوی کتب خانہ بازار صندل خان بریلوی
ب (Edit) کرنے کے بعد شائع کیا تھا۔ اس وقت ہمارے پیش نظر ''رضا
اشاعت'' بہیڑی ضلع بریلی کے مطبوعہ نسخہ ہے۔ اس کی جلد چہارم صفحہ ۲۵ پر حروفِ تہجی
'' کے مطابق تمام حروف کے ''ظاہری'' اور ''باطنی'' موکلوں کا جو نقشہ دیا گیا ہے
ان تمام حروف کے اعداد اور ان کے متعلقہ موکلوں کے نام جیسے آئیل، بائیل،
، ہائیل، کلکائیل، طاطائیل، حولائیل، عطرائیل، عطکائیل، ہجمائیل اور تنکفیل
نام دئے گئے ہیں۔ دوسری جگہ اس کتاب میں بعنوان ''عمل با موکل'' قرآنی
وں اور اسماء حسنیٰ کے موکلوں کی پانچ قسمیں تحریر کی گئی ہیں:---

(۱) موکل علوی جمالی:
(۲) موکل علوی جلالی:
(۳) موکل سفلی جمالی:
(۴) موکل سفلی جلالی:
(۵) موکل قدوسی:

آخر الذکر یعنی موکل قدوسی کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس کو صرف اہل اللہ یا
اہل التقویٰ ہی تابع کرسکتے ہیں۔ اسی طرح علوی جلالی و جمالی کو صحیح العقیدہ اہل سنت کے
تابع ہو جانے کی بات کہی گئی ہے اور موکل سفلی جلالی و جمالی کے لئے کوئی شرط یا کسی کی قید
رکھی گئی ہے۔ یعنی ہر شخص انہیں اپنا تابع بنا سکتا ہے---!
واضح رہے کہ ''سفلی عملیات'' یعنی جادو، ٹونا، ٹوٹکہ وغیرہ شریعت اسلامیہ میں قطعی
حرام بتائے گئے ہیں اور قرآن واحادیث کی تصریح کے مطابق انکا مرتکب کافر ہو جاتا ہے
''فاضل بریلوی'' جناب احمد رضا خانصاحب ان سفلی عملیات کے موکلوں کو جو ایسے
خلاف شریعت جادوئی عمل پر ان کے نزدیک قدرت رکھتے ہیں، قرآن مجید کی آیات اور

(۱) ''شمع شبستان رضا'' مجموعہ عملیات احمد رضا خاں بریلوی ج ۲ ص ۱۲۴۔
(مطبوعہ رضا دار الاشاعت بہیڑی ضلع بریلوی)

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے موکل قرار دیتے ہیں—!! فیاللعجب!

اسی طرح علم نجوم یعنی ستاروں کی تاثیرات پر یقین رکھنا بھی قرآن واحادیث کی تصریحات کے مطابق قطعی کفر ہے مگر خانصاحب بریلوی تعویذ وعملیات میں تاثیر کرنے کے لئے سبعہ سیارگان یعنی زحل، مشتری، عطارد، مریخ، شمس، زہرہ اور قمر کے علاوہ ان کی ساعات اور تاریخوں کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں—!

مثال کے طور پر ''شمع سبستان رضا'' جلد چہارم صفحہ ۱۷ پر مرقوم ہے:—

● ''ساعت مشتری میں کشائش رزق، ترقی مدارج، تسخیر محبت، غائب کو حاضر لانے، رفع بیماری، ترقی علم وغیرہ کے تعویذات وعملیات کرنا زود اثر ثابت ہوتے ہیں۔ مشتری ستارہ اہل علم سے منسوب ہے۔

● ساعت زہرہ میں زبان بندی، خواب بندی وغیرہ کے تعویذات وعملیات کرنا مفید ہیں۔ زہرہ عورتوں سے منسوب ہے۔

● ساعت عطارد میں محبت، خواب بندی زبان بندی، تیغ بندی کے تعویذ وعملیات لکھ کر دینا سریع الاثر ثابت ہوتے ہیں۔ عطارد اہل دیوان وکیلوں اور محرروں سے منسوب ہے—!

● ساعت شمس میں تسخیر سلاطین اور بادشاہوں وصحت امراض کے تعویذ وعملیات بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ شمس حکام بالا، سلطان وبادشاہ سے منسوب ہے۔

● ساعت قمر میں محبت واخلاص وشفاء امراض کے تعویذ وعملیات بہتر ثابت ہوتے ہیں۔

● ساعت زحل میں ہلاکی دشمن، عداوت ودشمن کے گھر بار تباہ کرنے کے لئے تعویذ وعملیات تیر بہدف ثابت ہوتے ہیں۔ زحل دہقانوں اور مشائخ حضرات سے منسوب ہے۔

● ساعت مریخ میں عداوت، تفریق، مقہوری اعداء، جنگ ومقدمات میں مقابل کی شکست وہلاکت کے تعویذ وعملیات کامیاب ہوتے ہیں کیونکہ مریخ

فوج واسلحہ جنگ سے منسوب ہے۔''

اسی طرح ''شمع شبستان رضا'' کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۸ پر ''تاریخ کا لحاظ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ محققین کے نزدیک مندرجہ ذیل تاریخوں میں جو کام بھی شروع کیا جائے گا وہ پورا نہ ہوگا۔

۱۴/......محرم	۱۱—
۳/......صفر	۱—
۲۰/......ربیع الاول	۱۰—
۸/......ربیع الآخر	۱—
۱۱/......جمادی الاول	۲—
۴/......جمادی الآخر	۲—
۱۵/......رجب	۱۳—
۴/......شعبان	۲—
۲۰/......رمضان	۹—
۷/......شوال	۶—
۵/......ذی قعدہ	۲—
۷/......ذی الحجہ ''	۲—

اس کے بعد وہ علم نجوم کے طالع یعنی ''برج'' کا ذکر کرتے ہوئے اہل نجوم کے اس خیال کی تصدیق کرتے ہیں کہ غرض مند کے لئے اس کے طالع یا برج کے مطابق مندرجہ ذیل تاریخیں ''نحس'' ثابت ہوتی ہیں—!!

''برج حمل کے واسطے : ۲ - ۶ - ۱۱ - ۲۰ - ۲۹

''برج جوزاء کے واسطے : ۴ - ۱۳ - ۱۷ - ۲۸ - ۳۰

''برج اسد کے واسطے : ۶ - ۱۲ - ۱۶ - ۲۱ - ۲۵

''برج میزان کے واسطے : ۲۲ - ۲۳ - ۲۸

"برج قوس کے واسطے	:	۳ - ۴ - ۹
"برج دلو کے واسطے	:	۲ - ۱۲ - ۱۷ - ۲۳
"برج ثور کے واسطے	:	۴ - ۹ - ۲۴ - ۲۵ - ۲۸
"برج سرطان کے واسطے	:	۲ - ۸ - ۱۳ - ۱۸ - ۲۸
"برج سنبلہ کے واسطے	:	۶ - ۱۲ - ۱۷
"برج عقرب کے واسطے	:	۴ - ۹ - ۱۳ - ۱۵ - ۲۴ - ۲۸
"برج جدی کے واسطے	:	۱۷ - ۲۲ - ۲۴ - ۲۵
"برج حوت کے واسطے	:	۱۳ - ۱۴ - ۲۹"

اسی طرح "شمع شبستانِ رضا" جلد چہارم صفحہ ۱۴ پر سبع سیارگان کی "نحوست" کو زائل کرنے کے لئے الگ الگ سات "طلسم" لکھے گئے ہیں۔ جن میں سے بطور نمونہ ہم قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے صرف دو طلسم نقل کر رہے ہیں۔

(طلسم قمر)

لـ۱۱۵۵۸
طسطھمـــلا
۱۱۱ع۵س ص مرمر

(طلسم آفتاب)

ھـــــھ
س کھمھمسط
معـــــع
طـــــم

استخارہ علم الاعداد

امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں اور امام ابوداؤدؒ، امام ترمذیؒ ونسائیؒ وابن ماجہؒ نے اپنی "سنن" میں اسی طرح امام احمد ابن حنبلؒ نے اپنی "مسند" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیں کسی بھی کام کا قصد کرنے سے پہلے "استخارہ" یعنی اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرنے کی تعلیم فرماتے تھے۔ اور یہ تعلیم اسی طرح تاکید سے فرماتے جس طرح آپؐ قرآن کی سورتوں کی تعلیم کی تاکید فرماتے تھے آنحضرت ﷺ نے اس کا طریقہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ استخارہ کرنے والا پہلے دو رکعت نماز نفل بہ نیت

استخارہ پڑھے اور پھر نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ ٥ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ٥ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَ يَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ ٥ وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَ اقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ۔

صحیح بخاری ج ۱/ ص ۱۵۱ و ج ٤، ص ۹۱ و ص ۲۲٦، سنن ابی داؤد ج ۱/ ص ۲۱٦، ترمذی ج ۱/ ص ٦۵، نسائی ص ۹۹، ابن ماجه ص ۱۰۰، مسند احمد ج ۳/ ص ۳٤٤

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری قدرت کے ذریعہ تقدیر کی خوبی کا طلبگار ہوں۔ میں تجھ سے تیرے عظیم الشان فضل کا خواہش مند ہوں۔ بلاشبہ تو ہی قدرت والا ہے اور میں مجبور ولاچار ہوں۔ تو ہی سرچشمۂ علم ہے اور میں علم سے تہی دست ہوں۔ غیب کی ساری باتوں کو تو ہی خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر اس کام میں میرے لئے دین ودنیا اور آخرت کی بھلائی ہے تو اس کام کو میرے لئے مقدر کردے اور اس کا حصول میرے لئے آسان کردے اور پھر اس میں میرے لئے خیر وبرکت فرما۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ میرا یہ مطلوبہ کام میرے لئے دین، دنیا اور عاقبت کے لحاظ سے نقصان دہ اور برا ہے تو پھر اس کام کے ارادہ سے میرے دل کو پھیر دے اور خیر وبھلائی کو میرے لئے مہیا فرمادے جہاں بھی وہ میرے لئے ہو اور پھر مجھکو اس پر راضی اور مطمئن کردے۔

امام ابن السنیؒ نے صحابیٔ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے انسؓ! جب تو کسی کام کا قصد کرے تو اس کے لئے اپنے رب سے سات بار استخارہ کیا کر۔ پھر جو بات تیرے دل میں

گھر کر جائے اس کو دیکھ کیونکہ اسی میں تیرے لئے بہتری ہے۔ (ابن السنی ص ۱۹۲)

استخارہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس قدر تاکید اور امت مسلمہ کا اس پر سمع وطاعت کا رجحان اور تعامل دیکھ کر اہل تشیع نے اس راہ سے بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے اپنا جال بچھانا ضروری سمجھا۔ چنانچہ صحیح احادیث میں وارد استخارہ کے اس سنت طریقے سے مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کے لئے انہوں نے پہلے تو اپنے ایجاد کردہ علم الاعداد یا "جفر" کے ذریعہ استخارہ کا آسان راستہ (Short cut) سجھایا اور پھر جب وہ حسب توقع اس راہ پر لگ گئے تو پھر انہوں نے جاہل عوام کو "نادعلی" کے مشرکانہ وظیفہ کے ذریعہ استخارہ کرنے کی تعلیم دی اور اہل تشیع کے اماموں کے ناموں کے وسیلہ کو استخارہ کا زود اثر ذریعہ باور کرایا گیا۔

چنانچہ شیعیت کے نقیب اور اس کے تقیہ بردار نمائندے، نام نہاد "عاشق رسول" جناب احمد رضا خانصاحب "بانی بریلویت" نے سجادۂ مشیخیت پر بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے استخارہ کے سنت طریقے کی مخالفت اور بالواسطہ تردید کرتے ہوئے اپنے عقیدت مند مریدوں کو "استخارہ" کی جو تعلیم دی ہے وہ "شمع سبستان رضا" حصہ دوم میں "استخارہ علم الاعداد" کے عنوان سے صفحہ ۳۸ پر اس طرح مرقوم ہے۔

"نقل از مجموعۂ اعمال اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ۔ عطا فرمودہ: حضرت محدث مولانا احسان علی صاحب مدظلہ، مدرس مدرسۂ منظر السلام بریلی۔ اگر کسی مریض کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ جسمانی مرض ہے یا سحر جادو کسی نے کیا ہے یا آسیب ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مریض کے نام کے حروف اور جس دن سائل نے سوال کیا ہے اس دن کے حروف لے کر دونوں کے عدد بنا لئے جائیں۔ پھر ان دونوں کے اعداد کو جمع کر کے چار سے تقسیم کر دیں۔

اگر تین باقی رہیں تو آسیب ہے۔

اگر دو باقی رہیں تو مرض جسمانی ہے۔

اگر ایک باقی رہے تو اندرونی بخار ہے۔

اگر چار سے برابر تقسیم ہو جائے تو سحر جادو ہے۔

اسی طرح وہ مزید لکھتے ہیں :-

اگر کوئی سوال کرے کہ مریض صحت یاب ہوگا یا نہیں تو اس کے لئے مریض کے نام، اس کی ماں کے نام کے اعداد اور جس دن سوال کیا ہے اس دن کے اعداد سب جمع کر کے تین سے تقسیم کر دیں۔

اگر ایک بچے تو مرض سخت ہے دشواری سے صحت پائے گا۔ اگر دو بچیں تو مرض اوسط درجے کا ہے علاج سے جلد شفا ہوگی۔ اگر تین باقی بچیں یعنی برابر سے تقسیم ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مریض فوت ہو جائے گا خواہ اسے کوئی مرض رہا ہو یا آسیب ہو۔"

اسی طرح اگر کسی کی کوئی چیز چوری ہو جائے اور صاحب معاملہ یہ معلوم کرنا چاہے کہ چور مرد ہے یا عورت؟ تو اس کے لئے خانصاحب بریلوی یہ ترکیب بتاتے ہیں کہ :-

"سائل اور دن کے اعداد جمع کر کے دو سے تقسیم کریں۔ اگر ایک بچے تو مرد ہے اور دو بچیں تو عورت، اور اگر چور کی رنگت معلوم کرنا ہو تو مندرجہ بالا طریقے سے اعداد نکال کر تین سے تقسیم کر دیں اب اگر ایک بچے تو چور کی رنگت سفید مائل بہ زردی ہے اور اگر دو بچیں تو سرخ مائل بہ سبزی اور اگر تین بچیں تو رنگ گندمی سانولا ہے۔!"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام-۵۹)

اور غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ جن کے بارے میں اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

چنانچہ سورہ لقمان کی آخری آیتیں جن میں پانچ مخصوص علوم غیب کا تذکرہ ہے ان کا شمار بھی "مفاتیح الغیب" میں ہوتا ہے۔ یعنی قیامت کب آئے گی؟ اس کا یقینی علم۔ بارش کب ہوگی اس کی صحیح خبر اور مافی الارحام کا یعنی حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ اس کا یقینی اور قطعی علم اور اگلے یعنی آنے والے دن انسان کیا کچھ کمائے گا؟ اسی طرح اس کی

موت کس مقام پر اور کس گھڑی ہوگی؟ یہ پانچ باتیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں جان سکتا۔ امت مسلمہ کا اس پر ایمان اور محکم عقیدہ ہے۔ اور ساری دنیا کے مسلمان اس عقیدہ پر متفق ہیں۔ مگر اہل تشیع چونکہ ردائے تقیہ اوڑھ لینے کے باوجود دلوں میں قرآن کیلئے یہود کی طرح عداوت اور بغض رکھتے ہیں اور اس کو جھٹلانا اور احکام قرآنی کی تردید کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اس لئے ناممکن تھا کہ احمد رضا خاں صاحب بانئ بریلویت تقیہ کے زرتار لبادہ میں ملبوس ہونے کے باوجود بالواسطہ طور پر قرآن کی سورہ لقمان کی اس آیت کی تردید میں کچھ نہ کہتے۔ چنانچہ وہ زیر بحث عنوان ''استخارہ از علم الاعداد'' کے تحت رقمطراز ہیں۔

''اگر کوئی سوال کرے کہ حاملہ کے لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ تو حاملہ کے نام کے عدد اور جس روز سوال کیا گیا ہے اس دن کے عدد جمع کر کے تین سے تقسیم کرے۔ اگر ایک باقی بچے تو لڑکا ہوگا اور اگر دو بچیں تو لڑکی ہوگی اور تین بچیں تو حمل خام ضائع ہونے کی علامت ہے۔۔۔!''

خاں صاحب بریلوی نے حمل کی تشخیص (Pregnancy Test) کے لئے بھی یہی مذکورہ بالا فارمولا تحریر فرمایا ہے یعنی حاملہ کے نام کے عدد اور جس دن سوال کیا گیا ہے اس دن کے عدد جوڑ کر اسی طرح تین سے تقسیم کر کے دیکھا جائے۔ اگر ایک بچے تو عورت حاملہ ہے، دو بچیں تو حمل نہیں ہے اور اگر تین باقی بچیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حمل تھا مگر غائب ہو گیا۔۔۔!

حمل ہی کے سلسلے میں یہ تشویش کہ آیا بچہ صحیح سلامت پیدا ہوگا یا خدانخواستہ ضائع ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ بھی ''علم غیب'' سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا ہے کہ مستقبل میں کیا صورت پیش آئے گی۔ لیکن خانصاحب بریلوی نے ''علم جفر'' کے بل بوتے پر ''لوح محفوظ'' میں درج اس راز کو بھی طشت ازبام کر دیا ہے۔۔۔!! لکھتے ہیں:۔۔۔

''اگر کوئی سوال کرے کہ حمل زن تمام ہوگا یا ضائع ہو جائے گا؟ تو عدد نام حاملہ کے اور جس دن سوال کیا گیا ہے اس دن کے عدد جمع کر کے دو سے تقسیم

کر دیں۔ اگر ایک باقی بچے تو حمل تمام ہو کر بچہ صحیح سلامت پیدا ہوگا اور اگر دو بچیں تو قبل از وضع حمل ضائع ہونے کی علامت ہے۔''

اسی انداز سے احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے علم الاعداد یا ''جفر'' کے ذریعہ ''استخارہ'' کے ۲۸ طریقے صفحہ ۳۹ سے صفحہ ۴۳ تک لکھے ہیں جن میں مقدمات کے فیصلے اور انجام کی خبر سے لیکر مال مسروقہ کے حصول یا عدم حصول کی اطلاع اور چور کے مرد یا عورت ہونے کے انکشاف کے علاوہ گھر سے بھاگے ہوئے کی سمت کی درست خبر تک دوا پینے سے فائدہ ہوگا یا نہیں؟ کسی خبر کے سچ یا جھوٹ ہونے کی تصدیق اور غائب شخص کے زندہ یا مردہ ہونے کی اطلاع، غرض شادی بیاہ سے لیکر مرد وزن میں وصل ہونے یا نہ ہونے تک کی بے شمار غیبی اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔۔۔!!

بات استخارہ کی چل رہی ہے تو لگے ہاتھوں ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ ان دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے استخارہ کے شرعی عمل کا نہ صرف یہ کہ علم الاعداد کے ذریعہ نہایت بھونڈے انداز سے مذاق اڑایا ہے بلکہ کتب احادیث میں موجود ''حدیث استخارہ'' کے تارپود بکھیرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے استخارہ کے طریقہ کو جھٹلانے کے لئے کس دیدہ دلیری سے اپنے معتقد مریدوں اور جاہل عوام کو شیعی عقیدہ ''ناد علی'' پر مبنی خود ساختہ استخارہ کرنے کی زبردست ترغیب دی ہے۔۔۔!

''شمع شبستانِ رضا'' حصہ چہارم ''باب الاستخارۃ'' کے عنوان کے تحت صفحہ ۳۲ اور صفحہ ۳۳ پر استخارے کے جو طریقے درج ہیں، انہیں ملاحظہ فرمائیں:۔۔۔

''(۱) تسبیح کے ذریعہ استخارہ

تسبیح دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے برابر والی انگلیوں سے پکڑ کر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کے بعد سات بار ناد علیاً مظهر العَجائبِ تَجِدُهُ عَوناً لَكَ فِي النَّوائِبِ كُلُّ هَمٍّ وَ غَمٍّ سَيَنجَلِي بِنُبوَّتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَ بِوِلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ پڑھے اور پھر ''یا علی'' کی تکرار مسلسل کرتا رہے اور دیکھے اگر تسبیح آگے پیچھے زور زور سے ہلے تو اس کام کو کرنے کا اشارہ ہے

اور اگر داہنے بائیں ہلے تو انکار یعنی اس کام کو نہ کرنے میں بہتری ہے ــــ! ''

''(۲) نماز استخارہ حسنین کریمین

بعد نمازِ عشاء تازہ وضو کر کے اُجلا لباس پہن لے نیا لباس ہونا ضروری نہیں۔ پہلے ایک ایسے مصلّے پر جس میں سبز و سرخ رنگ بھی ہوں، ورنہ بدرجہ مجبوری سفید پر بیٹھ کر گھر کی بنی یا کسی مسلمان حلوائی کے یہاں سے خریدی ہوئی مٹھائی پر نیاز حسنین کریمین اور جمیع شہیدانِ کربلا اور ان کے پس ماندگان کی دلائے پھر اسی مصلّے پر کھڑے ہو کر تین بار درود شریف، ایک بار آیۃ الکرسی تین بار سورۂ اخلاص تلاوت کرے۔ اس کے بعد اس طرح فریاد کرے۔

''فریاد، فریاد بدرگاہِ تو بدوستی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و بدوستی علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و حسن مجتبیٰ و حسین شہید کربلا آنچہ مطلوب می دارم بانصرام رساں''۔

ان کلمات کو گیارہ مرتبہ پڑھ کر نماز نفل کی نیت باندھ لے اور پہلی رکعت میں الحمد للہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص پڑھیں اور دوسری میں جب الحمد شریف کی آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر پہونچیں تو ایک سو گیارہ مرتبہ اس کی تکرار کریں۔ اس درمیان بدن گھومے گا جب بدن داہنے طرف گھوم کر اپنی اصل حالت پر آ جائے تو الحمد کو پورا کر کے ایک بار سورہ اخلاص پڑھ کر نماز پوری کر لیں۔ اگر بدن داہنی جانب گھومے گا تو اس کام میں نفع و بھلائی ہے اور بائیں جانب گھومے گا تو نقصان کا اندیشہ ہے۔ اور اگر اهدنا الصراط المستقيم کی تعداد پوری ہو گئی اور بدن میں کوئی گردش نہ ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کام تمہاری مرضی پر چھوڑا جا رہا ہے۔ کرنے یا نہ کرنے میں کوئی نقصان نہیں ــــ!''

(۳) استخارہ مظہر العجائب

اسی طرح کی ایک اور ترکیب ''نماز استخارہ'' کے عنوان سے ج ۴ ص ۳۲، ۳۳

پر درج کی گئی ہے۔ ''بعد نمازِ مغرب سے طلوع فجر تک کسی بھی وقت کریں۔ تازہ وضو کریں، اس کے بعد کسی سفید کاغذ پر مٹھائی رکھ کر حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی فاتحہ دیں اور پندرہ بار یَا مُظْهِرَ الْعَجَائِبِ اور گیارہ مرتبہ یا کاشف الغرائب پڑھ کر نو بار درود شریف پڑھنے کے بعد آسمان کی طرف دم کریں۔ اور دو رکعت نفل نماز بہ نیت استخارہ پڑھیں۔ پہلی رکعت میں بعد سبحان کے الحمد شریف شروع کریں۔ جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پر پہونچیں تو اس کی تکرار کریں۔ یہاں تک کہ پانچ سو کی تعداد پوری ہو جائے یا بدن گھوم نہ جائے کبھی چہرہ گھومتا ہے اور کبھی پورا جسم۔ بسا اوقات جسم اتنی طاقت سے گھومتا ہے کہ کوئی پہلوان بھی روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا۔ اگر داہنے طرف گھومے تو کامیابی کی طرف اشارہ ہے اور بائیں کو تو ناکامی کا۔ جب تعداد ۵۰۰ کی پوری ہو جائے اور بدن نہ گھومے تو اس کام کو چند یوم کے لئے ملتوی کر دے اور پھر کچھ دن بعد پھر یہ عمل کرے تو تعداد پوری ہونے پر الحمد پوری کرے اور سورۂ اخلاص ہر دو رکعت میں پڑھ کر نفل تمام کرے۔ بعد کو شیرینی تقسیم کرے۔''

اس طرح کے بہت سے ''استخارے'' شمع شبستانِ رضا میں ملیں گے جن میں ''استخارہ غوثیہ'' بھی ہے جس میں اپنے نام کے ''اعداد قلبی'' کے مطابق ''یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ'' کے الفاظ کا ورد کر کے سونے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی طرح کا ایک استخارہ اور بھی ہے جس کو ''استخارہ با موکل'' کا نام دیا گیا ہے۔ بہر نوع! اس قسم کے تمام استخاروں اور عملیات کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ عوام الناس اپنے ذاتی مفاد اور دنیاوی منفعت کے لالچ میں آ کر ان کے بتائے ہوئے شیعی افکار و نظریات کو ورد زبان بنا لیں، اور پھر ''حسنِ اتفاق سے'' کامیابی مل جانے کی صورت میں وہ ان کے معتقد اور والہ و شیدا بن جائیں۔ قطع نظر اس کے یہ شیعی افکار و نظریات ان کے دین و ایمان کے لئے کتنے زہر قاتل ہیں ــــ!!

اسلامی نام اعداد کے شکنجے میں

علم الاعداد سے متعلق اہل تشیع کے زبردست پروپیگنڈہ اور ملتِ اسلامیہ میں اس
کے دوررس اثرات اور نفوذ وترویج کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ
مسلمانوں میں تعویذ گنڈوں کے شدید مخالف گردانے جاتے ہیں اور ہر قسم کے تعویذ وعملیات
جنکے نزدیک محض شرک کی علامت اور گمراہی کی نشانی ہیں۔ وہ بھی بالواسطہ طور پر علم الاعداد
کے شیعی علم کی افادیت کے قائل اور اس پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔۔۔!

مثال کے طور پر قرونِ اُولیٰ سے امتِ مسلمہ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ اپنے بچوں
کے نام زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بطور تبرک یا برائے برکت محمد، احمد،
مصطفیٰ یا پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ناموں کی تقلید میں، ابوبکر، عثمان،
علی، طلحہ، زبیر وغیرہم رکھنا باعث سعادت سمجھتے رہے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے فرمانِ مبارک ''بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور تم اللہ کی صفات پر مشتمل ایسے
ہی نام رکھا کرو۔'' نیز یہ کہ آپؐ کے ارشاد کے مطابق ناموں کے اثرات انسانی شخصیت پر
بھی مرتب ہوتے ہیں اس لئے ناموں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے چنانچہ فرمانِ رسولؐ
کی تعمیل اور اتباعِ سنت کے جذبہ کے تحت مسلمان شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام
عبدیت کے اظہار کے ساتھ رکھنے کے بھی عادی رہے ہیں: جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن،
عبدالباقی، عبدالحی وغیرہ۔ لیکن دشمنانِ اسلام اہل تشیع اسلام کے اس تشخص اور اہل اسلام
کی اس خصوصیت پر کلہاڑا چلانے سے بھی نہیں چوکے۔ اور ان کو سنت طریقے سے برگشتہ
کرکے انہوں نے ''بحساب جمل''، علم الاعداد کے مطابق نام نہاد ''تاریخی نام'' رکھنے کی
دُھن میں مبتلا کردیا۔ یعنی تاریخ پیدائش کے تحفظ کے بہانے ناموں کی قدیم اسلامی روایت،
فرمانِ رسولؐ کی اہمیت، اسلامی تشخص اور دینی یکجہتی کے مظاہر اور دینی رجحان وجذبات کو
پس پشت ڈال دیا گیا اور کھینچ تان کر تاریخ پیدائش کے اعداد کے مطابق الفاظ تشکیل دے
کر موزوں اور غیر موزوں بچوں کے نام تراشے جانے لگے۔ مثلاً عائشہ، خدیجہ، زینب،

فاطمہ، رقیہ اور صالحہ جیسے مختصر، پاکیزہ اور صحابیات کے تاریخ اسلامی میں موجود ناموں کو
چھوڑ کر علم الاعداد کی مدد سے تاریخ پیدائش کی بنیاد پر ''ام الخیر شہیدہ بیگم'' آنسہ شبیبہ
خاتون'' اور ''بی نجستہ زہرہ شہناز بیگم'' جیسے طول طویل اور عسیر الفہم اعداد پر مشتمل نام رکھنا
ایک روایت اور ''فیشن'' بن گیا۔ اسی طرح مردوں میں عبداللہ، عبدالرحمٰن، محمد، احمد، مصطفیٰ،
عثمان، علی، طلحہ، ابوعبید وغیرہ اسلامی تاریخی ہستیوں کے ناموں کا انتخاب قدامت پسندی
اور جہالت کی نشانی اور ''ابوالمحامد افضال الرحمٰن'' یا ''ارتضاء الحسنین عادل'' جیسے غیر مانوس
اور سن پیدائش کے اعداد پر مشتمل ''تاریخی نام'' رکھنا خوش ذوقی اور ترقی پسندی کی علامت
سمجھی جانے لگی۔۔۔! آج صورتِ حال یہ ہے کہ پڑھے لکھے طبقے، خصوصاً جدید تعلیم یافتہ
افراد کی نگاہوں میں صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے اسلامی تاریخ میں درخشاں نام قطعی ''غیر
تاریخی''، آوٹ آف ڈیٹ، ناموزوں اور محض جاہل طبقے کے مطلب کے نام رہ گئے ہیں
اور ناموں کی انفرادیت، نیاپن، نئی تہذیب وتمدن اور ترقی پسندی کی نشانی۔۔۔!

اور پھر ناموں کے سلسلے میں بات یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ علم الاعداد کی
''برکت'' سے اکثر میاں بیوی کے ناموں کا ''سعد ونحس'' ہونے کا فیصلہ بھی کیا جانے لگا۔
مثلاً فلان شوہر کے نام کا پہلا حرف اور اسکی بیوی کے نام کا حرف اول بحساب جمل یا اعداد
مبارک ہے یا نحس ہے؟ اس لئے ان میں توافق مزاج ہوگا یا ان میں ہمیشہ باہمی رنجش اور
باہمی دوری رہے گی۔۔۔؟ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ پیشین گوئی کی جانے
لگی کہ فلاں فلاں میاں بیوی کے ناموں کے اولین حروف کے اعداد چونکہ آپس میں
مختلف اور متصادم ہیں۔ یا پھر ان اعداد وحروف کے مؤکل آتشی مزاج یا آبی خصوصیات
کے مالک ہیں، اس لئے ان دونوں میں عدم توافق کی بنا پر کبھی نہ کبھی طلاق ضرور واقع
ہوگی۔! اس طرح اس علم الاعداد کی بنیاد پر میاں بیوی کے دلوں میں ایک مستقل خلش اور
ان کے ذہنوں میں بلاوجہ کا تکدر اور بدمزگی پیدا کردی گئی۔۔۔!!

حقیقت یہ ہے کہ علم الاعداد اور علم نجوم میں مآل اور نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں
اس طرح ایک نجومی ستاروں کی گردش اور اس کے ''اوضاع'' یعنی اجتماع وافتراق سے

قسمت پر استدلال کرتا ہے ٹھیک اسی طرح اس علم الاعداد کا ماہر بحساب جمل اعداد نکال
ان اعداد سے قسمت پر استدلال یا مستقبل کے خطرہ یا خوش حالی کی پیشین گوئی کرتا ہے
دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ علم نجوم میں ستاروں کو انسانی قسمت پر اثر انداز خیال کیا جاتا
ہے اور علم الاعداد میں نام کے اعداد کی تاثیرات کے نظریہ پر ایمان رکھا جاتا ہے۔ غور طلب
بات یہ ہے کہ اول تو ان چیزوں کو مؤثر حقیقی سمجھنا ہی شریعت کی نگاہ میں ''کفر'' ہے۔ امام
ابوداؤدؒ نے اپنی ''سنن'' میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

جو شخص کسی کاہن کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے گیا اور پھر اس کے جواب کی تصدیق بھی کی تو اس نے شریعت محمدیہ کا انکار کیا۔

اسی طرح چاروں کتب سنن اور مستدرک حاکم میں یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ۔

جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے شریعت محمدیہ کا انکار کر دیا۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات سے مروی ہے کہ
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا۔

جس شخص نے کسی ''عراف'' یعنی کاہن یا نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا اور اس پر یقین کر لیا تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی!!

امام بغویؒ نے ''عراف'' کی تشریح میں بیان کیا ہے کہ جو شخص چند باتیں ملا کر
مسروقہ چیز اور جائے سرقہ کی نشاندہی کرے اس کو ''عراف'' یا کاہن کہتے ہیں۔ بعض
علماء سلف کا کہنا ہے کہ جو شخص آئندہ ہونے والی خبریں (یعنی غیب کی باتیں) بتائے یا کسی

کے دل کی بات بتا دے وہ کاہن ہوتا ہے۔!
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کہانت، علم نجوم یا عمل رمل کی مدد سے
بعض مخفی باتیں بتلاوے اس کو عراف یا کاہن کہا جاتا ہے۔ طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن
عباسؓ سے ایک مرفوع اثر نقل کیا ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے ان لوگوں کے
بارے میں جو ''ابجد'' وغیرہ لکھ کر حساب کرتے ہیں اور علم نجوم کے سیکھنے میں دلچسپی لیتے ہیں
فرمایا۔ جو شخص ایسا عمل کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ اور اجر نہیں ہے۔!! {۱}
مذکورہ بالا احادیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں علم الاعداد اور علم نجوم وغیرہ میں
دلچسپی لینا اور ایسے علوم پر یقین رکھنا گناہ اور کفر کی بات ہے۔ اور اگر فرض کیجئے اس
علم الاعداد کے ذریعہ اعتقاد کی خرابی کا اندیشہ نہ بھی ہو اور نہ اس سے کسی مسلمان کو
ضرر پہونچے اور نہ اس کو یقینی اور قطعی گمان کیا جائے محض ''تفریح طبع'' کی خاطر اس کا
مطالعہ اور ذکر ماجرہ کیا جائے ایسی صورت میں اس علم کا سیکھنا بظاہر گناہ کی صف میں نہیں
آئے گا مگر ان شرائط کے باوجود اس کے فعل عبث ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور کسی فعل
عبث میں مسلمان کا مبتلا ہونا شریعت میں ''حرام'' ٹھہرایا گیا ہے۔ اس لئے بہر صورت علم
الاعداد اور علم النجوم دونوں سے کلی اجتناب کرنا ایک مسلمان کے دین و ایمان کے تحفظ کے
لئے لازمی امر ہے۔!!
آخر میں یہ صحیح حدیث اور ملاحظہ فرمالیں جو ابوداؤدؒ، نسائیؒ، اور ابن حبانؒ نے صحیح
اسناد کے ساتھ نقل کی ہے اور امام نوویؒ نیز امام ذہبی رحمہم اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔
امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ النُّجُوْمِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ۔

جس شخص نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھ لیا تو گویا اس نے اتنا جادو سیکھ لیا اور وہ جس قدر سیکھتا جائے گا اتنا ہی اسکی وجہ سے اسکے گناہوں میں اضافہ ہوتا چلا جائیگا۔

{۱} ''قرۃ العیون الموحدین''، شیخ عبد الرحمٰن بن حسن آل شیخ، ج:۲-ص:۳۷۰، مطبوعہ لاہور پاکستان۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ تشریح و وضاحت فرماتے ہیں:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ علم نجوم جادو ہی کی ایک قسم ہے۔ اور جادوگر کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے: وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ جادوگر کبھی بھی نجات نہیں پا سکے گا۔۔۔!''

علم نجوم کے منفی پہلوؤں سے قطع نظر ابن المنذرؒ نے ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک وہ علم نجوم جس سے بحر و بر وغیرہ میں راستے اور سمتوں کے تعین میں مدد ملتی ہو اس کو سیکھنا ممنوع نہیں۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ علم نجوم جس سے انسان اپنا سفر صحیح طور پر جاری رکھ سکے یا جس سے جہت قبلہ یا راستہ معلوم ہو سکے وہ جائز اور مباح ہے لیکن وہ علم نجوم جس سے ایک دوسرے پر اثر مرتب ہونا ثابت ہو گا وہ خواہ کم ہو یا زیادہ حرام اور باطل ہے۔۔۔!

علامہ الخطابیؒ کے نزدیک بھی وہ علم نجوم حاصل کرنا ممنوع نہیں جس سے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد زوالِ شمس اور جہت قبلہ معلوم کی جاتی ہے۔ البتہ: چاند کی منزلیں جاننے کا علم مشہور تابعی حضرت قتادہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ابن عیینہؒ نے اس کی بالکل اجازت نہیں دی ہے۔ تاہم امام و حافظ حرب بن اسمٰعیل الکرمانی رحمہ اللہ جو امام احمد بن حنبلؒ کے عظیم شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں اور جنہوں نے امام احمدؒ کے علاوہ اسحاق بن ابراہیم ابن راہویہ، علی ابن مدینیؒ اور ابن معینؒ سے روایات نقل کی ہیں ان کا کہنا ہے کہ چاند کی منازل سیکھنے کی امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن ابراہیم راہویہؒ نے اجازت دی ہے۔۔۔!!

باب ۵

ملت اسلامیہ انتشار کی دہلیز پر!

مرا کافر تو گر گفتی غمے نیست
چراغِ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دروغے!

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآن کی آیت لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ آمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا کے مطابق ہمارے سب سے بڑے اور شدید ترین دشمن ''یہود'' کبھی تو براہِ راست اور زیادہ تر اپنے معنوی سپوت یعنی اہل تشیع کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کے عقائد وعمل کے قلعہ میں شگاف ڈالنے اور انہیں توحید کے صاف وشفاف شاہراہ ''صراطِ مستقیم'' سے بھٹکا کر شرک وبدعات کی دلدل میں ڈھکیلنے کی مسلسل کوششیں کرتے رہے ہیں۔ برصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں کے باہمی اتفاق واتحاد اور کلّ مؤمن اخوۃ کے اسلامی جذبہ کو سبوتاژ کرنے کے لئے ان دشمنانِ اسلام نے ''بریلویت'' کے پلیٹ فارم کو نہایت کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اور اس کے لئے ان شاطر دشمنوں نے جو ''ٹیکنک'' اپنائی ہے اس کا نام رکھا ہے ''عشقِ رسولؐ'' اور ''عقیدتِ اولیاء کرام''۔ حالانکہ کامل اتباعِ رسولؐ کے بغیر عشق رسولؐ کا دعویٰ محض مذاق اور فریب انگیزی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسی طرح اتباعِ رسولؐ کی کسوٹی پر کھرے اترے ہوئے ''اولیاء اللہ'' کے نقوشِ قدم کو چھوڑ کر دین کے مسلمات میں من مانی کرنے والے اور اسلام کی تعلیمات کو شرک وبدعات سے ملوّث کرنے والے لوگ ''دین کے سوداگر'' تو ہو سکتے ہیں، ان اولیاء اللہ کے سچے پیروکار نہیں—!!

شیعیت کی جدید نقاب یعنی ''بریلویت'' کے بانی جناب احمد رضا خاں صاحب اور ان کے متبعین نے شیعی کاز اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے جاہل اور کم علم مسلمانوں کے ذہنوں کا استحصال (Exploitation) کیسے کیسے پرفریب ہتھکنڈوں اور خطرناک چالوں سے کیا ہے اور کس طرح ان سیدھے سادھے مسلمانوں کے دلوں میں باہمی نفرت وعداوت کے بیج بوئے ہیں: ان کے جھوٹ اور فریب کی یہ داستان الم انگیز بھی ہے اور عبرت ناک بھی! آئندہ صفحات میں ہم اپنی بساط کے مطابق ان کی ملتِ اسلامیہ میں نفاق وانتشار وافتراق کی کوششوں کی نشاندہی کریں گے اور اسکے جو منفی نتائج اسلام کی صفوں میں پیدا ہوئے ان پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔ **واللہ المستعان**

انتشارِ امت کے سبائی ہتھکنڈے

(۱) علمائے حق کی تکفیر اور اُن کی کردار کشی

اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول تھے اور آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی یا رسول کارِ رسالت کی تفویض کے ساتھ دنیا میں نہیں آئے گا۔ اسی طرح یہ بات بھی ہمارے عقائد کی بنیاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت آخری شریعت ہے جس میں نہ تو کمی یا بیشی ہوسکتی ہے اور نہ کسی طرح کی تبدیلی۔ اس شریعت پر عمل کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ـــ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شریعت کے نفاذ اور تحفظ کی ذمہ داریاں خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مضبوط ہاتھوں میں رہیں اور پھر ان کے بعد تابعین، تبع تابعین سے ہوتی ہوئی علمائے امت کے کاندھوں پر شریعتِ اسلامیہ کے تحفظ و ترویج و اشاعت کی ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا ـــ! ہر دور کے علمائے امت، شریعت کے محافظ اور ''نائب رسولؐ'' کہلائے۔ اور حق یہ ہے کہ ہمارے ان اسلاف امت نے اسلامی قدروں کی حفاظت اور شریعتِ اسلامیہ کو خالص قرآن و سنت کی بنیادوں پر قائم اور باقی رکھنے میں اپنی ساری توانائیاں نچوڑ دیں۔ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے انہوں نے اپنی پیٹھ پر کوڑے بھی کھائے، پابند سلاسل و زنداں بھی ہونا گوارہ کیا مگر اپنے جیتے جی اسلام اور اسکے زریں اصول اور قوانین پر ذرا بھی آنچ نہیں آنے دی۔ تاریخ اسلام کے صفحات ان کی شہادتِ حق کے کارناموں اور تحفظِ شریعت کے لئے مساعی جمیلہ کے گواہ ہیں ـــ!

قرونِ اولیٰ سے لیکر آج تک اسلام کے خلاف ہر گمراہی کی تحریک اور دشمنانہ سازش کا انہوں نے پامردی سے مقابلہ کیا ہے۔ خواہ وہ خوارج و معتزلہ کا فتنہ ہو یا اہل تشیع کی چیرہ دستیاں! اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ماضی کے ہر دور میں علمائے حق ہی اہل باطل کے براہ راست نشانہ کی زد پر رہے ہیں۔ اور انہوں نے عوام کا ذہنی رابطہ ان نائبین رسولؐ سے

کاٹنے کے لئے ہر طرح کے جھوٹ و فریب، مکاری اور شیطنت سے کام لیا ہے ـــ!

گذشتہ صفحات میں ہم نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سبائی سازش کی مختلف کڑیوں کا ایک اجمالی تذکرہ کیا ہے اور اہل تشیع کے ''مرشدانِ تصوف'' کے روپ میں ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا ایک مختصر سا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہود صفت دشمنانِ اسلام یعنی اہلِ تشیع نے ایک سازش کے تحت تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر اور خود کو سنی ظاہر کر کے اہل تصوف کی صفوں میں آگھسے اور پیری مریدی کے دھندے کے سہارے صدیوں سے یہ لوگ مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں رخنہ اندازی کرنے اور جاہل و کم علم سادہ لوح مسلمانوں کو ''عشقِ رسولؐ'' کے بہانے شرک و بدعت کی دلدل میں ڈھکیلنے میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ جاہل عوام کے پیشوا اور ''پیر و مرشد'' بن کر در پردہ شیعی عقائد کی ان میں تبلیغ و اشاعت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے والے نائبینِ رسولؐ اور مخلص علمائے امت کے خلاف زہر اگلنے اور ان پر توہین رسولؐ کے جھوٹے الزامات لگا کر ناسمجھ اور جاہل مسلمانوں کے دلوں میں ان کے اور ان کے متبعین کے خلاف بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے میں دن رات لگے ہوئے ہیں ـــ!!

شیعوں کا یہ بد باطن گروہ علمائے اسلام سے کتنی عداوت رکھتا ہے؟ اس بات کے ثبوت میں اہل تشیع کی مستند ترین کتاب ''حق الیقین'' کا یہ اہم اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ اس کا مصنف ملا باقر مجلسی لکھتا ہے :ـــ

''وقتیکہ قائم علیہ السلام ظاہر می شود پیش از کفار ابتداء بہ سنیاں خواہد کرد با علماء ایشاں خواہد کشت۔'' {۱}	جس وقت امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو وہ کافروں سے جنگی کاروائی شروع کرنے سے پہلے ابتداء سنیوں، خصوصاً ان کے علماء سے کریں گے اور ان سب کو قتل کر کے نیست و نابود کر دیں گے۔

اس اقتباس سے ان دشمنانِ اسلام کی خبیث ذہنیت کا اندازہ لگایئے کہ اہل تشیع کے دلوں میں علمائے اہل سنت کے خلاف کس قدر لاوا پک رہا ہے اور وہ قرآن و سنت کے

{۱} ''حق الیقین'' ملا باقر مجلسی اصفہانی ص ۱۳۸ (مطبوعہ تہران)۔

حامل ان علمائے حق کو فنا کرنے اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے کتنے بے چین ہیں——؟ علمائے حق کا قتل عام تو ان بزدلوں کے بس کا روگ نہیں۔ البتہ: اپنی پرفریب چالوں اور جھوٹ وتقیہ کے سہارے یہ عرصہ دراز سے ان علمائے حق کی کردار کشی اور ان کے خلاف توہینِ رسالت کے جھوٹے الزامات لگانے اور جاہل وناسمجھ سیدھے سادھے عوام کے دلوں میں ان کے خلاف بغض وعداوت کے شعلے بھڑکانے اور نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کرنے کو اپنی زندگی کا محور اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں——!

برصغیر ہند میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا تابناک دور شیخ احمد سرہندی المعروف بہ ''مجدد الف ثانی'' سے شروع ہوتا ہے۔ آپ نے مغل حکمران جلال الدین اکبر کے خود ساختہ ''دینِ الٰہی'' کے خلاف جس شدومد سے آواز اٹھائی اور انتہائی جرأت وعزیمت کے ساتھ ان باطل نظریات کے خلاف مصروف ''جہاد'' رہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جب آپ کو جہانگیر بادشاہ کے حکم سے قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا تب بھی آپ اس قید وبند کے دوران اس گمراہی کے خلاف سربکف رہے اور وہاں سے اپنے مکتوبات کے ذریعہ اپنے متوسلین اور حامیوں کو اس گمراہی کے نتیجہ میں پھیلی ہوئی شرک وبدعات کے استیصال کیلئے جامع ہدایتیں لکھ کر بھیجتے رہے۔ آپ کی یہ بے مثال جدوجہد اسلام کی تاریخ کا ایک زرّیں باب ہے۔ آپ کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں ہی اس فتنۂ اکبر ''دینِ الٰہی اکبر شاہی'' کا قلع قمع ہوا اور ہندوستان کے اس ظلمت کدہ میں اسلام کے بجھتے ہوئے چراغ کی لو تیز ہو کر تاریکیاں دور ہوئیں، شریعتِ اسلامیہ کی صبح نو کا آغاز ہوا اور قوانینِ اسلامی کا نیر تاباں مغلیہ سلطنت کے سنگین قلعوں کے بُرج اور فصیلوں سے لیکر ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے کچے پکے مکانوں اور جھونپڑیوں تک میں جگمگانے لگا۔ آپ کی اس عظیم خدمت کی وجہ سے ہی دنیا آپ کو ''مجدد الف ثانی'' کے پروقار لقب سے یاد کرتی ہے——!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝ وَ كَفٰی بِرَبِّكَ

هَادِيًا وَّ نَصِيرًا ۝ (الفرقان: ۳۰)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے اسکے دشمن ''مجرموں'' میں سے بنائے ہیں اور آپ کا رب (ان مجرمین کے دشمنانہ منصوبوں کی طرف آپ کی) رہنمائی کرنے کے لئے اور (ان منصوبوں کو ناکام بنانے میں) آپ کی مدد کے لئے بالکل کافی ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مخلص علمائے حق، جو حقیقت میں ''وارث انبیاء'' ہوتے ہیں ان کو بھی انبیاء کرامؑ کی سنت کے مطابق ہمیشہ ابتلاء وآزمائش کے کڑے دور سے گذارا جاتا ہے اور ہر دور کے ''مجرمین'' ان سے دشمنی کرنے، انہیں ستانے اور ایذاء دینے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ہمیشہ ان علمائے حق پر جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں اور انہیں الٹے سیدھے خطابات سے نوازا گیا ہے۔ قید وبند کی صعوبتیں بھی انہوں نے برداشت کی ہیں۔ اسلام کی خاطر اپنی پیٹھ پر کوڑے بھی کھائے ہیں اور اکثر ''جرم بے گناہی'' میں پھانسی کے تختہ پر بھی انہیں چڑھایا گیا ہے مگر معاندین کے انتہائی ظلم وستم اور بربریت کے باوجود ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ اسلام کی پوری تاریخ ان کی استقامت کی گواہ ہے! تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اہل تشیع ہمیشہ علمائے حق کے درپے آزار رہے ہیں۔ جہانگیر بادشاہ کو مشتعل کر کے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو ''سجدہ تحیہ'' کی مخالفت کے جرم میں گوالیار کے قلعے میں قید کرانے میں بھی اس کے دربار کے برآوردہ شیعہ حضرات اور خود جہانگیر کی شیعہ بیوی ''ملکہ نور جہاں'' کا ہی ہاتھ تھا۔ اور جب آپ ایک طویل مدت کے بعد اس قید سے آزاد ہوئے تو آپ کے خلاف محاذ بنانے والے اور آپ پر فتویٰ کفر صادر کرانے والے بھی عبد اللہ خویشگی قصوری جیسے تقیہ بردار اہل تشیع ہی تھے! واضح رہے کہ ''علمائے دیوبند'' کے خلاف غلط بیانی کے ذریعہ علمائے حرمین سے فتویٰ کفر حاصل کرنے والے احمد رضا خاں صاحب تاریخ میں پہلے فرد نہیں ہیں بلکہ اسی طرح کے ''جرم'' کا ارتکاب ان سے تین سو سال قبل حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف عبد اللہ خویشگی قصوری نے بھی کیا تھا۔ اس شخص نے ہندوستان سے ایک فتویٰ بنا کر حرمین شریفین کے علماء کے پاس بھیجا تھا جس میں ان پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو کعبہ سے انکار ہے یعنی ان کے نزدیک کعبہ کی یہ عمارت کعبہ نہیں ہے جس کا

کعبہ ہونا امت میں تواتر سے چلا آرہا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عبارت کو توڑ موڑ کر
جب اس سے یہ کفریہ مفہوم اخذ کیا گیا تو اس پر علمائے حرمین نے کفر کا حکم لگا دیا۔ چنانچہ
اس وقت بھی علماء حرمین کے فتویٰ کی گونج پورے ہندوستان میں سنائی دی تھی اور اس سے
متاثر ہو کر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہمعصر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی آپ پر فتویٰ
کفر کی تصدیق کر دی تھی مگر بعد میں جب انہیں اصل حقیقت کا علم ہوا تو آپ نے انتہائی
خلوص اور بے نفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اس فتویٰ کفر سے رجوع کر لیا تھا۔۔۔!!

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سو سال بعد جب شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا دور آیا تو
اس وقت بھی مغل دربار میں شیعوں کا زبردست اثر ورسوخ تھا بلکہ اس دور میں ان کی چیرہ
دستیاں بہت زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ یہ وجہ ہے کہ جب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے
ہندوستان میں پہلی بار قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تو ان کے خلاف طوفان کھڑا
کرنے والی یہی ''شیعہ لابی'' تھی۔ اس وقت دہلی کے کوتوال نے جو ایک متعصب شیعہ تھا
ظلم وستم کی حد کر دی تھی۔ اس ظالم نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہاتھوں کے
پہونچے ترجمہ قرآن لکھنے کے جرم میں اتروادئے تھے۔۔۔!

آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ جنہوں نے مسلسل ۶۴
سال تک دہلی کی مسند وعظ وارشاد پر بیٹھ کر حدیث کا درس دیا تھا۔ وہ بھی اہل تشیع کے
خلاف ''تحفہ اثنا عشریہ'' اور ''السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل'' لکھنے کے جرم میں شیعہ
معاندین کے دستِ ستم سے محفوظ نہ رہ سکے اور ان کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں آخر عمر میں
اپنی دونوں آنکھوں سے محروم کر دئے گئے تھے۔۔۔!!

(۲) علمائے دیوبند پر الزامات کفر کی حقیقت؟

اہل تشیع جو گذشتہ چودہ سو سال سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے
کینہ اور بغض وعداوت اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں اور چار صحابیوں (سلمان فارسیؓ،
عمار بن یاسرؓ، مقداد بن اسودؓ اور حضرت بلالؓ) کے علاوہ دیگر تمام صحابہؓ کو کافر و مرتد کہتے
آئے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ تقیہ کر کے مسلمانوں کی صفوں میں ''سُنّی'' کی حیثیت سے

رہتے ہوئے اپنے شیعی عقیدے کے مطابق براہِ راست صحابہ کرامؓ پر تبرّا کرنے، گالیاں
دینے اور انہیں برملا کافر ومرتد کہنے کی جرأت تو کر نہیں سکتے، کیونکہ اس طرح نہ صرف ان
کے تقیہ کا بھانڈا پھوٹ جائے گا بلکہ وہ مسلمانوں کے غیض وغضب کا نشانہ بننے سے نہیں
بچ سکیں گے۔ اس لئے وہ اپنی انا کی تسکین اور دل کا بخار نکالنے کے لئے ان صحابہ کرامؓ
کے نقش قدم پر چلنے والے، ان کے جانشین اور مخلص علمائے امت کو ''کافر و مرتد'' کہہ کر
اپنی چرب زبانی سے بھولے بھالے ناسمجھ اور جاہل عوام کو بہکاتے اور علمائے حق کے
خلاف نفرت وعداوت کا ماحول پیدا کرتے ہیں۔۔۔۔۔! واضح رہے کہ اہل تشیع کے یہاں
''تقیہ'' کی طرح ''تبرا'' یعنی اپنے مخالفین کو سب وشتم یعنی گالی گلوچ، الزام تراشی اور ان
کے خلاف کفر وارتداد اور کردار کشی کی باقاعدہ مہم چلانا بھی ''ارکان دین'' میں شامل
ہے۔۔۔! ہر ''مخلص شیعہ'' کے لئے یہ بات ناگزیر ہے کہ وہ ''تقیہ'' ضرور کرے گا کیونکہ
ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو تقیہ نہ کرے وہ قیامت کے دن نکٹا اٹھایا جائے گا۔ تقیہ ان
کے عقیدے کے مطابق جزو دین وایمان ہے۔ شیعوں کی مشہور ومعروف کتاب "من لا
یحضرہ الفقیہ" میں جو شیعہ حضرات کے اصول اربعہ کتب میں شمار ہوئی ہے اس میں
شیعوں کے امام جعفر صادق کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

قال صادق علیه السلام: لو
قلت ان تارك التقیة كتارك
الصلوٰة لكنت صادقاً وقال
علیه السلام لادین لمن لا
تقیـة له۔ {۱}

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ
اگر میں یہ کہوں کہ تقیہ ترک کرنے والا ایسا ہی
(گنہگار) ہے جیسا کہ نماز کو ترک کرنے والا تو
میری یہ بات سچ ہی ہوگی اور آپ نے یہ بھی
فرمایا کہ جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

''تقیہ'' کی طرح چونکہ ''تبرا'' بھی ان کے عقیدے کا لازمی جزو ہے اس لئے ہر
شیعہ کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ ردائے تقیہ اپنے گرد لپیٹ لینے کے باوجود اپنے دشمنوں پر
تبرا کے بنیادی ''فرض'' سے روگردانی نہیں کرے گا۔ وہ صحابہ کرامؓ، فقہائے امت اور مخلص

{۱} "من لا یحضره الفقیه" ابن بابویہ القمی ج ۱ ص ۱۲۸۔

علمائے حق پر تبرّا کرنا اور ان کے خلاف تکفیری مہم چلانا اپنی زندگی کا اولین مقصد سمجھے گا۔
البتہ: موجودہ دور میں تقیہ کے پردہ میں مستور ہو کر اسلام کی صفوں میں رخنہ اندازی کرنے والے ان بد باطن دشمنانِ اسلام کا براہِ راست صحابہ کرامؓ پر کھلا تبرّا کرنا چونکہ مصلحت کے سراسر خلاف تھا اس لئے ان کے تبرّا کا سارا نزلہ عموماً ان صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلنے والے، قرآن وسنت کے شیدائی وفدائی علمائے دین پر ہی گرتا ہے۔ خاص طور پر جب ان عُلمائے حق نے شیعیت کے خلاف اور اس کی تردید وتغلیط میں کچھ لکھا ہو یا عملی جدوجہد کی ہو تو ان کا ''جرم'' ان کے تقیہ بردار ''اعلیٰ حضرت'' کے نزدیک دوچند ہو جاتا ہے اور وہ ایسی صورت میں نہ صرف تکفیر وتفسیق کا نشانہ بنتے ہیں بلکہ ان کی فحش گالیوں کے بھی براہِ راست ہدف بن جاتے ہیں ـــــ!

بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اہل تشیع کی ردّ میں تین کتابیں ''ہدیۃ الشیعۃ''، ''فیوض قاسمیہ'' اور ''انتباہ المؤمنین'' کے نام سے لکھی تھی۔ ان کے علاوہ جب ایک شیعہ نے دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کے پاس چالیس سوالات لکھ کر بھیجے تو حضرت نانوتویؒ نے حاجی ظہور الدین صاحب کی معرفت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں ان سوالات کے جوابات لکھنے کے لئے بھیج دیئے اس وقت عدیم الفرصت ہونے کے باوجود حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے تعمیلِ ارشاد میں نہایت عجلت اور کم وقت میں ان سوالات کے انتہائی مدلل اور مسکت جوابات تفصیل سے تحریر فرمادئے، جو بعد میں ''اجوبۂ اربعین'' کے نام سے دو حصوں میں شائع ہوئے تھے اور ان دونوں حصوں کی ضخامت ۲۸۰ صفحات ہے۔ اس کتاب کے حصہ اول میں ۲۲ سوالات کے جوابات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے قلم سے ہیں ساتھ ہی مولانا عبد اللہ ابن مولانا محمد انصار صاحب مرحوم کے جوابات بھی اس میں شامل کردئے گئے ہیں۔ البتہ: دوسرا حصہ پورے طور پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا تحریر کردہ ہے جس میں بقیہ سوالات کے تشفی بخش جوابات دئے گئے ہیں ـــــ!

اہل تشیع کے خلاف مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی یہ دندان شکن کوششیں دیکھکر ہی تو احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا شعلہ غضب بھڑک اٹھا تھا اور انہوں نے جھنجھلا کر ان کے خلاف یہ فتویٰ یا ''تبرا'' قلمبند کرڈالا تھا کہ:

''قاسمیہ لعنہم اللہ ملعون ومرتد ہیں۔'' {۱}

اہل تشیع کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے اکابر علمائے دیوبند میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی ایک کتاب ''ہدایۃ الشیعۃ'' کے نام سے لکھی تھی جس کے دلائل اور طرز استدلال کو دیکھ کر بانی بریلویت احمد رضا خانصاحب آگ بگولہ ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی تلملاہٹ اور غیظ وغضب کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔

''اسے جہنم میں پھینکا جائے گا اور آگ اسے جلائے گی اور ''ذُق اِنَّکَ الاشرف الرشید'' کا مزہ چکھائے گی!'' {۲}

واضح رہے کہ اس میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ساتھ ان کے خلیفہ اور دیوبندی مکتب فکر کے مشہور عالمِ دین اور مفسرِ قرآن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو بھی خانصاحب بریلوی نے اپنی ''تبرا'' کے نشانے پر لے لیا ہے۔ اور اس مکروہ مقصد کے لئے قرآن مجید کی آیت ''ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ'' (الدخان: ۴۹) میں لفظی تحریف کرتے ہوئے بھی ان خانصاحب بریلوی نے قطعی خوفِ خدا نہیں کیا ہے ـــــ!!

برسبیل تذکرہ ہم شیعوں کی مشہور اصطلاح ''تبرّا'' کے بارے میں یہ وضاحت کرتے چلیں کہ ''تبرّا'' کا لفظ اگرچہ اظہارِ برأت اور بے زاری سے مشتق ہے تاہم شیعہ معتقدات میں اس لفظ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اہل تشیع کے یہاں تبرّا کی ابتداء ہمیشہ ''کافر ومرتد'' کے الزام سے ہوتی ہے اور اس کا نقطۂ عروج یا انتہا لعنت وملامت اور سب وشتم یعنی گالی گلوچ اور فحش گوئی ہے۔ مثال کے طور پر تمام صحابہ کرامؓ کو پہلے انہوں نے کافر ومرتد ٹھہرایا اور جب اس سے بھی ان کو تسلی نہیں ہوئی یہ ظالم ان نفوسِ قدسیہ پر لعنت

{۱} ''فتاویٰ رضویہ'' احمد رضا خاں بریلوی ج ۶/ص ۵۹۔
{۲} ''خالص الاعتقاد'' احمد رضا خاں بریلوی ص ۶۲۔

ملامت کی بوچھار کرنے اور ان پر سبّ وشتم، بدزبانی اور فحش گوئی پر اتر آئے۔ تبرّا کرنا ان کے یہاں ایک قسم کی عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ اہل تشیع کی ایک کتاب ''مفتاح الجنان'' میں لکھا ہے:

"ان لعن الشیخین فی کل صباح ومساء موجب لسبعین حسنة"۔
حضرات شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) پر صبح وشام لعنت کرنے سے ستّر نیکیاں ملتی ہیں {۱}

المختصر یہ کہ ردّ شیعیت پر اکابر علمائے دیوبند کی مذکورہ بالا کتابیں منظر عام پر آنے کے بعد حلقہ دیوبند سے اہل تشیع کے عقائد کی رد میں کتابیں لکھنے کا ایک تانتا سا بندھ گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے شاگرد رشید حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ نے ایک کتاب "ابطال اصول الشیعة بالدلائل العقلیة والنقلیة" کے نام سے اور دوسری "الکافی للاعتقاد الصافی" کے عنوان سے لکھی۔ اس کے بعد مولانا احتشام الحق مراد آبادیؒ کی کتاب "نصیحة الشیعة" منظر عام پر آئی۔ پھر مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ نے رد شیعیت پر کئی پرمغز کتابیں لکھیں جیسے ''دفع الباطل'' ''آیات بیّنات'' ''ازالة الغین'' اور ''منتہی الکلام'' وغیرہ۔ ان کے علاوہ مولانا عبدالشکور فاروقیؒ لکھنوی نے نہ صرف شیعی افکار ومعتقدات کے تعاقب میں کتابیں لکھیں جیسے ''النصرة الغیبیة علیٰ فرقة الشیعیة'' اجوبة المتحیّرین فی ترک کتاب المبین'' ''اظہار الحق'' اور تحذیر المسلمین'' لکھیں بلکہ اسی لکھنؤ سے جو اہل تشیع کا گڑھ تھا انہوں نے ردشیعیت پر ایک باوقار رسالہ ''النجم'' کا اجراء کیا جس میں ہر ماہ مختلف عنوانات سے شیعیت کے خلاف نہایت کارآمد اور مفید مضامین شائع ہوتے تھے ــــ!

اہل تشیع جو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی ''تحفہ اثنا عشریہ'' کا جواب پوری ایک صدی گذر جانے کے بعد نہ دے سکے تھے۔ ایسی صورت میں جب حلقہ دیوبند کی طرف سے شیعی عقائد پر اس طرح تابڑتوڑ حملے شروع ہوئے تو وہ بے چارے بوکھلا اٹھے اور ان کے ایوانِ عقائد میں زلزلہ برپا ہوگیا۔ احمد رضا خاں صاحب جیسا ''شعلہ مزاج

{۱} ''مفتاح الجنان''، فضل بن شاذان قمی بحوالہ مختصر ''تحفہ اثنا عشریہ'' ص: ۲۸۵ و ''تفسیر صافی'' ص ۳۸۹۔

ان'' اپنے ''آبائی مذہب'' کی یہ بے بسی اور اس کی درگت بنتے بھلا کیسے دیکھ سکتا تھا۔؟ دیوبند کے یہ صریح اقدامات اس بات کا پیش خیمہ تھے کہ دار العلوم دیوبند مستقبل شیعیت کے وجود وبقاء کے لئے ایک کھلا چیلنج اور عظیم خطرہ ہی نہیں، بلکہ اس کے افکار قدات کا قبرستان بن جائے گا۔ اس لئے دار العلوم دیوبند کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے اس کے شیعہ مخالف اقدامات کو بے اثر بنانے کے لئے علمائے دیوبند کی کردار کشی اور بر میں آباد ''اہل سنت والجماعت'' میں باہمی پھوٹ اور نفرت وعداوت کے جذبات کر کے ان کے دو ٹکڑے کرنا بے حد ضروری اور وقت کا سب سے اہم تقاضہ تھا۔ چنانچہ کے احمد رضا خاں صاحب نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ''آبائی ب'' کے تحفظ کے لئے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے انتہائی غور وفکر کرنے کے بالآخر علمائے دیوبند کے خلاف ایک جامع منصوبہ تیار کرلیا۔ انہوں نے اس مقصد کے معاصر علماء دیوبند کی کچھ کتابیں منتخب کیں۔ پھر ان میں سے اپنے مطلب کی کچھ رتیں چن کر ان میں قطع وبرید اور جملوں کی ترتیب میں الٹ پھیر اور تقدیم وتاخیر کے رتب اور ''ہاتھ کی صفائی'' دکھا کر انہوں نے ایسی ''کفریہ عبارتیں'' اور ''واہی وعقائد'' تیب دیئے جن کو پڑھ کر کوئی بھی مفتی آنکھ بند کر کے ان کے قائلین پر ''کفر کا فتویٰ'' لگا ے۔ پھر انہوں نے اپنی مرتب کردہ اس جعل سازی کو عربی زبان کا جامہ پہنایا اور ایک ای کی شکل میں لیکر وہ حجاز کی مقدس سرزمین میں پہونچ گئے۔ علمائے حرمین شریفین کے سامنے جب انہوں نے اپنی تحریر کردہ ''جعلی عبارتیں'' خودساختہ مفہوم کے ساتھ عربی زبان میں ترجمہ شدہ رکھیں تو ان کو پڑھ کر لامحالہ ان کفریہ عبارتوں پر ان علمائے حرمین کا فتویٰ کفر ما ہی تھا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ خانصاحب بریلوی اپنی یہ چال کامیاب ہوجانے سے بہت سرور ہوئے ان کی دلی مراد پوری ہوگئی تھی۔ چنانچہ ہندوستان واپسی کے فوراً بعد ہی انہوں نے اپنے اس شاہکار فتویٰ اور علماء دیوبند کی کتابوں میں تحریف کر کے ''حسام الحرمین'' یعنی ''حرمین کی تلوار'' کے نام سے شائع کردیا۔ پس پھر کیا تھا۔ علماء حرمین کے فتویٰ کفر کی اشاعت کے بعد علماءِ دیوبند کے خلاف ہندوستان کے طول وعرض میں ایک شور مچ گیا اور ان عبارتوں

کو لیکر ہر طرف سے ان پر لعن طعن، شور واویلا اور احتجاج و مذمت کا طوفان آ گیا ـــــ!!

احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے ہمنواؤں کی طرف سے عام
اکابرین علماء دیو بند میں سے چار مخصوص عالموں کے "کافر و مرتد" ہونے کا فتویٰ د
ہے اور ان کو اپنا پیشوا ماننے والوں یا ان کو مسلمان سمجھنے والوں کو بھی وہابی، لہابی اور خار
اسلام کا فر و مرتد کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے اور شاہ
العزیز محدث دہلویؒ کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل شہید کو جو علمائے دیو بند کے پیشوا ہیں، احمد
خاں صاحب نے اپنی کتاب "الامن والعلیٰ" صفحہ ۱۱۲ پر ان القابات سے نوازا ہے:

"سرکش، طاغی، شیطان لعین بندہ داغی۔"

ان کے علاوہ اکابر علمائے دیو بند میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانو
بانیٔ دار العلوم دیو بند پر خانصاحب بریلوی اور ان کے متبعین کی طرف سے انکار ختم نبو
بہتان لگایا گیا ہے۔ اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر اللہ رب العزت کو (نعوذ با
بالفعل جھوٹا کہنے کا شیطانی نظریہ تھوپا گیا ہے۔ باقی دو علماء دیو بند یعنی مولانا اشرف علی تھا
اور مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ (مدفون جنت البقیع، مدینہ منورہ) پر توہین و تنقیص رسالت
صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ہودہ الزام اور خبیث دعویٰ کیا جاتا ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اگر بالفرض یہ سارے الزامات درست ہیں تو دنیا میں کون ایسا مسلمان ہوگا جو ا
کافر کہنے سے گریز کرے گا؟ بلا شبہ جو بھی توہینِ رسول ؐ کرتا ہے وہ قطعی کافر اور خارج
اسلام ہے۔ ہم بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں اور ان اکابر علمائے دیو بند میں سے خا
صاحب بریلوی کی زندگی میں حیات مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا خلیل احمد انبہٹ
نے بھی خانصاحب بریلوی کی کتاب "حسام الحرمین" کے شائع ہوتے ہی اس کے جوا
"المہند علی المفند" میں واضح طور پر اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ:

"ہم پر یہ محض بہتان ہے۔ ہمارے یہ عقائد ہرگز نہیں ہیں بلکہ جس
کسی کے بھی ایسے ناپاک عقائد ہوں ہم خود ان کو کافر اور خارج از اسلام
سمجھتے ہیں۔" **(المہند علی المفند)**

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب "حفظ الایمان" کی شرح "بسط
البنان" میں واضح اور دو ٹوک الفاظ میں خانصاحب بریلوی کے اپنے اوپر لگائے ہوئے
"توہینِ رسول ؐ" کے الزام کی تردید کرتے ہیں کہ:

"میں نے یہ خبیث مضمون جو "حسام الحرمین" میں اور تمہید وغیرہا میں
میری طرف منسوب کیا گیا ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے، ہر پاگل، ہر جانور اور ہر چوپائے کو حاصل ہے۔
کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں کبھی اس مضمون کا
خطرہ بھی نہیں گذرا۔ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحتاً یا اشارۃً یہ بات
کہے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ
کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔"

پھر اسی "بسط البنان" کے آخر میں صفحہ ۱۶ سطر ۴ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

"بفضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کے افضل المخلوقات فی جمیع کمالات العلمیۃ والعملیۃ ہونے کے باب
میں یہ ہے کہ ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ کی کتاب "براہین قاطعہ" کی جس عبارت پر احمد رضا خاں
صاحب نے "مشق ستم" کرتے ہوئے توہینِ رسالت کا الزام لگایا ہے اور جس کی بنیاد پر
انہیں "کافر" قرار دیا ہے۔ مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹویؒ نے اس الزام سے اپنی برأت
کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے بندہ پر جو الزام لگایا ہے بالکل
بے اصل اور لغو ہے۔ میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد معلون مانتے
ہیں جو شیطان علیہ اللعن تو کیا کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
سے علم میں زیادہ کہے۔ یہ کفریہ مضمون کہ شیطان علیہ اللعنۃ کا علم نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے زیادہ ہے۔ براہین کی کسی عبارت میں نہ صراحتاً نہ کنایۃً لکھا۔ مجھ کو تو

مدت العمر کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ شیطان کیا، کوئی نبی یا فرشتہ بھی آپ ﷺ
کے علم کی برابری کر سکے چہ جائیکہ علم میں زاید ہو۔ یہ عقیدہ جو خاں صاحب نے
بندہ کی طرف منسوب کیا ہے ''کفر خالص'' ہے۔ اسکا مطالبہ خاں صاحب سے
روز جزا ہوگا۔ میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک، وکفیٰ باللہ شہیداً۔
اہل اسلام عبارات براہین کو بغور ملاحظہ فرمائیں مطلب صاف اور واضح
ہے۔'' {۱}

ان بزرگوں کے ان کھلے ہوئے اعلانات برأت کے باوجود بریلویت کے
علمبرداروں کا ان پر مسلسل توہین رسالت کا الزام لگاتے رہنا اور ان کے کافر و مرتد ہونے
اصرار کرنا آج بھی جاری ہے جبکہ ہم اور ہمارے اکابرین علمائے دیوبند عرصہ دراز
سے بانگ دُہل اس بات کا اعلان کرتے چلے آرہے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کی ادنیٰ توہین کرنے والے بلا شک وشبہ قطعی کافر ہیں اور
بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ توہین رسول کرنے والے کو مسلمان سمجھنے والا بھی قطعی کافر اور خارج
از ایمان ہے ـــ!

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے متبعین جو اپنے آپ کو ''ڈنکے کی چوٹ''
اہل سنت والجماعت اور حنفی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نہ تو دعویٰ ''اہل السنۃ والجماعۃ'' میں
ہی سچے ہیں اور نہ ہی فقہ حنفی کی صداقت پر ان کا یقین واعتماد اور عمل ہے۔ یہ لوگ فقہ حنفی کا
نام لے کر اس کا استیصال کرنے اور اس کے احکام وہدایات کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں
میں دن رات مصروف ہیں۔ اگر ہماری یہ بات درست نہیں تو کیا بریلویت کے سحر میں
گرفتار اس کے اعوان وارباب اس بات کی وضاحت کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے
کہ خاں صاحب بریلوی نے اپنی وسعت مطالعہ کے باجود کیا فقہ حنفی کی مشہور و معروف اور
متداول کتاب ''درمختار'' میں یہ عبارت کبھی نہیں دیکھی تھی جس میں مذکور ہے :ـــ

{۱} ''عبارت براہین قاطعہ'' مطبوعہ تحریر مولانا خلیل احمد انبہٹوی بحوالہ ''انکشاف حق ص:۲۲۱ (مفتی خلیل احمد خاں بدایونی)

"شهدوا على مسلم بالردة وهو منكر لا يتعرض له لا لتكذيب الشهود العدول بل لان انكاره توبة ورجوع." {۱}

کسی مسلمان کے مرتد ہونے اور اسلام سے پھر جانے کی گواہی ملے اور وہ شخص انکار کرتا ہو تو ایسے شخص سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ گواہوں کو جھوٹا ماننے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اس کا اپنے مرتد (کافر) ہونے سے انکار کرنا رجوع اور توبہ کے حکم میں ہے۔

فقہ حنفی کی یہ عبارت خانصاحب بریلوی اور ان کے متبعین کے لئے قابلِ قبول نہ ہونا
اور ان کے لگائے ہوئے علمائے دیوبند پر الزامات کفر سے ان علماء کا انکار اور برأت کا
اظہار ہوتے رہنے کے باوجود ان علمائے حق کے کفر پر بریلویوں کا مسلسل اصرار اور ان پر
افترا بازی کی مہم چھیڑے رہنا، آخر کس ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے؟ علمائے دین سے نفرت
وعداوت کا یہ مظاہرہ کیا ان کی شیعہ ذہنیت کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی نہیں ـــ؟؟

عوام الناس کو شاید یہ بات معلوم نہ ہو کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی دینی فکر کے
وارث وامین اکابر علمائے دیوبند کے علاوہ ان کے پیشوا اور خانوادہ ولی اللہ ان کے چشم
وچراغ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ نے جو سنگین الزامات کفر لگائے
ہیں اور بریلویت کے ہمنوا بزعم خود علامۂ چنیں چناں جس کا راگ ہمہ وقت الاپتے رہتے
ہیں ان کی تعداد بے شمار ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر خانصاحب بریلوی نے ''پچھتر'' الزامات کفر
تو اپنی کتاب ''سبحان السبوح'' میں لگائے ہیں جو انہوں نے ۱۳۰۹ھ میں لکھی تھی۔ پھر
سات سال بعد یعنی ۱۳۱۶ھ میں جب انہوں نے "الكوكبة الشهابية على كفريات ابی الوهابية" لکھی تو اس میں بھی مولانا اسماعیل شہیدؒ پر ''ستر'' سنگین الزامات کفر لگائے
تھے۔ یہ سارے الزامات اس قدر شدید اور خطرناک ہیں کہ ان کو پڑھ کر کوئی بھی صاحب
ایمان، شیدائی رسول ایسے عقائد رکھنے والے سے شدید نفرت اور عداوت کئے بغیر نہیں رہ
سکتا۔ مثال کے طور پر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا (نعوذ باللہ) گدھے

{۱} ''درمختار'' علامہ محمد علاء الدین حصکفی ص ۱۱۱۔

اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہونے کا شیطانی نظریہ۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ''بڑے بھائی'' کے برابر بتانے کا فاسد عقیدہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لے مرکر مٹی میں مل جانے کا توہین انگیز دعویٰ۔ علاوہ ازیں تمام انسان اور چھوٹی بڑی مخلوق مع رسول اللہ ﷺ کے اللہ کے نزدیک سب کے چمار سے زیادہ ذلیل ہونے کا قبیح الزام کے ساتھ ساتھ رب العزت کے لئے (نعوذ باللہ) ذلّت وحقارت کے کلمات وصفات ماننے کا الزام بھی خاں صاحب بریلوی نے شاہ اسماعیل شہیدؒ پر لگایا ہے۔ احمد رضا خانصاحب کے بقول اسماعیل دہلویؔ اور ان کے ماننے والے وہابی ایسے کو خدا کہتے ہیں جس کا بہکنا، غافل ہونا، ظالم ہونا، ناچنا، تھرکنا، نٹ کی طرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی بے حیائی کا مرتکب ہونا، حتیٰ کہ خود مفعول کی طرح مخنّث بننا، کوئی خباثت یا کوئی فضیحت خدا کی شان کے خلاف نہ سمجھنا۔ خدا کا کھانے کا مُنہ، بھرنے کا پیٹ، مردی اور زنی کی علامات رکھنا، خدا کو صمد نہیں جوف دار کھلا تصور کرنا، سبّوح قدوس نہیں خنثیٰ مشکل کہنا، خدا کے ماں باپ جورو بچے سب ممکن سمجھنا۔ خدا کا خودکُشی کر سکنے، گلا گھونٹ کر یا بندوق مار کر خود کو ختم کر لینے کا عقیدہ رکھنا، یا زہر کھا کر یا خود کو جلا کر مار ڈالنے کا عقیدہ۔ ایسا خدا جس کا کلام فنا ہو سکتا ہے۔ جو ربڑ کی طرح پھیلتا ہے اور برہما کی طرح چوکھا ہے۔ جو بندوں سے چھپا کر پیٹ بھر کے جھوٹ بولتا ہے۔'' (العیاذ باللہ ولعنۃ اللہ علی الکاذبین)

اپنی کتاب ''الکوکبۃ الشہابیہ علیٰ کفریات ابی الوہابیہ'' میں احمد رضا خاں صاحب، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی بابت یہ بے بنیاد دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء، ملائکہ، قیامت وجنت ونار وغیرہ تمام ایمانیات کے ماننے سے انکار کیا ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں کہ (اس کے نزدیک) حضرات ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے شرک صادر ہوئے۔ پھر اسی صفحہ ۴۰ پر وہ شاہ اسماعیل شہیدؒ پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ (نعوذ باللہ) قرآن مجید میں شرک موجود ہے۔! خانصاحب بریلویؔ اپنی اسی کتاب ''الکوکبۃ الشہابیہ'' کے صفحات ۳۰، ۳۱، ۳۳، اور ۳۴ پر مسلمانوں کو

{۱} ''فتاویٰ رضویہ'' احمد رضا خاں بریلوی ج ا ص ۷۴۵۔ ناشر رضا اکیڈمی بمبئی سن اشاعت ۱۴۰۵ھ۔

تے ہیں لکھتے ہیں:

''مسلمانو! مسلمانو! خدا را ان ان ناپاک شیطانی ملعون کلموں کو غور کرو ـــ پادریوں، پنڈتوں وغیرہم کھلے مشرکوں کی کتابیں دیکھو ـــ ان میں بھی اس کی نظیر نہ پاؤ گے۔ مگر اس مدعی اسلام بلکہ مدعی امامت کا کلیجہ چیر کر دیکھئے کہ کس جگر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بے دھڑک یہ صریح سب وشتم (یعنی گالیاں) کے الفاظ لکھ دیے ـــ مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہیں ہوئی، یا مطلع ہو کر ان سے ایذاء نہ پہونچی۔ ہاں! ہاں! واللہ! واللہ! انہیں اطلاع ہوئی، واللہ، واللہ انہیں ایذاء پہونچی۔ اور انصاف تو کیجئے اس کھلی گستاخی میں تاویل کی جگہ بھی نہیں۔''

یہ تو تھی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے نزدیک مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ کے ناقابل تاویل ''جرائم'' کی نوعیت، جس میں توہینِ رب العالمین اور اس کے حبیب پاک حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپ کے لئے (نعوذ باللہ) گالیاں نمایاں ہیں۔ خانصاحب بریلوی کا وہ بیان بھی ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے اپنی کتاب ''تمہید الایمان'' میں تحریر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

''شفا شریف وبزازیہ وفتاویٰ خیریہ وغیرہ میں ہے کہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے عذاب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔'' {۱}

پھر اسی ''تمہید الایمان'' صفحہ ۳۵ پر خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں:ـــ

''نہ کہ ایک کلام تکذیب خدا یا تنقیصِ شانِ انبیاء علیہم السلام والثناء میں صاف، صریح، ناقابلِ تاویل وتوجیہ ہو اور پھر یہ بھی حکم کفر نہ ہو تو اسے کفر نہ کہنا کفر کو اسلام ماننا ہوا اور جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے۔''

اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں خاں صاحب بریلوی اپنی کتاب ''حسام الحرمین''

{۱} تمہید الایمان احمد رضا خاں بریلوی ص: ۲۷۔

کے صفحہ ۱۳۱ اور ''فتاویٰ افریقہ'' کے صفحہ ۱۰۹ پر واضح اور دوٹوک الفاظ میں جو فتویٰ دیئے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں :—

''رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہیں جیسے خلیل احمد انبہٹی اور اشرف علی وغیرہ انکے کفر میں کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال۔ جو ان کے کفر میں شک کرے۔ بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اسکے کفر میں شبہ نہیں۔''

''فتاویٰ افریقہ'' صفحہ ۱۱۵ پر وہ مزید لکھتے ہیں :—

''جو انہیں کافر نہ کہے، جو ان کا پاس ولحاظ رکھے، ان کے استادی رشتے یا دوستی کا خیال کرے وہ بھی انہیں میں سے ہے۔ انہیں کی طرح کافر ہے۔ قیامت میں انہیں کے ساتھ ایک رسّی میں باندھا جائے گا۔''

لیکن دلچسپ ترین اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنی دانست میں توہینِ رسولؐ اور تکذیب خدا کے مرتکب ایسے ''خطرناک مجرموں'' یعنی شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ اور ان کے متبعین یعنی اکابر علماء دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں اپنی کتاب ''تمہید الایمان'' صفحہ ۴۳ پر اور اس سے قبل ''سبحان السبوح'' صفحہ ۸۰ پر (جدید اڈیشن کے صفحہ ۱۴۴ پر) کیا ارشاد فرماتے ہیں۔؟ ذرا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں :—

''حاش للہ، حاش للہ، ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں۔ اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا، ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے فان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ۔''

واضح رہے کہ جب اسمٰعیل دہلویؒ، احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک ''امام الطائفہ

ٹھہرے تو ان کے ''مقتدی'' ظاہر ہے کہ وہی سب علماء دیوبند ہی تو ہوں گے جو ان کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں جیسے مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد انبہٹوی اور مولانا قاسم نانوتویؒ وغیرہم۔ جب خانصاحب بریلویؒ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سمیت ان تمام علماء کو مسلمان جانتے ہیں اور ان کی تکفیر پسند نہیں کرتے، تو ایسی صورت میں کئی سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی توہین اور خانصاحب بریلوی کے بقول گالیاں دینے والے نیز اللہ تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا کہنے والوں کا کفر ''آفتاب سے زیادہ روشن'' نہیں۔؟ اگر یہ سب باتیں بھی کفر نہیں تو کیا کفر کے سر پر سینگ ہوں گے جنہیں دیکھ کر ''فاضل بریلوی'' احمد رضا خاں صاحب ان کی تکفیر کا فیصلہ کریں گے—؟؟ پھر جب خاں صاحب بریلویؒ کے نزدیک یہ لوگ کافر نہیں تو لازماً مسلمان ہی ہوں گے۔؟ حالانکہ خاں صاحب بریلوی نے اپنی کتاب ''تمہید الایمان'' کے صفحہ ۲۷ پر شفا شریف و بزازیہ کے حوالہ سے نیز ''فتاویٰ افریقہ'' اور ''حسام الحرمین'' میں بھی واضح طور پر یہ لکھ چکے ہیں کہ اس بات پر امتِ مسلمہ کا اجماع یعنی اتفاق ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرے وہ قطعی طور پر کافر ہے اور جو ایسے شخص کو مسلمان جانے تو وہ خود بھی کافر ہے! لہٰذا ایسی صورت میں جبکہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنی دانست میں ''امام الطائفہ'' اسماعیل دہلویؒ اور ان کے مقتدیان یعنی علمائے دیوبند کی صریح گستاخیٔ رسول اور شانِ رسالتؐ میں نعوذ باللہ گالیوں کی طویل فہرست شائع کرنے کے بعد ان کو مسلمان جان کر ان کی تکفیر سے انکار کر رہے ہیں تو پھر خانصاحب بریلوی کا ایمان کہاں سلامت رہا۔؟ کیا وہ اپنے ہی دیئے ہوئے فتویٰ کے مطابق ''کافر'' نہیں ٹھہرتے۔؟؟ بریلوی حضرات ذرا سنجیدگی سے غور فرمائیں—!

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے کہ خود ان کو کافر کہنے سے گریز کریں بلکہ ان کی اسی ''تمہید الایمان'' کے صفحہ ۴۲ پر ان کا یہ فتویٰ بھی موجود ہے کہ :—

''علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں۔ یہی جواب ہے۔ وھو الجواب وفیہ

الصواب وبه يفتى وعليه الفتوى وهوالمذهب وعليه الاعتماد
و فيه السلامة وفيه السداد۔ یعنی یہی جواب ہے اور یہی درست بات
ہے، اسی پر فتویٰ دیا جائے اور یہی فتویٰ ہے، اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پر
اعتماد کرنا چاہئے، اسی میں سلامتی ہے۔ اور اسی میں استقامت ہے۔"

آخر یہ سب کیا تماشا ہے۔؟ کیا جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی پر بھی نبی کذاب
غلام احمد قادیانی کی طرح کوئی "جعلی وحی" اتر آئی تھی جس کے ذریعہ انہیں عالمِ بالا سے
جبریل امینؑ کے ذریعہ یہ اطلاع مل گئی ہو کہ اتنی صریح گستاخیوں اور سب وشتم یعنی گالیوں
کے ارتکاب کے باوجود اسماعیل دہلوی اور انکے متبعین علماء دیوبند کو اللہ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا ہے۔ لہٰذا علمائے محتاطین یعنی احتیاط پسند کرنے والے
علماء انہیں کافر نہ کہیں، کیونکہ یہی صواب یعنی درست بات ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اسی پر
فتویٰ دیا جانا چاہئے۔ نیز یہ کہ اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں استقامت ہے—!

جناب احمد رضا خاں صاحب کی اس تحریر اور فتویٰ سے ذہن میں ایک اور شبہ پیدا ہوتا
ہے کہ آخر خاں صاحب بریلوی نے خاص طور پر "علماء محتاطین" کا لفظ کیوں استعمال کیا
ہے—؟ کیا اس طرح احمد رضا خاں صاحب یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا شاہ اسمٰعیل
شہیدؒ اور اکابر علماء دیوبند کو کافر نہ کہنے کی یہ ہدایت صرف احتیاط پسند کرنے والے چند گنے
چنے دس پانچ علماء کے لئے ہی ہے اور باقی تمام "بریلوی علماء" کو در پردہ طور پر یہ کھلی
چھوٹ حاصل ہے کہ وہ ٹھاٹ سے ان اکابرین علماء حق پر کفر کے گولے داغتے رہیں، ان
کی پگڑیاں اُچھالتے رہیں اور اس حربہ کے ذریعہ وہ عوام الناس کو گمراہ اور ان علماء حق سے
برگشتہ و بدظن اور متنفر کرتے رہیں—؟؟

بہر نوع! جب تمام علماء امت اور آئمہ دین گذشتہ چودہ سو سال سے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرنے یا گالیاں بکنے والے کو متفقہ طور پر کافر اور
خارج از اسلام قرار دیتے آئے ہیں اور ایسے بدگو اور بدباطن شخص کے کفر میں شک کرنے
کو بھی کفر میں شمار کرتے ہیں تو آخر ان خاں صاحب بریلوی کو یہ حق کہاں سے مل گیا کہ وہ

اور اپنے بقول اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی صریح گستاخیاں
اور توہین کا ارتکاب کرنے والوں کو، جن کی دشنام اور گستاخیوں کی بقول ان کے کوئی تاویل
بھی ممکن نہیں ہے، یوں بے دریغ معاف کر دیں اور انہیں ایسے "خطرناک جرائم" سے
صاف بری ہونے کا پروانہ دیدیں—؟ کیا شریعتِ اسلامیہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی
کے ہاتھوں کا کھلونا ہے کہ وہ اس کے ساتھ جس طرح چاہیں کھلواڑ کریں اور جیسے چاہیں
اس کے احکام و فرامین کو پامال کرتے رہیں۔ کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں—؟؟

دوسری بات یہ کہ اگر احمد رضا خاں صاحب کے متبعین کو اس بات سے انکار ہے کہ
ان کے "اعلیٰ حضرت" احمد رضا خاں صاحب بریلوی پر قادیانی کذاب کی طرح کوئی
"جعلی وحی" نہیں اتری ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاں صاحب بریلوی کے بقول
اسمٰعیل دہلوی اور ان چاروں مشہور علماء دیوبند نے اگر توہینِ رسولؐ اور تکذیب باری تعالیٰ
جیسے "گھناؤنے جرائم" کا ارتکاب کیا تھا تو اصول طور پر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے
"مجرم" ہوئے اور انہیں کو یہ حق ہے کہ وہ ایسے "مجرموں" کو سزا دیں یا معاف کر دیں۔ احمد
رضا خاں صاحب انہیں معاف کرنے والے کون ہوتے ہیں—؟

آخر یہ کہاں کا انصاف اور کیا تُک ہے کہ زید نے تھپڑ تو عمر کے مارا ہے اور اس کی
تذلیل و بے عزتی کی ہے۔ مگر زید کی اس گستاخی اور بدتمیزی کی معافی کا اعلان ایک تیسرا
شخص بکر اپنی مرضی سے کر رہا ہے۔ کیا بکر کو معافی دینے کا حق پہونچتا ہے۔؟ اگر نہیں تو
پھر احمد رضا خاں صاحب نے ان تمام علماء دیوبند اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو معافی کیوں
اور کس لئے دی تھی—؟

کیا خاں صاحب بریلوی کے ان بزرگوں پر لگائے ہوئے سنگین الزامات
توہینِ رسولؐ اور تکذیب رب العالمین حقیقت میں محض جھوٹ کا پلندہ اور کورا بہتان تھے،
اس لئے انہوں نے اپنے لگائے ہوئے تمام الزامات واپس لے کر ان بزرگوں کو ان سے
صاف بری کر دیا—؟؟ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر بریلوی حضرات عرصہ دراز سے کیوں
ان جھوٹے الزامات کا ہمہ وقت پروپیگنڈہ اور ان کی تکرار کر رہے ہیں اور کس لئے ناواقف

مسلمانوں کے دلوں میں ان بزرگانِ دین اور علماءِ امت کے خلاف نفرت وعداوت کے شعلے بھڑکانے میں دن رات مصروف ہے—؟ کیا اس حدیث رسولؐ کی صداقت سے انہیں انکار ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ :

''بدترین سُود کسی مسلمان کی آبروریزی ہے۔''

ایک دوسری حدیث کے مطابق سود کے ستّر درجے ہیں اور سب سے ہلکے درجے کے سُود کا گناہ اپنی حقیقی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے گناہ سے بھی زیادہ ہے۔ تو پھر کسی مسلمان کی آبروریزی، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بدترین سود'' سے تعبیر کیا ہے آخر اس کا گناہ کس قدر شدید اور عذاب کیسا دردناک ہوگا۔؟ کاش! بریلویت کے سحر میں گرفتار مسلمان سنجیدگی سے اس پر غور کرنے کی زحمت گوارہ کرتے—!!

تیسری اہم بات قابلِ غور یہ ہے کہ جناب احمد رضا خاں صاحب نے اپنی کتاب ''احکامِ شریعت'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث لکھ کر العیاذ باللہ کے الفاظ کے ساتھ کسی مسلمان پر کفر کا الزام لگانے سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ اس حدیث پاک میں بتایا گیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا یا اس پر لعنت کرنا ایک ایسا عمل ہے جو کسی حال میں بھی خالی اور بے کار نہیں جاتا۔ وہ شخص جس کو کافر کہا گیا ہو یا جس پر لعنت بھیجی گئی ہو، اگر اسکا مستحق نہ ہوا تو وہ لعنت یا کفر کہنے والے پر ہی پلٹ آتا ہے—!

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں :—

''بجز ثبوت وجہِ کفر کے کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہِ عظیم ہے بلکہ حدیث میں فرمایا کہ وہ کہنا اسی کہنے والے پر پلٹ آتا ہے۔ العیاذ باللہ واللہ تعالیٰ اعلم''۔ {۱}

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچی کس کی بات ہوسکتی ہے؟ جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے علماء دیوبند اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی عبارتوں میں توڑ موڑ کر ان کا غلط مفہوم اپنے دل سے گھڑنا اور پھر ان کو بنیاد بنا کر ان علماء حق کو علی الاعلان کافر و مرتد کہنا اور ان کے متبعین پر بھی کفر کے گولے داغنا کیا یونہی

{۱} ''احکامِ شریعت'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی، ص ۱۷۴۔

بے کار چلا جاتا—؟ جبکہ یہ تمام علمائے حق حقیقت میں ان کلماتِ کفر سے قطعی بری تھے۔ اور انہوں نے ان جھوٹے الزامات کے شائع ہوتے ہی ان سے اپنی بے زاری کا برملا اظہار بھی کردیا تھا۔ (ملاحظہ ہو ''المہند علی المفند'' اور ''حفظ الایمان مع بسط البنان'') لہٰذا ایسی صورت میں احمد رضا خاں صاحب کے چلائے ہوئے کفر کے زہریلے تیر اس حدیثِ نبویؐ کے مطابق خود انہیں پر پلٹ آئے اور وہ اپنے قلم کے جال میں خود ہی پھنس کر رہ گئے۔ یعنی پہلے تو خانصاحب بریلوی نے ان بزرگوں پر ستّر پچھتّر وجوہ سے الزامات کفر کا اہتمام کیا، ساتھ ہی خاں صاحب کا اپنے ہی قلم سے اس بات کا اقرار کہ توہینِ رسولؐ کرنے والے کو مسلمان سمجھنے والا خود بھی کافر ہے۔ پھر انکا اپنی کتابوں ''سبحان السبوح'' اور ''تمہید الایمان'' میں اس بات کا اعتراف کہ: ''حاش للہ میں انہیں کافر نہیں کہتا اور انہیں مسلمان ہی سمجھتا ہوں'' اور یہ کہ ''علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں کیونکہ یہی صواب یعنی درست بات ہے اور یہی فتویٰ ہے اور اسی میں سلامتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا اس طرح احمد رضا خاں صاحب بریلوی خود اپنے ہی کفر کے اقراری گواہ نہیں بن گئے—؟ یہ ہے مذکورہ بالا حدیثِ نبویؐ یعنی الزام کفر کا خود قائل پر پلٹ آنے کا زندہ ثبوت—!!

لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی مذکورہ بالا حدیثِ نبویؐ کے مطابق کفر کا پھندا خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنے گلے میں ڈال کر مذہبی خودکشی کر چکے ہیں تو پھر ان کے متبعین کو علماء دیوبند کے ایمان پر انگلیاں اٹھانے کا کیا حق ہے—؟ حالات کی یہ ستم ظریفی نہیں تو پھر اور کیا ہے کہ دین کے یہ نام نہاد ''ٹھیکیدار'' عرصہ دراز سے کم علم اور بھولے بھالے عوام کو جھوٹ وفریب کے ہتھکنڈوں کے ذریعہ بے وقوف بنا کر علماء دیوبند کے خلاف بھڑکانے اور ان سے برگشتہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ورنہ کہاں وہ مقدس اور خدا ترس ہستیاں جن کی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر ہوا اور زبان وقلم سے قرآن وسنت کی اشاعت اور دین کی حفاظت وخدمت جن کا مقصدِ زندگی رہا۔ اور کہاں یہ ''گندم نما جو فروش'' دین کے نام پر لوٹ کھسوٹ کا ''بریلی بازار'' گرم کرنے والے فتنہ پرداز اور خود غرض دین کے بیوپاری، جو بزعم خویش

''علامۂ دہر'' بن کران خاصانِ خدا کی پگڑیاں اچھالنے، ان پر الزام تراشیاں کرنے، فحش کلامی، بدزبانی اور بازاری انداز میں انہیں گالیاں دینے میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے اس ''ہنر'' اور ''کالے دھندے'' کے ذریعہ بیچارے جاہل عوام کی جیبیں خالی کرانے کے بعد ان کے خون پسینے کی کمائی سے اپنے لئے عالیشان کوٹھیاں تعمیر کرنے اور اپنی تجوری وتن توش کو بڑھانے میں شہرت ومہارت رکھتے ہیں!

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ عذر لنگ جو انہوں نے اپنی کتاب ''تمہید الایمان'' کے آخری صفحہ یعنی ۴۶ پر تحریر کیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''میں نے تو پچھتر سے زائد الزامات کفر کے باوجود ''امام الطائفہ'' اسمٰعیل دہلویؒ اور ان کے مقتدیان یعنی علماء دیوبند کو معاف کر کے فتوئ کفر واپس لے ہی لیا تھا۔ مگر جب ۱۳۲۴ھ میں علماء حرمین شریفین نے ان کے کفر پر متفقہ طور پر فتوئ دیدیا تو پھر مجھے بھی مجبوراً دوبارہ ان کے کفر کا اعلان کرنا پڑا وغیرہ وغیرہ۔

جناب احمد رضا خاں صاحب کا یہ بیان کتنا تلبیس آمیز اور حقیقت سے دور ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ''سُبحان السبّوح'' نامی کتاب ۱۳۰۹ھ میں لکھی تھی جس میں مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر اٹھتر الزامات کفر عائد کرنے کے ساتھ ساتھ ہی بقلم خود ان کی معافی کا شاہانہ اعلان بھی تھا۔ پھر ۱۳۱۶ھ میں یعنی اعلانِ معافی کے ٹھیک سات سال بعد انہیں ایک اور کتاب ''الکوکبۃ الشہابیۃ علیٰ کفریات ابی الوہابیہ'' لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی جس میں ایک بار پھر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے متبعین پر پورے ستر وجوہ سے الزامات کفر ٹھونکے گئے تھے۔ اس کتاب میں بھی الزامات لگانے کے بعد ایک بار پھر اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ ان تمام علماء دیوبند کی معافی کا پروانہ دیا گیا تھا۔ اس کے ٹھیک چار سال بعد خاں صاحب بریلوی نے ۱۳۲۰ھ میں ایک اور کتاب ''المعتمد المستند'' کے نام سے عربی میں لکھی جس میں خاص طور پر علماء دیوبند میں سے چار معروف علماء دیوبند پر الزام کشی کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتابوں پر مشقِ ستم

کر کے انہیں کافر ومرتد ٹھہرایا گیا تھا۔ واضح رہے کہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنی ہی کتاب ''المعتمد المستند'' ساتھ لیکر ۱۳۲۴ھ میں مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ کے علماء کے پاس گئے تھے اور بطور ثبوت اس کتاب کو دکھا کر اپنے مرتب کردہ عربی فتوئ پر ان علمائے کرام کی تقریظات، حمایت اور تصدیقات حاصل کی تھیں۔! وہاں سے واپسی پر انہوں نے اگلے سال یعنی ۱۳۲۵ھ میں بڑے ہی طمطراق کے ساتھ علماء حرمین کی ان آراء سمیت اپنے ہاتھ کی صفائی کا وہ ''شاہکار فتوئ'' حسام الحرمین کے نام سے شائع کیا تھا، جس میں ان علماء دیوبند کی عبارتوں میں کتر بیونت اور اصل مفہوم کو توڑ مروڑ کر ان سے کفر کا مفہوم کشید کرنے کا بریلوی یا ''سبائی فن'' اپنے عروج پر ہے—!!

''حسام الحرمین'' کے فتووں کی گھن گرج اور ہمہ ہمی کے ٹھیک ایک سال بعد یعنی ۱۳۲۶ھ میں خاں صاحب بریلوی کی ایک اور کتاب ''تمہید الایمان'' کے نام سے منظر عام پر آتی ہے، جس کے صفحہ ۴۲ پر انہوں نے اپنی سابقہ کتاب ''سُبحان السبّوح'' کے حوالہ کے ساتھ ایک بار پھر ''حکمِ آخر'' کے الفاظ کے ساتھ اپنا وہی فتوئ نقل کر دیا ہے کہ ''علماء محتاطین'' مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے پیروکار علمائے دیوبند کو کافر نہ کہیں، کیونکہ یہی درست بات ہے اور اسی پر فتوئ ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر اگلے ہی صفحہ ۴۳ پر حاش للہ، ہزار بار حاش للہ کے الفاظ کے ساتھ نہ صرف مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بلکہ تمام علماء دیوبند کے بارے میں ایک بار پھر وہی جملے لکھے کہ میں ''ابھی تک'' (یعنی ۱۳۲۶ھ تک جب کہ تمہید الایمان لکھ کر شائع ہوئی ہے) امام الطائفہ اسماعیل دہلوی اور ان کے مقتدیان (یعنی علماء دیوبند) کو مسلمان ہی سمجھتا ہوں اور ان کے کفر پر حکم نہیں کرتا کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک کہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے—!

جناب احمد رضا خاں صاحب بانیٔ بریلویت کی یہ ''ذہنی قلابازیاں'' اور تلوّن مزاجی کی کیفیت، دینِ اسلام کے بارے میں ان کی کس سوچ کی نشاندہی اور کس قسم کی تخریبی ذہنیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور شریعتِ اسلامیہ کے احکامات کفر وارتداد کو مذاق اور بازیچۂ اطفال بنانے کے پسِ پردہ کیا عوامل کارفرما تھا۔ خاں صاحب بریلوی علماء اسلام

کی عزت ووقار کو خاک میں ملاتے اور برصغیر کے عوام کے دلوں سے ان کی اہمیت اور قدر ومنزلت ختم کرنے پر کیوں تلے ہوئے تھے؟ آیئے اس پر بھی غور کرتے چلیں۔

(۳) ہدایت وضلالت کا ذہنی معیار

قرآن مجید کے مطالعہ سے ہم پر یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شئی کو ''زوج'' یعنی جوڑے جوڑے (Double) بنایا ہے، زمین آسمان، چاند سورج، جنت ودوزخ اور دنیا وآخرت سے لیکر انسانی جسم کے اعضاء تک میں ''زوجان'' کا عمل کارفرما ہے۔ مثال کے طور پر انسان کو پیدائش کے بعد دانتوں کے جوڑے (Set) عطا کئے گئے ہیں۔ ایک بچپن کے ''دودھ والے دانت'' اور دوسرے چھ سات سال کے بعد ان کے اکھڑ جانے کے بعد مستقل دانتوں کا سیٹ۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ فعال رہنے والے انسانی عضو ''دماغ'' کے وظیفۂ عمل (Function) کو بھی ''شعور'' اور ''لاشعور'' دو خانوں یا حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہمارا دماغ جو سر کی ہڈیوں اور جھلیوں کے درمیان محفوظ ہے بظاہر ایک نظر آتا ہے مگر حقیقت میں یہ بھی ''زوج'' (Double) ہے اور عموماً دو ''شقوں'' میں اپنی ڈیوٹی انجام دیتا ہے۔ حالتِ بیداری میں ہمارا ''شعوری دماغ'' کام کرتا ہے اور عقل اس کی معاون ورہبر ہوتی ہے۔ لیکن جب ہم نیند کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہمارا شعوری دماغ اپنا وظیفہ عمل بند کردیتا ہے اور وہ بھی سوجاتا ہے جسکو ہم ''غفلت'' کا نام دیتے ہیں۔ مگر ایسی حالت میں غیر شعوری دماغ بیدار ہوکر ڈیوٹی سنبھال لیتا ہے اور حالتِ نیند میں انسانی جسم کی اندرونی ضروریات اور اپنی فطری ذمہ داریاں پوری کرتا ہے۔ غیر شعوری دماغ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں توجیہات کا کوئی ''خانہ'' نہیں ہوتا۔ یعنی اس دماغ میں کیوں اور کیسے کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ہم طبعی طور پر نیند کی آغوش میں ہوتے ہیں اور ہمیں غفلت کی وجہ سے یہ شعور نہیں رہتا کہ ہم کہاں ہیں؟ مگر ہمارا غیر شعوری دماغ اس وقت بھی بیدار رہتا ہے اور ہم نیند میں مختلف خواب دیکھتے ہیں جن میں عجیب وغریب باتیں، ناقابلِ یقین اور محیر العقول واقعات وحادثات سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے۔ مگر حالتِ نیند میں ہمارا دماغ ان

تمام بے تکی اور خلافِ عقل باتوں پر یقین کرتا چلا جاتا ہے۔ ہم اس وقت ان غیر معمولی واقعات کے ممکن ہوسکنے کے بارے میں سوچنے کے قابل نہیں ہوتے۔ بیدار ہونے کے بعد ہمیں خواب کے واقعات کے بے تکے پن کا احساس ہوتا ہے ــــ!

ماہرینِ نفسیات کے مطابق انسانی دماغ کے اندر شعور ولاشعور کی یہی نفسیاتی کشمکش اور گرہ دراصل کفر واسلام، حق وباطل اور خیر وشر کی آماجگاہ ہے۔ انسانی دماغ جو ہمہ وقت متحرک اور فعال رہنے والا عضو ہے، بیداری کی حالت میں شعوری طور پر اور حالتِ نیند میں غیر شعوری طور پر اس کے افعال ووظائف برابر جاری رہتے ہیں۔ غیر شعوری دماغ کی قوت عمل یوں تو حالتِ نیند میں ہی شعور پر غالب آتی ہے خواہ وہ نیند طبعی ہو یا عمل تنویم (Hypnotism) کے نتیجہ میں مصنوعی طور پر طاری کی گئی ہو۔ لیکن جب کسی انسان کے شعوری ذہن پر کسی خاص خیال اور جذبہ کا شدید اور مسلسل ارتکاز ہوتا ہے تو پھر یک لخت یا رفتہ رفتہ حالتِ بیداری میں بھی غیر شعوری ذہن اس جذبہ وخیال کی حد تک، اس کے شعوری ذہن اور عقل ودماغ پر حاوی ہوجاتا ہے اور پھر انسان اپنی تمام تر ذہانت اور عقل مندی کے باوجود غیر شعوری دماغ کے انعکاسات کو نہ صرف یہ کہ قبول کرلیتا ہے بلکہ اس کے مطابق اپنے طرزِ عمل اور شعوری قوتوں کو بھی ڈھال لیتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح ہر شخص یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ کسی انسان کو قتل کردینا شرعی اور قانونی دونوں اعتبار سے ایک شدید جرم ہے اور اسکی سزا پھانسی یا اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔ لیکن کسی سے شدید جھگڑا اور لڑائی ہوجانے کی صورت میں شدتِ غضب سے مغلوب ہوکر جب یہی شخص اپنے مخالف کو قتل کردینے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو اگرچہ شعوری طور پر وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے اس اقدام کا نتیجہ بالآخر اس کی اپنی پھانسی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور پھر اس کے بعد اس کے بیوی، بچے بیوہ اور یتیم اور خانہ ویران ہوجائیں گے۔ ماں باپ، بھائی بہن اور عزیز ومتعلقین، خویش واقارب سب غم سے نڈھال ہوجائیں گے اور گھر کا سارا شیرازہ منتشر ہوجائے گا۔ مگر چونکہ اس کا غم وغصہ اس کے شعوری ذہن پر غالب ہوتا ہے اس لئے وہ انجام سے بے پرواہ ہوکر بالآخر کار قتل کا

انتہائی اقدام کر بیٹھتا ہے۔۔۔!!

ٹھیک یہی ذہنی کیفیت ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو بریلویت کے زیر اثر احمد رضا خاں صاحب کی تعلیمات کے نتیجہ میں شرک وبدعات میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے ان خرافات کی تردید میں قرآن وحدیث کی صریح نصوص اور عقلی توجیہات چاہے جس ڈھنگ سے پیش کی جائیں مگر ان کا شعوری ذہن خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتا کیونکہ ان کا شعوری دماغ خاں صاحب بریلوی کی عقیدت کے نشہ میں چور اور ان کی شیعی تعلیمات سے پوری طرح مسحور ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے چاروں طرف معاشرہ میں پھیلے ہوئے شرک وبدعت کے ماحول سے بری طرح متأثر اور مکمل طور پر ماؤف و مغلوب ہوتا ہے اس لئے وہ اچھائی اور برائی، حق وناحق اور سنت وبدعت کے فرق کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے۔ وہ بے چارے غیر شعوری طور پر دن رات وہی راگ الاپنے پر مجبور ہیں جو احمد رضا خاں صاحب کی پرفریب تعلیمات اور بریلویت کی تشہیر کرنے والے نام نہاد اور مفاد پرست ''علماء'' کے ذریعہ انکے ذہن ودماغ میں مرتسم کر دیا گیا ہے۔۔۔!!

شریعت کی اصطلاح میں جس چیز کو ''ہدایت'' کہا جاتا ہے وہ دراصل دماغ کی شعوری قوتوں کے لاشعوری کیفیت پر غالب آجانے کا ہی نام ہے۔ انسانی ذہن کے اندر یہ عظیم تبدیلی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت اور نظرِ کرم کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اولین کام یہ کیا کہ عوام الناس جن کی بڑی اکثریت قطعی جاہل یا نیم خواندہ تھی انکا ذہنی رشتہ اور دینی تعلق محافظینِ اسلام اور صحیح معنوں میں ''اہل سنت والجماعت'' یعنی اکابر علماء دیوبند سے قطع کرنے کے لئے جھوٹے الزامات کے ذریع ان کی کردار کشی اور تکفیر کا حربہ نہایت تندہی سے استعمال کیا۔ پھر جب ان کے مسلسل جھوٹے پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں جاہل عوام کے دلوں میں ان علمائے حق کی طرف سے نفرت وکدورت بیٹھ گئی اور وہ ان سے پوری طرح بدگمان اور متنفر ہو گئے تو سرچشمۂ اسلام سے کٹ کر علیحدہ ہو جانے والے ان خانماں برباد

سادہ لوح کلمہ گو مسلمانوں کو اگلے مرحلے پر آپس میں لڑانے اور ان کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ کے جذبات کو ختم کرنے کا پلان بنایا گیا۔ اور پھر وحدتِ اسلامی کے بنیادی عناصر کی بیخ کنی کرنے کے لئے ان ظالموں نے ''بریلویت'' کے پلیٹ فارم سے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ ''لڑاؤ اور راج کرو'' (Devide and Rule) کی پالیسی اپنائی گئی اور اسلامی معاشرہ کو تہہ وبالا کرنے کے لئے قریہ قریہ، بستی بستی انہوں نے جاہل عوام میں یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کیا کہ ''وہابی'' یعنی علماء دیوبند اور ان کے پیروکار رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانتے۔ اور جب وہ ''دکھاوے کے لئے'' حج کو جاتے ہیں تو وہ ''مدینہ شریف'' بالکل نہیں جاتے بلکہ عرفات ومنیٰ سے ہی ارکانِ حج کے بعد لوٹ آتے ہیں۔ یہ پروپیگنڈہ کہ دیوبند سے متعلق لوگ یعنی ان کی اصطلاح میں ''وہابی'' (نعوذ باللہ) حضورؐ کے دشمن ہیں اور ان کے علماء نے اپنی کتابوں میں فلاں فلاں جگہ توہینِ رسول کا ارتکاب کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان ظالموں نے اتنی شدت سے اور ایسے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا ہے کہ رفتہ رفتہ جاہل عوام کے دلوں میں یہ بات علماء دیوبند اور ان کے پیروکاروں کی طرف سے کینہ اور نفرت وعداوت بن کر بیٹھ گئی کہ دیوبندی وہابی (خدانخواستہ) دشمنانِ رسول ہیں اور اولیاء اللہ کو نہیں مانتے!

ماضی قریب میں جرمنی کے فوجی ڈکٹیٹر ''ہٹلر'' کے دستِ راست اور فوجی جنرل ''گوئبلز'' کا نام دنیا میں سب سے بڑے جھوٹے اور فریبی کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اسی ''گوئبلز'' نے یہ اُصول بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا کہ کسی بھی جھوٹی بات کی بار بار اور انتہائی شدت سے تکرار اور اس کا مسلسل پروپیگنڈہ کرتے رہو تو ایک دن وہ جھوٹ ''سچ'' کا روپ اختیار کر لے گا۔ کیونکہ جس طرح پتھر جیسی ٹھوس اور سخت چیز پر اگر پانی کی حقیر بوند بار بار اور تسلسل کے ساتھ ایک ہی جگہ گرتی رہے تو پتھر میں اس جگہ سوراخ بن جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ''گوئبلز'' کے خیال کے مطابق انسانی ذہن کا حال ہے۔ جب انسان کے کانوں میں غلط اور جھوٹ بات بار بار تسلسل کے ساتھ مدتوں تک پہونچتی رہتی ہے تو نفسیاتی اعتبار سے ابتداء میں اس کا شعوری ذہن وہ بات سن کر یقین وبے یقینی کی درمیانی کیفیت میں کچھ مدت تک مبتلا رہتا ہے۔ پھر بار بار اس جھوٹی بات کا اعادہ ہوتے رہنے سے انسان کا لاشعوری ذہن

اس سے متاثر اور ماؤف ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اتنا متاثر و مسحور ہو جاتا ہے کہ اسے وہ جھوٹی اور غلط بات ایک حقیقت (Real Fact) معلوم ہونے لگتی ہے اور اس مسئلہ میں انسان کی عقل و شعور اس کے لاشعور کے فیصلے کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں ۔۔۔!

اس بات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے لئے گرد و پیش سے چند مثالیں دی جا سکتی ہیں ۔ موجودہ دور کے غیر مسلمین یعنی ''ہندوؤں'' کو دیکھ لیجئے ۔ ان میں ایک سے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ، دانشور ، فلسفی اور ذہین و فطین افراد موجود ہیں ۔ ان میں چوٹی کے سائنس داں بھی ہیں اور بہترین انجینئر ، ڈاکٹر اور وکیل بھی ، جو اپنے پیشوں کے اعتبار سے عقل کے پتلے اور ماہرینِ فن (Specialists) کہے جاتے ہیں ۔ مگر بچپن کے گھریلو ماحول اور ہوش سنبھالنے کے بعد سے پختہ عمر ہونے تک ان کے کانوں میں چونکہ پتھر کے ان بے جان بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی عظمت و محبت کے فسانے اور ان کے خالق و کارسازِ عالم ہونے کی باتیں پڑتی رہی ہیں جن کو ایک مرحلہ پر ان کے شعور نے ایک ٹھوس حقیقت (Real Fact) کی حیثیت دے دی ہے ۔ نتیجتاً وہ اپنی ساری ذہانت اعلیٰ تعلیمی صلاحیت اور دانشمندی کے باوجود آج بھی اپنی قوم کے جاہلوں کی طرح مندروں میں جا کر ان حقیر اور بے جان پتھر کی مورتیوں کے آگے بلا تکلف سر نیاز جھکاتے اور ان کو اپنا حاجت روا ، معبود اور خدا سمجھتے ہیں ۔۔۔! اپنے ہی ہاتھوں سے تراشی ہوئی مٹی اور پتھر کی یہ مورتیاں ہی ان کے لئے ''ایشور'' اور ''بھگوان'' یعنی الٰہ اور معبود کا درجہ رکھتی ہیں ۔ اور اس سلسلے میں نہ صرف ان کی عقل و خرد اور شعور و احساس مفلوج اور بے حس ہو کر رہ گئے ہیں بلکہ وہ ان بتوں اور پتھر کی مورتیوں کے لئے جذباتِ عقیدت میں اس قدر بے خود اور ان کی محبت میں ایسے متوالے بن گئے کہ افغانستان جیسے خالص اسلامی ملک میں جہاں ایک بھی ہندو ، بدھ یا غیر مسلم اس ملک کا باشندہ نہیں ہے ۔ وہاں کی ''طالبان حکومت'' کے اس شرعی فیصلے پر کہ شرک کے نشان و علامت ان پتھر کے بے جان مجسموں کو توڑ کر نیست و نابود کر دیا جائے ۔ تو یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دانشور اس کے خلاف ایک شور و اویلا ، طوفانِ احتجاج اور رد عمل کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیتے ہیں ۔ ان کے ذرائع ابلاغ سے لیکر ایوانِ سیاست

تک اور دانشوروں سے لیکر عام پڑھے لکھے اور جاہل ہندوؤں تک میں سخت بے چینی اور غیض و غضب کی لہر دوڑ جاتی ہے ۔ مشتعل ہو کر یہ لوگ آر ۔ ایس ۔ ایس کے ورکروں کے ساتھ نئی دہلی کی سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور احتجاجی جلوس نکال کر بطور جوابی کاروائی قرآن مجید کے نسخوں کو جلانے کی بزدلانہ حرکت کرنے سے بھی نہیں شرماتے ۔۔۔!

یہ تو تھی کافروں اور غیر مسلموں کے ذہن و شعور پر ان کے لاشعور کی زبردست کار فرمائی کا کرشمہ ! مگر جب ہم انسانی ذہن کے اسی تناظر میں ، بریلویت کے سحر میں گرفتار شرک و بدعات کے متوالے مسلمانوں اور ان کے علاوہ مرتد قادیانیوں ، اہل تشیع ، منکرینِ حدیث اور آغا خانی بوہروں جیسے گمراہ فرقوں اور اسلام کے نام پر اس کا استحصال (Exploitation) کرنے والوں کو دیکھتے ہیں تو ان میں بھی لاشعوری ذہن کی بالادستی عقل و وجدان کی مفلوجی کیفیت ، اور سحر زدہ جذباتیت قدم قدم پر دیکھنے کو ملتی ہے ۔۔۔!

قادیانیوں کی مثال لے لیجئے ۔ پاکستان کے مشہور و معروف ''نوبل انعام یافتہ'' پروفیسر عبد السلام کو برصغیر کے طول و عرض میں کون نہیں جانتا ۔ کہ ان کی ذہنی صلاحیتیں اور سائنسی خدمات کتنی ''عظیم'' ہیں ۔؟ پروفیسر عبد السلام کو تو فزکس میں بیش قیمت ریسرچ اور نئے نظریہ کی کھوج کے لئے دنیا کا سب سے بڑا اور مشہور انعام ''نوبل پرائز'' تک مل چکا ہے ۔ مگر ان کی اس بے مثال ذہانت ، علمی قابلیت اور شعوری سائنسی کاوشوں کے باوجود کیا یہ بات تعجب خیز نہیں کہ یہ اور ان جیسی کئی سائنس کی فلک بوس ہستیاں قادیانیت کی زلف گرہ گیر کی اسیر ہیں اور نبی کذاب غلام احمد قادیانی جیسے خبطی کو نعوذ باللہ اللہ کا رسول اور پیغمبر تسلیم کرتی ہیں ۔۔۔

علامہ ڈاکٹر اقبالؒ نے شاید انہیں کے لئے یہ شعر کہا تھا

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سحر کر نہ سکا

یہی حال پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خاں کا بھی تھا جو زندگی بھر قادیانیت سے ہی وابستہ رہے ۔۔۔! آخر ایسا کیوں ہے ۔؟ اتنے باشعور ، ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد

بھی بچپن سے جس ماحول میں پل کر جوان ہوئے اور جو باتیں ان کے کانوں میں تسلسل اور تواتر سے پڑتی رہیں تو ایسے ذہین انسانوں کا شعور بھی اہل ہنود یا عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح پایانِ کار شل ہو کر رہ گیا اور ان کے لاشعور نے ان خرافات اور غلط نظریات کو جذبات عقیدت کی آمیزش کے ساتھ ''ٹھوس حقیقت'' کی شکل دے دی۔ لاکھ کوششوں اور عقلی و منطقی دلیلوں کے باوجود آپ ان کے مزعومہ ''مذہبی عقائد'' وخیالات سے انہیں ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ الّا یہ کہ وہ مقلب القلوب، رب العالمین ہی اپنے فضل سے کسی کی قلب ماہیت کر کے اسے ہدایت دیدے۔ بلاشبہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔! مسلمانوں میں شرک و بدعت کی فراوانی، اور قبر پرستی کے مظاہر کو بھی آپ اسی طرح قیاس کر لیجیے۔۔۔!

شعور و لاشعور کی اس ذہنی گتھی کو اب ذرا عوامی سطح پر سلجھا کر دیکھئے۔ ہمارا روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ جن جاہل اور اجڈ گھرانوں میں بچّے شعور کی سرحدوں میں قدم رکھتے ہی اپنے گھر کے ماحول میں ماں، باپ، چچا، بھائی وغیرہ عزیز و قریب لوگوں کے منہ سے ذرا ذرا سی بات پر ماں بہن کی گندی گالیوں اور فحش الفاظ کے برملا اظہار سے ان کے کان آشنا اور روز مرہ کے معمولات کی طرح عادی ہوتے ہیں تو جب وہ خود باشعور ہوتے ہیں تو ان کا لا شعور ان مغلظات اور بات چیت میں فحش الفاظ کے برملا روز مرہ استعمال کو ایک ''ہنر'' اور ''بات چیت کا ڈھنگ'' سمجھ لیتا ہے اور وہ بڑے ہو کر آپس کی حسبِ معمول گفتگو کے دوران بات بات پر بلا اشتعال انگیزی کے بھی گالیوں اور فحش الفاظ کو اپنا تکیہ کلام بنا لیتے ہیں۔۔۔!

اسی طرح جن گھرانوں کے ماحول میں دورِ جدید کی ''برکتوں'' سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ناچ گانے، کھیل تماشے اور رنگا رنگ ''ثقافتی پروگرام'' دیکھنے کے عادی بچے، بوڑھے، جوان، عورت، مرد، غرض کے سارے ہی افراد ہوتے ہیں۔ ان میں اس بات کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اخلاقی انحطاط، بے راہ روی، دین سے دوری، اور بے حیائی کے مہلک جراثیم تمام افرادِ خانہ میں پیدا ہو جاتے ہیں، شرم و حیا اٹھ جاتی ہے، بہن بھائی، باپ بیٹی ایک ساتھ بیٹھ کر فلموں کے حیا سوز مناظر روز دیکھتے ہیں۔ غیر محرموں کے گانے سنتے ہیں جن کے اکثر بول اور فقرے انتہائی فحش اور بازاری قسم کے ہوتے ہیں مگر روزانہ کی یہ

''تفریح'' اور بلا ناغہ نغمات سے ''دل بہلانے'' کی یہ عادت ان کے ضمیر کو بے حس اور عقل شعور کو اچھائی و برائی، حیاء اور بے حیائی، حرام حلال اور جائز و ناجائز کے احساس سے بیگانہ بنا دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ تمام خرافات، ناچ گانے، فلموں کے حیا سوز اور عریاں مناظر اور ان کے فحش و بازاری مکالمے وغیرہ ان کی طبیعتوں کی غذا بن جاتے ہیں اور فلمی ہیرو اور ہیروئن ان کا آئیڈیل! ان کے شعور کی مغلوجیت کی بنا پر ان چیزوں کے نقصانات اور گناہ و ثواب کی شریعت کی ہدایات ان کیلئے بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ خاص طور پر ایسے گھرانوں کے بچوں کو دیکھ لیجیے۔ جن کا ذہن ایام طفلی کی ابتداء ہی سے ناچ گانوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور وہ عموماً گلی کوچوں تک میں فلمی گانوں کے بول گاتے نظر آئیں گے۔۔۔!

یہ بطور نمونہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ شعور و لاشعور کی شکست و ریخت اور اس کی بوالعجبیوں کا یہ نفسیاتی کھیل ہر شعبہ زندگی میں جاری و ساری ہے اور انسان جو ''حیوانِ ناطق'' کہلاتا ہے، اپنے طور پر اس نفسیاتی داعیہ اور لاشعوری ذہنیت کے اس مضبوط جال سے کسی طور پر بھی دامن نہیں چھڑا سکتا۔ جب تک کہ اصلاح نفس کے بیرونی عوامل کا سخت دباؤ، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و ہدایت کارفرما نہ ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ

(۴) وحدت اسلامی کے عناصر اور اُن پر شب خون

اسلام اور مسلمان اس رُبع مسکون کے ہر خطہ پر موجود اور بحر و بر میں ہر جگہ آباد اور پھیلے ہوئے ہیں۔ ملکوں اور قوموں کی حد بندیوں کے باوجود اسلام نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو آپس میں ''بھائی بھائی'' بتایا ہے۔ ''کلّ مومن اخوۃ'' کا یہ نظریہ اپنے اندر ایک آفاقیت، ہمہ گیری اور ذہنی مرکزیت کے بیش بہا پہلو رکھتا ہے۔ عام طور پر مسلمانوں میں یہ ذہن پایا جاتا ہے کہ اسلام نے دین کی بنیاد پر تمام مسلمانوں کو جو ''بھائی بھائی'' بتایا ہے وہ صرف اس کی ''اخلاقی تعلیم'' ہے، ''تاکید و اطلاع'' ہے، ایک ''زریں اصول'' ہے اور بیش بہا نعمت! ہر مسلمان کو اس تعلیم و تاکید اور نعمتِ خداوندی کی پاسداری اور قدر کرنی

چاہئے اور دینی اخوت کی سنہری لڑی میں خود کو پرو دینا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ ''کل مؤمن اخوۃ'' کی تعلیم شریعت کے نزدیک محض اخلاقی ہدایت یا تاکید واطلاع تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ شریعت کی مطلوب صفت ہے، اور اس کا مقصود داعیہ ہے اس کی عملی مشق وتمرین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث مختلف عنوانات اور ہدایات کے ساتھ ملتی ہیں۔ یہ صفت امتِ مسلمہ کے وجود کی اساس اور اسکے بقاء واستحکام کی ضمانت ہے۔! اسلامی تعلیمات کا ایک ضروری جزو ہے۔!!

اسلام نے اپنے متبعین اہلِ ایمان کو باہم متفق ومتحد کرنے اور ان کے جذبہ اخوت کو فروغ دینے کے لئے جو بیش بہا ہدایات دی ہیں۔ ان کی پیروی اور ان پر عمل کرنے سے مسلمان آج بھی ایک بار پھر ''جسدِ واحد'' اور ''بنیان مرصوص'' بن سکتے ہیں۔ جس طرح وہ دورِ صحابہؓ وتابعین اور قرونِ اولیٰ میں جذبہ اخوت سے سرشار اور باطل کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے ہوئے تھے۔!

اسلامی معاشرے کی اصلاح وتربیت کے لئے اسلام نے جو تدابیر اختیار کی تھیں اور اس ضمن میں جو احکامات وہدایات شریعت نے دی ہیں ان میں سرِ فہرست اپنے مسلمان بھائی کو بلا تخصیص اور جان پہچان وتعلقات کے سلام کرنا، اس کے سلام کا جواب دینا۔ آپس میں ملاقات کے وقت مصافحہ یا معانقہ کرنا، دوسرے کی چھینک کی آواز پر یرحمک اللہ کہنا، باہم ہدیہ اور تحفہ تحائف کا لین دین کرنا۔ ایک دوسرے کی دعوت کرنا اور دعوت قبول کرنا۔ بیمار ہونے پر اس کی عیادت کرنا اور بعد مرگ اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرنا وغیرہ امور کو ایک مومن کے دوسرے مومن پر ''بنیادی حقوق'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کو ''حقوق العباد'' بتایا گیا ہے اور ان کی کوتاہی یا عدم ادائیگی پر قیامت کے دن میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کے محاسبہ کرنے کی وعید سنائی گئی ہے۔!

مذکورہ بالا ''حقوق'' کے علاوہ باہمی تعلقات کو استوار رکھنے اور اسلامی معاشرہ میں توازن اور یک رنگی قائم کرنے کے لئے کچھ اخلاقی ہدایات اور پابندیاں بھی اسلام اپنے ماننے والوں پر عائد کرتا ہے جیسے غیبت یعنی کسی مسلمان کی پیٹھ پیچھے برائی یا اس کا اس انداز

میں تذکرہ جو اگر اس کے سامنے کیا جاتا تو اسے ناگوار گذرتا۔ اسی طرح چغلی کھانا، طعنہ زنی کرنا، کسی کی عیب جوئی کرنا، جھوٹ بولنا اور معاملات میں دھوکا اور بے ایمانی کرنا، قطع رحمی کرنا وغیرہ وغیرہ ان تمام باتوں کو شریعت نے گناہِ کبیرہ بتایا ہے اور انہیں بھی ''حقوق العباد'' کی فہرست میں شمار کیا ہے جن پر حشر کے دن محاسبہ ہوگا اور حق دار کو اس کا حق دلایا جائے گا۔! کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق اور سلام وکلام بند کرنے کو شریعت نے ''حرام'' قرار دیا ہے۔!

ملتِ اسلامیہ میں جب تک ان اسلامی احکام وہدایات پر سختی سے پابندی کرنے کا داعیہ اور باہمی حقوق کا پاس ولحاظ اور ان کی بجا آوری کا جذبہ کار فرما رہا، وہ باہم متفق ومتحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیواروں کی طرح مضبوط ومستحکم تھے جس سے ٹکرا کر ہمیشہ باطل پاش پاش ہوتا رہا اور اسلام دشمن عناصر کے تخریبی منصوبے پیوندِ خاک ہوکر رہ گئے۔ اس وقت دنیا کے تمام مسلمان نہ صرف یہ کہ ''جسدِ واحد'' تھے بلکہ وہ کشور کشا بھی تھے۔ ایک قلیل عرصے میں انہوں نے قیصر وکسریٰ جیسی عظیم سلطنتوں کے تخت الٹ دیئے اور بحر وبر کو اپنے گھوڑوں کی سُموں سے روند ڈالا۔! بہر نوع:

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اسلامی معاشرہ کی شیرازہ بندی اور مسلمانوں کو آپس میں متفق ومتحد اور شیر وشکر کرنے کے لئے اسلام نے ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کی جو ترغیب، تاکید اور اہمیت دی ہے ویسی اہمیت اور تاکید وہدایات اسلام کے رکن وعبادت ''نماز'' کے علاوہ کسی اور عمل یا عبادت کے لئے نہیں ملتی۔ قرآن مجید کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں جتنی شدت اور تاکید کے ساتھ براہِ راست ''اقامتِ صلوٰۃ'' کے احکام وہدایات جگہ جگہ نظر آتی ہیں، تقریباً اتنی ہی اہمیت اور تاکید وتادیب ہمیں مسلمانوں کو آپس میں سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کے لئے ملتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ ''النساء'' میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (النسآء:۸۶)

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم زیادہ بہتر طریقہ پر اس کے سلام کا جواب دو۔ یا پھر ویسے ہی الفاظ اس سلام کہنے والے کو واپس لوٹا دو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تم سے ہر چیز کا حساب لے گا۔

واضح رہے کہ جس کسی مخصوص عمل کے کرنے یا نہ کرنے کا ''باقاعدہ حساب'' لئے جانے کا قرآن یا حدیث میں تذکرہ ہو، وہ عمل یا تو فرض کا درجہ رکھتا ہے یا واجب کا۔ اور واجب کی اہمیت فرض سے کم نہیں ہوتی۔! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سلام کا جواب بہرصورت دینے کی تاکید وتہدید فرمائی ہے خواہ تم انہیں الفاظ میں جواب دو یا اس سے عمدہ اور بہتر طریقہ پر زیادہ بہتر الفاظ میں دو، کسی مسلمان بھائی کے سلام کا جواب تمہارے ذمہ سے بہرحال ساقط نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن تمہیں اس کوتاہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا۔۔۔!

اسی طرح سورہ ''النور'' میں ارشاد ربانی ہے :

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ط

جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو دعا کے طور پر جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔!

سلام کی خصوصی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جنّت میں پہونچ جانے کے بعد جب کہ تمام مراسم عبودیت، نماز، روزہ وغیرہ سب ساقط ہوجائیں گے، یہاں تک کہ باری تعالیٰ سے ملاقات اور دیدار کے وقت بھی سجدہ کرنے سے روک دیا جائے گا۔ اس وقت اور ایسے ماحول میں بھی ''سلام'' کا عمل باہم ملاقات ہونے پر جاری وساری رہے گا۔۔۔!

سلام کی اس مخصوص اہمیت اور اسلامی معاشرہ کی تربیت کے لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات گرامی کتب احادیث میں ملتے ہیں :

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ اعبدوا الرحمٰن و اطعموا الطعام و افشوا السلام تدخلوا الجنة بسلام. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لوگو! رحمٰن کی عبادت کرو اور اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب چاروں طرف پھیلاؤ، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل کردیئے جاؤ گے۔

اسی طرح صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! اسلام میں کیا چیز (یعنی کونسا عمل) زیادہ اچھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلایا کرو اور ہر شخص کو سلام کیا کرو۔ خواہ اس سے تمہاری جان پہچان ہو یا نہ ہو۔۔۔! (متفق علیہ)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

''تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ پورے طور پر مؤمن نہ بن جاؤ (یعنی تمہاری زندگی شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہی بسر ہو) کیا تمہیں میں وہ عمل نہ بتادوں جس کے کرنے سے تمہارے اندر باہمی محبت ویگانگت پیدا ہوجائے (اور وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ'' (صحیح مسلم)

یہ حدیثِ نبوی اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ ایمان جس پر داخلہ جنت کی بشارت اور وعدہ ہے وہ صرف کلمہ پڑھ لینے اور عقیدہ کا ہی نام نہیں بلکہ کلمہ کے تقاضوں میں دیگر اعمالِ عبودیت کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان سے باہمی الفت ومحبت بھی ''لازمی شرط'' ہے۔ جس کی بجاآوری کے بغیر دعویٰ ایمان معتبر نہیں ہوسکتا۔۔۔!

سلام ہی کے سلسلے میں سنن ابی داؤد اور ترمذی کی یہ روایت بھی قابلِ غور ہے :

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ''السلام علیکم'' آپؐ نے

اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ شخص مجلس میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا "عشر" (یعنی اس کے لئے دس نیکیاں لکھی گئیں) اس کے بعد پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپؐ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا۔ پھر جب وہ بھی وہاں بیٹھ گیا تو آپؐ سے فرمایا "عشرون" (یعنی یہ شخص بیس نیکیوں کا مستحق ہوگیا) پھر ایک تیسرا شخص اس مجلس نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپؐ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور جب وہ محفل میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا "ثلاثون" (یعنی اس شخص کے لئے تیس نیکیاں ثابت ہوگئیں)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم اور انعام وقانون ہے کہ امت مسلمہ کا جو شخص بھی ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کے برابر اجر دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا چنانچہ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں، جس نے صرف ایک کلمہ "السلام علیکم" کہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے دس نیکیوں کا اجر ہے اور دوسرے شخص نے جب سلام کے ان الفاظ کے ساتھ "ورحمۃ اللہ" کا اضافہ کیا تھا تو اس کے لئے آپؐ نے بیس نیکیاں ملنے کی اطلاع دی تھی۔ اسی طرح تیسرے شخص نے جب "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کے الفاظ کے ساتھ ایک اور کلمہ "وبرکاتہ" کا اضافہ کیا تو آپؐ نے اسے پوری تیس نیکیاں ملنے کی خوشخبری سُنائی ---!

یہ حدیثِ نبویؐ مسلمانوں کی اس عمومی ذہنیت کی نفی کرتی ہے کہ کسی کو "السلام علیکم" کہنا محض ایک دعا ہے جو مخاطب کی سلامتی کے لئے کی جاتی ہے کہ تم پر سلامتی ہو، تم خوش و خرم رہو، تم ہر قسم کی آفات وبلاء سے محفوظ رہو وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا جن لوگوں سے ہماری مخالفت اور ناراضگی ہے، ہم ان کو سلام کر کے ان کی خیر خواہی کیوں کریں۔؟ وہ ہمارے دشمن اور ہم ان کے دشمن! یہ حدیثِ نبویؐ اس بر خود غلط ذہنیت اور فاسد خیال ونظریہ کی جڑ ہی کاٹ دیتی ہے۔ اس حدیث سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو "السلام علیکم" کہنے کا عمل نہ صرف یہ کہ مخاطب کے لئے دعا کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس کی ادائیگی کے

ساتھ ہی ہمارے نامہ اعمال میں بھی کم از کم دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر ہم نے اگر "ورحمۃ اللہ" کے الفاظ بھی السلام علیکم کے ساتھ شامل کر لئے تو بیس نیکیوں کے ہم بہر حال مستحق ہو گئے اور اگر "ورحمۃ اللہ" کے ساتھ میں ہم "وبرکاتہ" کے الفاظ بھی جوڑ دیں تو ہمیں بیٹھے بٹھائے تیس نیکیاں بلا مشقت مل گئیں ---! کیا یہ ہمارے لئے کسی بھی لحاظ سے خسارے اور گھاٹے کا سودا ہے ---؟؟

جہاں تک "السلام علیکم" کے الفاظ کے ذریعہ مخاطب کے لئے سلامتی کی دعا اور اس کی خیر خواہی کی بات ہے تو اس کے لئے ہماری دی ہوئی یہ دُعا اسی وقت کارگر اور باعث سلامتی ہوگی جبکہ وہ شخص ہدایت یافتہ ہو اور اس کا شمار صالح مسلمانوں میں ہوتا ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (طٰہٰ: ۴۷) — اور سلامتی پانے کا مستحق صرف وہی انسان ہے جو ہدایت کی پیروی کرے (ہدایت یافتہ ہو)

یعنی گمراہی میں مبتلا اور اللہ کے باغیوں کی سلامتی کی کوئی دعا یا سفارش اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہوگی۔ سلامتی کے مستحق صرف ہدایت یافتہ لوگ ہی ہیں ---! لہٰذا اگر ہم نے کسی ایسے کلمہ گو مسلمان بھائی کو سلام کیا یعنی اس کی سلامتی کی دعا کی تو اگر وہ راہِ ہدایت سے دور ہے اور شرک کے آزار میں مبتلا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک گمراہوں اور باغیوں میں شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ (النساء: ۱۱۶) — جس نے اللہ تعالیٰ (کی ذات یا صفات میں) کسی کو بھی شریک کیا۔ وہ گمراہی میں بہت دور تک مبتلا ہو گیا!

ایسی صورت میں بلا شبہ اس شخص کے حق میں ہماری یہ سلامتی کی دعا بیکار چلی جائے گی۔ مگر ہمیں السلام علیکم کے دعائیہ الفاظ کی ادائیگی کا صلہ دس، بیس، یا تیس نیکیوں کی صورت میں بہر حال مل کر رہے گا۔ کیونکہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور وعدہ ہے! لہٰذا ایسی صورت میں ہمیں ہر کس وناکس کلمہ گو مسلمان بھائی کو سلام کرنے میں کیا

نقصان ہے ۔۔۔؟ ہم تو بہر صورت فائدے میں ہی رہیں گے خواہ وہ مخاطب اللہ کے نزدیک سلامتی کا مستحق تھا یا نہیں تھا ۔۔۔!

نماز میں جب ہم ''التحیات'' پڑھتے ہیں تو اس میں یہ دعا بھی پڑھتے ہیں :

السَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ (اے اللہ) ہم پر اپنی سلامتی نازل فرما اور اللہ کے نیک وصالح بندوں پر بھی سلامتی کا نزول فرما۔

اس سے معلوم ہوا کہ ''سلامتی کی دعا'' (السلام علیکم) کی قبولیت کا انحصار نہ صرف یہ کہ کسی کے مسلمان اور ہدایت یافتہ ہونے پر ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس مسلمان کا شمار اللہ تعالیٰ کے نزدیک صالح اور اطاعت گزار بندوں میں بھی ہونا چاہئے۔ یعنی اگرچہ کسی کا صاحبِ ایمان ہونا ہی اسکے ہدایت یافتہ ہونے کی دلیل ہے بشرطیکہ وہ اپنے ایمان کے شہد اور ہدایت کی شیرینی کو شرک بدعت کے ایلوے کی آمیزش کر کے اسے کڑوا اور بیکار نہ کر دے۔ اس لئے سلامتی کیلئے ہدایت کی شرط کے ساتھ صالحیت اور حسنِ عمل کی شرط بھی لگا دی گئی ہے ۔۔۔!

ایسی صورت میں اگر کسی کلمہ گو مسلمان کو صاحبِ ایمان ہونے کی وجہ سے اپنا دینی بھائی سمجھتے ہوئے ہم اسے سلام کرتے ہیں تو ہمارا یہ عمل خود ہمارے لئے یقیناً باعثِ اجر و ثواب ہی ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ شخص جس کو سلام کیا گیا ''صالحین'' کی صف میں اللہ کے نزدیک (پابندیوں کے نزدیک) شمار نہ ہوتا ہو اور اس کے حق میں ہماری یہ ''خیر خواہی'' کی دعا قابلِ قبول نہ ہو اور وہ اس نعمت کے حصول سے محروم رہ جائے ۔۔۔!

سلام کے سلسلے میں اس کا یہ پہلو بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ کسی کو ''السلام علیکم'' کہنا بلاشبہ مخاطب کے لئے سلامتی اور خیر خواہی کی دعا ہے۔ اگر ہمارا مخاطب بدقسمتی سے ہمارے نزدیک ہدایت کے راستے پر نہیں ہے بلکہ گمراہ ہے۔ صالح اور نیک نہیں بلکہ گنہگار اور بدکار ہے تو کیا ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ ہم اس کی ہدایت اور اصلاح کے لئے کوشش اور دعا کریں ۔۔۔؟ جبکہ ایک حدیثِ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مسلمان بھائی کے لئے اس کے دوسرے کسی مسلمان بھائی کی دعائے خیر بہت جلد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی

ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ خود اپنے لئے دعا کر رہا ہو۔ کیونکہ دوسرے کے لئے دعا کرنے میں خلوص، بے غرضی اور خیر خواہی کا جذبہ دل میں موجزن ہوتا ہے اور اپنے لئے دعا میں ''خود غرضی'' کے عنصر کی شمولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔۔۔! لہٰذا ایسی صورت میں اگر ہم کسی مسلمان بھائی کو اس کے ایمان و عمل میں کوتاہیوں سے واقف اور اسے اپنی دانست میں صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا سمجھنے کے باوجود ''السلام علیکم'' کے الفاظ کے ذریعہ اسے سلامتی اور خوش بختی کی دعا دے دیا کریں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ غفور الرحیم اس شخص کے حق میں ہماری اس پر خلوص دعاءِ سلامت روی کو اپنے لطف و کرم سے شرفِ قبولیت عطا فرما دے اور وہ اللہ کی توفیق سے غلط راستوں کو چھوڑ دے اور گمراہیوں کے اندھیروں سے نکل کر صراطِ مستقیم کی روشن شاہراہ پر آ جائے۔ کیا اس طرح ہم اپنی اس مختصر سی دعا ''السلام علیکم'' کے ذریعہ اس کو جہنم سے بچانے کا سبب اور واسطہ نہیں بن سکتے ۔۔۔؟ اور کسی انسان کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کیا ہمارے لئے سعادتِ دارین کی بات نہیں ہوگی ۔۔۔؟؟

بہر نوع! اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ''السلام علیکم'' کا یہ عمل اسلامی معاشرے کی پرشکوہ عمارت کی تعمیر میں اس کی اینٹوں کو باہم جوڑنے اور مضبوط و مستحکم سقف اور بام و در بنانے کے لئے ایک ناگزیر مسالہ اور بہترین ''سیمنٹ'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ہمارے اس بوسیدہ اسلامی معاشرے کی تعمیرِ نو کے لئے درکار مسالہ میں ''السلام علیکم'' کے عنصر یا ''سیمنٹ'' کی مقدار جتنی زیادہ شامل ہوگی، اتنی ہی مضبوط، پائیدار اور مستحکم عمارت وجود میں آئے گی۔ جو بادِ مخالف کے تھپیڑوں، بدلتے موسموں کے تیور اور مشکلات و حادثات کی ہلاکت خیز آندھیوں سے امتِ مسلمہ کی اسی طرح حفاظت کرے گی جس طرح قرونِ اولیٰ میں کی تھی ۔۔۔!

مسلمانوں میں باہم ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' کی کثرت اور تاکید و اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے سننِ ابی داؤد کی یہ صحیح حدیث بھی ہمیں دعوتِ فکر و عمل دیتی ہے۔ جس کے راوی مشہور صحابیِ رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آپ فرماتے ہیں : ۔۔۔

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ وہ اس کو سلام کرے۔ اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا پتھر کی چٹان ان دونوں کے درمیان حائل ہوجائے (اور تھوڑی دیر کے لئے وہ دونوں ایک دوسرے کی نگاہ سے غائب ہوجائیں) اور اس کے بعد پھر سامنا ہو تو پھر سلام کرے۔'' (رواہ ابوداؤد)

بہرکیف! اسلامی حقوق اور سماجی روابط میں ''السلام علیکم'' کو جو مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے اور احادیثِ نبویؐ میں اس کی جس طرح زبردست تاکید وترغیب ملتی ہے وہ محض اسلوبِ ملاقات، ملّی رواج، اسلامی شناخت اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کی علامات اور اعلان تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ''افشو السلام'' یعنی سلام کو خوب پھیلاؤ کا فرمان نبویؐ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ عمل نفسیاتی اعتبار سے بھی باہمی ذہنی قربت، خیر سگالی کا اظہار اور آپس میں دلوں کی کدورت دھونے کا ایک مؤثر ذریعہ اور بہترین لائحہ عمل ہے۔ ایک مسلمان جب اپنے بھائی سے ''السلام علیکم'' کہتا ہے تو اس طرح اس کا مقصد نہ صرف یہ کہ اس کے جان و مال کی سلامتی کی دعا دینا ہوتا ہے بلکہ بالواسطہ طور پر وہ اپنے اس دینی بھائی کو اس طرح یہ آگاہ بھی کرتا ہے کہ تم میری طرف سے مطمئن رہو۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، بدخواہ نہیں ہوں، تمہارا ہمدرد ہوں، دشمن نہیں ہوں، تمہاری جان و مال اور عزت وآبرو میری دست برد سے ہمیشہ محفوظ رہیں گے، تمہارے مفادات اور بھلائی مجھے اسی طرح عزیز ہے جس طرح میں خود اپنے لئے ان باتوں کو عزیز ومحبوب رکھتا ہوں۔ چنانچہ اس حقیقت کی طرف ایک اور حدیثِ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیدہٖ لا یؤمن عبد حتیٰ یحبَّ لاخیه ما یحبّ لنفسهٖ۔ (متفق علیه)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قسم اس ذات پاک کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ سچا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

بہر نوع! ''السلام علیکم'' کہنے والے کو بھلے ہی ان تمام باتوں کا شعور اور ذہنی استحضار نہ ہو مگر اسلامی معاشرے میں سلام کی کثرت اور قدم قدم پر اس عمل کا دن رات میں سیکڑوں مرتبہ اظہار ہوتے رہنے کے نتیجہ میں ''السلام علیکم'' کے الفاظ میں پوشیدہ یہ تمام فوائد وبرکات غیر محسوس طریقے پر اسلامی معاشرے کے افراد میں ظاہر ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور بار بار سلام وجوابی سلام کی تکرار سے لاشعور میں ذہنی قربت اور ایک دوسرے کے لئے جذباتِ اخوت ومحبت کی نمو ہوتی ہے۔ دلوں کی زنگ اور کدورت رفتہ رفتہ زائل ہونا شروع ہوجاتی ہے اور بغض ونفرت کے تاریک افق سے باہمی محبت ویگانگت اور ہمدردی واپنائیت کا نیر تاباں طلوع ہوتا ہے۔! جس طرح قرآن واحادیث میں مختلف آیات، دعاؤں اور قرآنی عملیات کے ورد کے نتیجہ میں ان کے الفاظ کی تاثیر کا ظہور میں آنا ثابت ہے۔ مثلاً لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھنے سے شیطان کے فرار ہونے کی حدیث نبوی یا معوذتین اور دیگر اور دعاؤں کی مسلّمہ تاثیرات وغیرہ تو پھر ''السلام علیکم'' کے ورد کی کثرت اور مسلم معاشرہ میں اس کی تشہیر واشاعت سے مطلوبہ نتائج اسلامی معاشرے کے افراد میں آخر کیوں نمودار نہ ہوں گے ــــ؟ کیا سلام کی کثرت کی تاکید اور عمل اسلامی معاشرے کی بھلائی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا نہیں ہے۔؟ اور کیا کسی مسلمان کو فرمانِ رسولؐ میں کسی قسم کا کوئی شبہ یا تردد ہوسکتا ہے ــــ؟؟

مسلمانوں میں باہمی الفت ومحبت کے جذبات کی افزائش اور فروغ کیلئے ''السلام علیکم'' کے عمل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشگوار تعلقات استوار کرنے کیلئے ایک اور لاجواب ''فارمولا'' ارشاد فرمایا تھا۔ اور وہ حدیثِ نبوی کے مطابق یہ تھا۔

"تَهَادُوْا تَحَابُّوْا"۔

آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ دیتے رہا کرو، اس سے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے محبت والفت کے جذبات پیدا ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے باہمی محبت اور الفت کے فروغ کے لئے اس بے مثال ''فارمولے'' کی افادیت سے انکار کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو

عینِ انسانی نفسیات کے مطابق ہے۔ اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کرنا
اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھانا بھی اسی لئے باعثِ ترغیب اور نفع بخش بتایا گیا ہے کہ اس
سے جذبہ خلوص واخوت کو جلاء ملتی ہے۔ کیونکہ ہدیہ اور تحفہ کے لین دین تک تعلقات محدود
رہنے میں دکھاوا، بدلہ اور ناموری کا جذبہ بھی کسی حد تک شامل ہو سکتا ہے مگر دعوت کرنے
عمل خلوص نیت کے بغیر عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ گویا یہ دعوت کا عمل ایک طرح سے مسلمانوں
میں باہمی جذبہ خلوص کو مہمیز کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ اسی طرح بیمار پرسی اور عیادت
بھی جذبہ خلوص کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ تاہم اس میں بھی کچھ نہ کچھ رواج یا ریا کی
آمیزش ہونا ممکن ہے مگر کسی کی وفات پر شریک جنازہ ہونا اور اس کی تدفین ونمازِ جنازہ
میں حصہ لینا کسی بھی صورت میں ریا کاری کا عمل نہیں ہو سکتا۔ تعزیت کا عمل بلاشبہ انسان
کے دلی جذبات کا آئینہ دار ہے ——!

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے رشتہ اخوت کو انتہائی اہم اور مقدس
قرار دیا ہے اور امت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور پر یہ ہدایت اور تاکید فرمائی
کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور باہم خیر خواہ، خیر اندیش اور معاون ومددگار بن کر
رہیں۔ ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے اور اس دینی تعلق اور رشتہ سے جو ایک دوسرے کے
واجب حقوق ہیں ان کی ادائیگی میں دریغ نہ کرے۔!

بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کا تعلق ایک مضبوط
عمارت کی طرح ہے۔ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے اپنے ایک
ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم
ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہونا چاہئے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا، سارے مسلمان ایک شخص واحد (کے مختلف اعضاء جسم) کی طرح ہیں۔
اس کی آنکھ دکھے تو اس کا سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے اور اسی طرح اگر اس کے سر میں

درد ہو تو بھی سارا جسم درد میں شریک ہو جاتا ہے ——!

اسلام نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں غیبت، جھوٹ اور بہتان کو گناہِ کبیرہ
تعبیر کیا ہے اور اول الذکر کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کی طرح کریہہ
قابل نفرت عمل بتایا ہے۔ اسی طرح چغل خوری کے مرتکب کے لئے جنت میں داخلہ کو
ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ اور لَیسَ المومن بالطّعّانِ واللّعان والی حدیث میں لعنت
کرنے کے فعل اور طعنہ زنی کی قبیح عادت کو ایمان کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح
حدیث نبویؐ مَنْ غشّنا فلیس مِنّا میں صاف طور پر اس بات کی منادی کر دی ہے کہ
جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کو دھوکہ دے، وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی
مسلمانوں میں اس کا شمار نہیں ہوگا) ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ شخص فرمانِ رسولؐ کے
مطابق جب مسلمانوں میں شمار نہیں تو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک یا تو اس کا شمار
منافقین کی صفوں میں ہوگا یا پھر دشمنانِ اسلام کفار وغیر مسلمین میں۔ کیا یہ معمولی سرزنش
اور ہلکی وعید ہے ——؟؟

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ کہ "سباب المؤمن
فسق وقتالہٗ کفر" یعنی کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر کے برابر
گناہ ہے۔ اسلامی معاشرے میں باہمی تعلقات کو متوازن رکھنے اور ایک دوسرے کی توقیر
وعزت وآبرو کا احترام کرنے کے لئے ایک مؤثر کردار ادا کرتی ہے ——!

اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا احکام وہدایات اسلامی معاشرے
کی وحدت اور مسلمانوں کے جذبہ اخوت کی حفاظت کیلئے ایک "مستحکم حصار" کی حیثیت
رکھتی ہیں۔ اس حصار کو توڑے بغیر اسلامی عقائد اور قرآن وسنت پر مبنی نظریات کے فولادی
قلعہ پر ضرب لگانا اور اسے "فتح کرنا" ممکن نہیں۔ اس حقیقت کو دشمنانِ اسلام یہود اور
اہل تشیع اچھی طرح جانتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی ساری توجہ انتشارِ امت مسلمہ کی طرف
مبذول کر دی اور اختلاف وافتراق امت کی کوششوں میں اپنی ساری توانائی اور تمام وسائل
جھونک دئے۔! خاص طور پر برصغیر ہندوپاک میں "بریلویت" کے بینر تلے اہل تشیع کے

مستقل نمائندے اور ان کے عقائد ونظریات کے معنوی ''ڈسٹری بیوٹر'' جناب ا
خاں صاحب بریلوی نے تفریق بین المسلمین کے لئے مسلسل پچاس سال تک جو
کوششیں کی ہیں اور اس کے نتیجہ میں ہندوستان کی سرزمین پر مسلم عوام کا جس
کے ساتھ ذہنی استحصال (Exploitation) ہوا ہے اس کی داستان المناک بھی
عبرت انگیز بھی ـــ! خانصاحب بریلوی نے تقیہ کے لبادے میں مستور ہو کر کن
اور مفسدانہ چالوں کے ذریعہ مسلمانانِ ہند کو متفرق ومنتشر اور باہم متنفر کیا ہے،
صفحات میں ہم اس کا مختصر سا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی ذہنی پیش رفت اور افتادِ طبع کا جا
سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شیعہ کاز کے لئے کس قدر سنجیدہ، فکرمند اور ہمہ وقت فعال
تھے۔ مسلمانوں کی صفوں میں رخنہ اندازی اور انہیں باہم دست بگریباں کرنے کے
انہوں نے نہایت منظم طور پر اور باقاعدہ ''پلاننگ'' کے ساتھ مسلسل پچاس سال
جدوجہد کی تھی اور بالآخر وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو باہم لڑانے اور ایک دوسر
متنفر اور بیزار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ خانصاحب بریلوی کے سوانح نگار
احمد پیلی بھیتی نے بھی اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

''مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال مسلسل اسی جدوجہد میں
منہمک رہے۔ یہاں تک کہ مستقل طور پر دو مکتب فکر قائم ہو گئے۔ دیوبندی یا
وہابی اور بریلوی۔'' {۱}

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اسلام کے مستحکم قلعہ میں نقب لگا
مسلمانوں کو علمائے اسلام اور اسلامی تعلیمات سے دور کرنے کے لئے سب سے
''علماء دیوبند'' کے خلاف ایک محاذ بنایا جس کی کچھ تفصیلات قارئین کرام گذشتہ صفحا
ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ پھر جب اس بے بنیاد اور جھوٹے پروپیگنڈے سے متا
مسلمانوں کا ایک معتدبہ طبقہ ان علماء سے بدگمان اور متنفر ہو گیا تو پھر خانصاحب بر

{۱} ''سوانح اعلیٰ حضرت'' قاری احمد پیلی بھیتی، ص ۸۔

ری سمجھا کہ ان علماء دیوبند کے متبعین جو ہندوستان کے طول وعرض میں کثرت سے
ے ہیں ان کے خلاف بھی محاذ آرائی شروع کر دیں۔ چنانچہ جاہل عوام میں نہایت
ور سے اس بات کا پروپیگنڈہ کرنے کے بعد کہ دیوبندی وہابی رسول اللہ صلی اللہ
لم کی توہین کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کو نہیں مانتے وغیرہ وغیرہ انہوں نے اسلامی
وں اور حدیث وفقہ کے صفحات پر مذکور مرتدین، منافقین، خوارج اور اہل بدعت
لئے جو احکامات وہدایات مسلمانوں کو دئے گئے تھے ان سب کو ''وہابیوں'' پر چسپاں
ا اور عوام کو یہی باور کرایا کہ یہ سب احکام ان ''وہابیوں دیوبندیوں کے لئے ہی قرآن
ث میں آئے ہیں۔ اور وہابی دیوبندی ''دشمنِ رسول'' ہیں اس لئے یہ ہر کافر مرتد،
صرانی، مجوس اور ہندوؤں تک سے بدتر ہیں ـــ!

اہل تشیع لفظ ''بدعت'' سے بہت چڑتے ہیں اور وہ اسلام میں بدعت کا وجود تسلیم
یں کرتے ''اصول کافی'' میں ابو جعفر یعقوب کلینی رازی نے لکھا ہے کہ ''دینی احکام کو
کر دینا ''آئمہ معصومین'' کی تعلیم وہدایات کے خلاف اور ''ناصبی'' لوگوں کا طریقہ۔
ریاتِ دین میں حالات وزمانہ کے لحاظ میں ناگزیر ترمیم واضافہ اور احکام میں ردّ
ل ''آئمہ معصومین'' اور ان کے نائبین خاص شیعہ مجتہدین جو ان کی اصطلاح میں ''امامِ
ف'' یا ''آیت اللہ'' کہلاتے ہیں، ان پر ہر سال شب قدر میں نازل ہونے والی ہدایات
ربانی کی روشنی میں بلاشبہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ''اصول کافی'' کے ''باب البداء'' میں
امام جعفر صادق سے منسوب ایک روایت لکھی گئی ہے جس میں انہوں نے قرآن مجید کی
آیت میں يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ (الرعد: ۳۹) کی
تفسیر اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کتاب میں ہے۔

وهل يُمحى الا ما كان ثابتاً و — وہی چیز مٹائی جاتی ہے جو پہلے سے موجود تھی اور
هل يثبت الا ما لم يكن۔ — وہی چیز ثبت کی جاتی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ {۲}

{۱} ملاحظہ ہو ''فتاویٰ رضویہ'' احمد رضا خاں بریلوی، ج ۶ ص ۱۳۔
{۲} ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی رازی، ص ۸۵۔

اسکی شرح اور تفہیم کرتے ہوئے "اصول کافی" کے شارح علامہ قزوینی نے لکھا ہے

"برائے ہر سال کتاب علیحدہ است مراد کتاب است کہ در آں تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام است تا سال دیگر نازل شود بآں کتاب ملائکہ و روح در شب قدر برامام زماں۔" {۱}

ہر سال کیلئے ایک کتاب علیحدہ ہوتی ہے اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں ان احکام حوادث کی تفسیر ہوتی ہے جن کی ضرورت امام وقت کو آئندہ سال تک ہوگی۔ اس کتاب کو لیکر ملائکہ اور الروح شبِ قدر میں امامِ زماں پر نازل ہوتے ہیں۔

بانئ بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب بھی اپنے شیعی مزاج کے افتادِ طبع کی بنا پر "بدعت" سے بہت "الرجک" تھے اور شیعہ آئمہ مجتہدین کی تقلید میں اسلام کے احکام و شرعی معاملات میں "جدت طرازی" کے قائل اور اس پر سختی سے عامل تھے اور زندگی بھر وہ دینِ اسلام میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے اور ملتِ اسلامیہ کی اصل شبیہ مسخ کرنے میں لگے رہے——!

جہاں کہیں بھی انہیں اپنی کتابوں میں مجبوراً یا بطور تقیہ اس قسم کی احادیث نقل کرنی پڑگئی ہیں جن میں بدعت اور اہل بدعت کا تذکرہ اور ان کی مذمت ہے تو انہوں نے ایسی ہر جگہ پر جاہل عوام اور عربی سے نابلد اپنے معتقدین و مریدین کو فریب دینے کے لئے "بدعت" اور "بدعتی" کا ترجمہ "بدمذہب" کے لفظ سے کیا ہے، تاکہ اس طرح وہ بالواسطہ طور پر اہل سنت کے مشہور مذاہبِ اربعہ یعنی حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی پر تبرّا اور ان کی مذمت کرسکیں اور ان مذاہب کے ماننے والوں کو گمراہ اور کافر کہہ کر اپنے شیعی جذبۂ تکفیر کو تسکین بہم پہونچاسکیں——!

واضح رہے کہ دُنیا میں فی الوقت موجود تقریباً ایک ارب یعنی سو کروڑ مسلمانوں کے عقائد کا اگر "سروے" کیا جائے تو اس جائزہ میں——معدودے چند غیر مقلدین کو چھوڑ کر—— وہ سب کے سب مذاہبِ اربعہ میں سے ہی کسی نہ کسی کے پیروکار ملیں گے۔

خانصاحب بریلوی نے علماء دیوبند اور ان کے متبعین کو گمراہ اور جہنم کا ایندھن ثابت کرنے

{۱} "الصافی شرح اصول کافی" علامہ قزوینی ج ۲ ص ۲۲۹۔

کے لئے پہلے تو ذخیرۂ احادیث میں سے کچھ حدیثیں اہل بدعت کی مذمت میں وارد ذکر کیں اور ان میں لفظ "اہل بدع" کا ترجمہ "بدمذہب" سے کرنے کے بعد، علماء دیوبند اور ان کے متعلقین کو "بدمذہب" بتاتے ہوئے وہ ساری احادیث نبوی ان پر چسپاں کردیں——!

مثال کے طور پر خانصاحب بریلوی اپنے "فتاویٰ رضویہ" جلد سوم کتاب النکاح باب الکفایہ میں یہ حدیثِ نبوی نقل کرتے ہیں:——

" اخرج دارقطنی قال: حدثنا القاضی الحسین بن اسمعیل نا محمد بن عبد الله المخزومی نا اسمعیل بن ابان ثنا حفص بن غیاث عن الاعمش من ابی غالب عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اهل البدع کلاب اهل النار." {۱}

خانصاحب بریلوی یہ حدیث مع اسناد نقل کرنے کے بعد "فائدہ" کے تحت کتاب کے حاشیہ پر اس کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:——

"بدمذہب اہل جہنم کے کتے ہیں"۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے معاً بعد مذکورہ بالا حدیث کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی خانصاحب بریلوی ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

"واخرجه عنه ابوحاتم الخزاعی فی جزئه الحدیثی بلفظ اصحاب البدع کلاب اهل النار۔"

ابوحاتم خزاعی کی تخریج کردہ حدیث میں بھی "اصحاب البدع" کے لئے کلاب اہل النار یعنی "اہل جہنم کے کتے" کے الفاظ موجود ہیں۔

اس کے بعد "فتاویٰ رضویہ" جلد سوم کے اسی صفحہ پر احمد رضا خاں صاحب بریلوی، "اہل بدعت" کے بارے میں ایک اور حدیث ابونعیم الاصبہانی کی مشہور کتاب "الحلیہ" سے نقل کرتے ہیں:——

{۱} "فتاویٰ رضویہ" احمد رضا خاں بریلوی ج ۳ ص ۲۵۳ (قدیم ایڈیشن ص ۱۱۷)۔

وَ لِابنِ نَعِیمِ فِی الحِلیَۃِ عَنْ اَنَسٍ رضی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہُ عَنِ النَّبِی صلی اللّٰہ تعالیٰ علَیہ وسلم قال: اھلُ البدعِ شَر الخلق والخلیقۃ۔ قال العلماء الخلق الناس والخلیقۃ البھائم۔"

پھر فائدہ کے تحت وہ اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"بدمذہب تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔"

اپنی نقل کردہ اس حدیث میں علماء کا یہ قول کہ الخلق سے مراد اس حدیث میں انسان ہیں اور الخلیقۃ بہائم یعنی چوپایوں یعنی جانورو کے لئے کہا گیا ہے۔ اس جملہ کا ترجمہ خانصاحب بریلوی نے نہیں کیا ہے۔ اور "اہل البدع" کا ترجمہ یہاں بھی انہوں نے "بد مذہب" کے لفظ سے ہی کیا ہے۔!

اسی طرح احمد رضا خاں صاحب کے "ملفوظات" حصہ چہارم میں "بدعت" سے متعلق ایک اور حدیث خانصاحب بریلوی نے لکھی ہے۔ اس حدیث کا متن اور پھر خانصاحب بریلوی کا کیا ہوا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

اذا اظھرت الفتن او قال البدع ولم یظھر العالم علمه فعلیه لعنة اللّٰه والملٰئکة والناس اجمعین لا یقبل اللّٰہُ منه صرفاً ولا عدلاً۔"

پھر اس کا ترجمہ خانصاحب بریلوی اس طرح کرتے ہیں :۔

"جب فتنے اور "بدمذہبیاں" ظاہر ہوں اور عالم اپنا علم ظاہر نہ کرے تو اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت۔ اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔" {۱}

واضح رہے کہ یہ حدیث علامہ ابنِ حجر مکیؒ نے "صواعق محرقہ" کے شروع میں "جامع خطیب بغدادی" سے نقل کی ہے اور اس کے اصل متن میں "او قال البدع" کے بعد "وسبّ اصحابی" کے الفاظ بھی موجود ہیں یعنی "اور میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہا جائے یا ان کو

{۱} "الملفوظ" احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج ۴ ص ۲۷۱، ۲۷۲۔

گالیاں دی جائیں"، مگر خانصاحب بریلوی نے ان الفاظ کو نہیں لکھا کیونکہ اس سے ان کے "خاندانی شیعہ مسلک" پر ضرب لگ رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں فلیظھر العالم کے الفاظ ہیں جن کو بدل کر احمد رضا خاں صاحب نے "لم یظھر العالم" کردیا ہے اور اس کے بعد کا ٹکڑا "فمن لم یفعل ذالك" بھی انہوں نے یکسر غائب کردیا! کیا ان حرکتوں سے خانصاحب بریلوی کی تحریفی ذہنیت اور عبارتوں میں کتر بیونت والٹ پھیر کی قبیح عادت کا پتہ نہیں چلتا۔۔۔؟ جو شخص حدیثِ رسولؐ میں موجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے الفاظ تبدیل کرتے ہوئے نہیں شرماتا اور فرمانِ رسولؐ سے ڈنڈی مارتے ہوئے "وسبّ اصحابی" اور "فمن لم یفعل ذالك" غائب کرتے وقت جس کو ذرا سا بھی خوفِ خدا معلوم نہیں ہوتا وہ شخص اگر وارثینِ انبیاء اور غلامانِ رسول عربی علماءِ دیوبند کی کتابوں میں کتر بیونت اور "اپنی ہاتھ کی صفائی" کے کرتب دکھا کر انہیں اور ان کے متبعین کو کفار و مرتدین کی صفوں میں شمار کراتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔۔۔؟؟

خاں صاحب بریلوی نے اپنی کتاب "تمہید الایمان" صفحہ ۶ پر اہل بدعت سے متعلق ایک اور حدیث، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ عقیلی اور ابنِ حبّان کے حوالہ سے اس طرح لکھی ہے :۔

رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ وابوداؤد عن ابن عمر وابن ماجه عن جابر والعقیلی وابن حبان عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان مرضو فلاتعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم تصلوا ھم۔"

اب اس حدیث کا ترجمہ بھی خانصاحب بریلوی کے ہی الفاظ میں ملاحظہ کیجئے :۔

"یعنی اگر "بد مذہب" بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ اور اگر وہ مرجائیں تو جنازہ پر حاضر نہ ہو اور جب انہیں ملو تو سلام نہ کرو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان

کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ ان سے شادی بیاہ نہ کرو اور ان
کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔"

اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے نہایت چابکدستی
ہوشیاری اور اپنی دانست میں "دور اندیشی" کا ثبوت دیا ہے۔ یعنی وہ پہلے تو حدیث کی
اہمیت جتانے کے لئے شروع میں "صحاح ستہ" میں سے "صحیح مسلم"، "سنن ابوداؤد" اور
"سنن ابن ماجہ" کی اسناد صحابہ نقل کرتے ہیں۔ پھر جابر، عقیلی اور ابن حبان جیسے محدثین
کے حوالہ سے ایک جلیل القدر صحابی اور خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ کی شخصیت کو بھی
درمیان میں لاتے ہیں۔ اس کے بعد اصولاً انہیں اس اہم حدیث میں درج "قطع
تعلقات" کرنے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تفصیل بتانے سے پہلے
حضورؐ کے فرمودہ ان گمراہ لوگوں کے گروہ کا نام لکھنا چاہئے تھا۔ یعنی "اہل البدع"، مگر
چونکہ وہ قطع تعلقات کے ان احکام نبویؐ کا اطلاق دیوبندیوں وہابیوں پر کر کے ان کیلئے
عامۃ المسلمین کے دلوں میں نفرت و کدورت بٹھانے کا "پروگرام" بنا چکے تھے اسلئے انہوں
نے حدیث کا عربی متن نقل کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکامات ترک تعلقات
کا ہدف، آپؐ کے فرمودہ "اہل البدع" کے الفاظ حسب عادت تحریف کر کے یہاں سے
بھی غائب کر دیئے۔ اور حدیث رسولؐ "ان مرضوا فلا تعودوھم" یعنی جب یہ بیمار
ہوں تو ان کی عیادت اور مزاج پرسی نہ کرو کے الفاظ سے شروع کی۔ مگر جب اپنی اس تحریر
کردہ حدیث کا ترجمہ لکھنے لگے تو اپنی سازش کے مطابق اس حدیث کے احکامات ترک
تعلقات کو "دیوبندیوں وہابیوں" پر چسپاں کرنے کے لئے "بدمذہب" کا لفظ بڑھا دیا۔
کیا بریلویت کے ٹھیکیدار یہ وضاحت کرنے کی زحمت گوارہ کریں گے کہ خانصاحب بریلوی
کی تحریر کردہ حدیث کی مذکورہ متن میں "بدمذہب" کس لفظ کا ترجمہ ہے—؟؟

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ خانصاحب بریلوی نے اس جگہ کے علاوہ اپنی کتابوں
میں جہاں کہیں بھی دیوبندیوں وہابیوں سے نفرت وعداوت دلانے اور ان سے دور
بھاگنے کی اپنے معتقدین اور مریدین کو تلقین وتاکید کی ہے وہاں پر اسی حدیث کے خود

کردہ الفاظ ہی کو اپنا مؤثر ہتھیار بنایا ہے اور اکثر جگہ تو باقاعدہ دیوبندیوں اور وہابیوں
کا نام لیکر انہوں نے یہ الفاظ لکھے ہیں:—

"ان سے میل جول قطعی حرام، ان سے سلام وکلام حرام، انہیں پاس بٹھانا
حرام، ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت حرام، مرجائیں تو
مسلمانوں کا سا انہیں غسل وکفن دینا حرام، ان کا جنازہ اٹھانا حرام، ان پر نماز
پڑھنا حرام، ان کو مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام، ان کی قبر پر جانا حرام۔" {۱}

خانصاحب بریلوی کی اس مبینہ فریب کاری اور تلبیس کے نتیجہ میں جاہل عوام، جو
بریلویت کے سحر میں ذہنی طور پر بری طرح گرفتار ہیں، اور وہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر خاں
صاحب بریلوی کے فرمان اور ان کی تحریر کو "وحی الٰہی" کی طرح سچا اور منجانب اللہ سمجھنے کے
عادی ہیں وہ اپنی اس زود اعتباری کی عادت کی وجہ سے یہاں بھی غلط فہمی کا شکار ہو کر،
مذکورہ بالا حدیث میں قطع تعلقات کرنے کے فرمان رسول کا ہدف، خانصاحب کی تائید
میں "دیوبندیوں" یا ان کے الفاظ میں "وہابیوں نجدیوں" کو ہی سمجھتے ہیں—!! حالانکہ ان
بےچاروں کو نہیں معلوم کہ ان کے ممدوح احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے "عشق رسولؐ"
اور "عقیدت اولیاء کرام" کا جھانسہ دیکر ان کے ایمان وعقائد اسلام پر کیسا شب خون مارا
ہے اور قرآن واحادیث کو توڑ موڑ کر اور ان کی غلط تشریح کر کے شرک وبدعت کے وہ
سارے اعمال ان سادہ لوح عوام کے لئے انتہائی جاذب نظر، مقدس اور "باعث ثواب"
بنا کر انہیں ان پر فریفتہ اور دیوانہ بنا دیا ہے جن کے مرتکب لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے "اہل البدع" یعنی "بدعتی" فرمایا ہے اور ان سے دور ونفور رہنے اور قطع تعلقات کی
احادیث مبارکہ میں تلقین وہدایت کی ہے—! تقدیر کی یہ ستم ظریفی نہیں تو پھر اور کیا ہے
کہ وہ لوگ جن کا اوڑھنا بچھونا ہی شرک وبدعت کے اعمال جیسے تیجہ، دسواں، چالیسواں،
برسی، عرس، نیاز، فاتحہ مروجہ، گیارہویں اور کونڈوں وغیرہ کی خودساختہ اور غیر شرعی بدعات
ورسومات ہیں: جو دین اسلام کو قرآن مجید کے اعلان عام "الیوم اکملت لکم دینکم"

{۱} "فتاویٰ رضویہ" احمد رضا خاں بریلوی، ج۲رص۹۰۔

کے برخلاف ناقص اور غیر مکمل سمجھتے ہوئے ہر روز احکام شرعیہ اور عبادات کے ضمن میں ایک نیا اضافہ اور ایک "نئی بدعت" ایجاد کرنے میں منہمک ہیں، خواہ وہ اذان کے بعد "تثویب" یعنی صلوٰۃ پکارنے اور اس کے کلمات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "نور من نور اللہ" "قاسم رزق اللہ" اور زینت عرش اللہ" جیسے توحید کا مذاق اڑانے والے شرکیہ الفاظ کا اضافہ ہو یا اذان میں اور اذان کے علاوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سن کر "انگوٹھے چومنے" یا شہادت کی دونوں انگلیاں پھونک مار کر آنکھوں سے لگانے کی خانصاحب بریلوی کی بیان کردہ شیعی روایت اور دیگر مکذوبات کا معاملہ ہو۔ لوگ اپنے شعور اور عقل سے اتنے "پیدل" ہو چکے ہیں کہ "اہل بدعت" کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی سخت "وارننگ" اور تہدیدی احکام احادیثِ نبوی میں پڑھ لینے کے باوجود خود کو ان کا ہدف سمجھنے ان سے عبرت پکڑنے اور ان اعمالِ قبیحہ سے توبہ کرنے کے بجائے، ایک سحر زدہ معمول کی طرح خانصاحب بریلوی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ان احادیث کو دیوبندیوں اور وہابیوں" سے متعلق سمجھے بیٹھے ہیں، اور لا شعوری طور پر وہ احمد رضا خاں صاحب کا خودساختہ "اہل البدع" کے الفاظ کا غلط ترجمہ "بدمذہب" ہی بالکل درست اور "وحی الٰہی" کی طرح سچا سمجھتے ہیں!

"بدعت" اور "مذہب" دونوں عربی کے الفاظ ہیں۔ انکے جو معنیٰ و مفہوم لغاتِ عرب اور قرآن و احادیث سے ثابت ہیں وہی درست اور حرفِ آخر ہیں۔ لہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم ان الفاظ کا جائزہ اور لغوی و معنوی مفہوم ذہن نشین کر لیں۔

مصباح اللغات میں لفظ بدعت کے معنیٰ اس طرح ہیں :—

"البدعة: بغیر نمونے کی بنائی ہوئی چیز، دین میں نئی رسم، وہ عقیدہ یا عمل جسکی کوئی اصل قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ملے۔ ج: (جمع) "بِدَع" {۱}

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "بدعت" کی جو تشریح و توضیح فرمائی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ صحیح مسلم اور نسائی کی یہ مشہور حدیث ایسی نہیں جس سے احمد رضا خاں

{۱} "مصباح اللغات" ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی ص ۵۱۔

صاحب بریلوی اور بریلویت کے کارپرداز واقف نہ ہوں کیونکہ یہ حدیثِ نبوی تواتر کیساتھ گذشتہ چودہ سو سال سے جمع کے خطبہ میں تمام دنیا کی مساجد میں ہر ہفتے بیان کی جاتی ہے۔

"انّ خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمّد (صلى الله عليه وسلم) وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النّار۔

(صحیح مسلم، سنن نسائی)

بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے اور تمام راستوں میں بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ اور (دین میں) ہر نئی چیز کا اضافہ "بدعت" ہے۔ اور ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لیجانے والی چیز ہے۔"

اسی طرح اگر خانصاحب بریلوی حقیقت میں "صاحب علم" تھے تو ان کی نگاہ "دور رس" سے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ "صحیح بخاری" میں موجود یہ حدیث بھی پوشیدہ نہیں رہی ہوگی جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :—

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔

جس کسی نے ایسا کوئی عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا کوئی حکم موجود نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔

صحیح مسلم اور سنن نسائی کی مذکورہ بالا حدیثِ نبویؐ میں "مُحْدَثٌ" کا لفظ آیا ہے۔ عربی لغت میں اس لفظ کے معنیٰ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

"اَلْمُحْدَثُ" مفع: کتاب و سنت و اجماع کے خلاف نئی بات۔

ج: (جمع) "مُحْدَثَاتٌ"۔ نیا

حِدَاثَتاً حُدُوثاً : نو پیدا ہونا

"اَلْحَدَثُ" : نئی چیز، خلافِ سنت نئی بات، دین میں نئی بات۔

ج: (جمع) "اِحْدَاثٌ" ("مصباح اللغات" صفحہ ۱۴۱)

{۱} "صحیح بخاری" امام محمد بن اسماعیل بخاری ج ارص ۳۷۱۔

بہر حال لفظ بدعت عربی زبان میں لغوی اعتبار سے ہر اس نئی چیز کے وجود میں آنے کے لئے مستعمل ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو۔! اس طرح اس لفظ کے تحت ہر قسم کی نئی نئی ایجادات طور طریق، رسم و رواج، عادات و اطوار، علوم و فنون سائنسی انکشافات وغیرہ سب آجاتے ہیں، یوں اس لفظ کا دائرہ اس قدر وسیع و ہمہ گیر ہو جاتا ہے کہ اس کی حد بندی کرنا ممکن نہیں ہے!

البتہ شریعت کی اصطلاح میں ”بدعت“ ہر اس اضافہ اور زیادتی کو کہتے ہیں جو بغیر کسی سند اور شرعی بنیاد کے تعبّد یا تقرّب الی اللہ کے قصد سے دین میں اس کے مکمل ہو جانے کے بعد داخل کر لی گئی ہو —!

علامہ بدر الدین عینیؒ جو فقہ حنفی کے معماروں میں سے ہیں اور ایک اہم شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ”عمدۃ القاری“ میں بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے :—

”والبدعة فی الاصل احداث امر لم یکن فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم“ {۱}

بدعت اصل میں اس دینی کام کی ایجاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا ہو......!

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے بدعت کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے :—

ان البدعة المذمومة هو المحدث فی الدین من غیر ان یکون فی عهد الصحابة والتابعین ویدل علیه بالدلیل الشرعی۔ {۲}

بلاشبہ بدعت جو انتہائی بری چیز ہے اس نئی بات کو کہتے ہیں جو دین میں پیدا کی جائے بغیر اس کے کہ وہ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے دور میں ہوئی ہو اور اس پر کوئی دلیل شرعی بھی موجود نہ ہو۔

امام راغب اصفہانی ”مفردات القرآن“ میں ”بدعت“ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں :—

{۱} ”عمدۃ القاری“ علامہ بدر الدین عینیؒ ج۵/ص ۲۵۶۔

{۲} ”شرح مقاصد“ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ ج ۲/ص ۱۷۱۔

”والبدعة فی المذهب ایراد قول لم یستنّ قائلها وفاعلها فیه بصاحب الشریعة واماثلها المتقدمة واصولها المتقنة“۔ {۱}

بدعت کے معنی یہ ہیں کہ مذہبی احکام میں ایسی بات پیش کرنا جس کا کہنے والا یا کرنے والا صاحبِ شریعت کے نقش قدم پر نہ چلا ہو اور شریعت کی سابقہ مثالوں اور اس کے محکم اصولوں پر گامزن نہ ہوا ہو۔

علامہ شاطبیؒ نے ابن ماجشونؒ کے حوالہ سے امام مالکؒ کا یہ فرمان نقل کیا ہے :—

”من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیه وسلم خان الرسالة لان اللہ یقول : الیوم اکملت لکم دینکم فما لم یکن یومئذٍ دیناً فلا یکون الیوم دینا۔

جو شخص دین اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اسکو اچھا سمجھتا ہے گویا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے احکامِ خداوندی پہونچانے میں خیانت کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ پس جو بات اس وقت دین میں نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی!

صحابی رسولؐ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :—

”لا یقبل اللہ لصاحب البدعة صوماً ولا صلوٰة ولا صدقة ولا حجاً ولا عمرة ولا جهاد ولا صرفاً ولا عدلاً، یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین۔ (سنن ابن ماجه ص ۶)

اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے اور نہ نماز نہ صدقہ اور نہ حج، نہ عمرہ اور نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت اور نہ نفل عبادت۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے —!

بدعت کے مرتکب لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ذہن نشین رہنا

{۱} ”الاعتصام“ علامہ ابو اسحٰق شاطبیؒ، ج:۱/ص ۴۹۔

چاہئے کہ :—

ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها الیهم الیٰ یوم القیامة۔ {۱}

جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت گھڑلیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بقدر ان سے سنت اُٹھالیتا ہے پھر قیامت تک اس سنت کو ان کی طرف نہیں لوٹاتا۔

اب آیئے ہم لفظ ''مذہب'' پر بھی، اسی طرح عربی لغت اور شریعت کی روشنی میں غور کریں!

''اَلْمَذْهَبُ'' مص: روش، طریقہ، اعتقاد، اصل:

ج: (جمع) ''مَذَاهِبُ'' ۔ ''تَمَذْهَبَ بِالمذهبِ'' اسی سے فعل بنا ہے۔ یعنی اس نے مذہب اختیار کیا۔

اسلام کے مشہور مذاہب چار ہیں۔ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی۔ {۲}

شریعت کی اصطلاح میں ''مذہب'' اس فقہی اور اجتہادی طریقے یا راستے کو کہتے ہیں جو آئمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ نے شریعت کی جزئیات پر چلنے کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے ''اجتہاد'' سے وضع کیا تھا (جیسے مذہب حنفی، مذہب شافعی، مذہب مالکی، اور مذہب حنبلی) گویا ''مذہب'' ایک اجتہادی طریقہ عمل ہے جو غیر منصوص دینی مسائل میں ان آئمہ مجتہدین کے قرآن وحدیث میں برسوں کے غور وخوض کے بعد اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام وہدایات کے منشاء ومرضی کے حصول اور نصوص شریعت کے انطباق کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں خطاء پر ہو تب بھی اس کو حدیثِ نبویؐ کے مطابق اس کی حسن نیت کی وجہ سے ایک حصہ ثواب کا ملتا ہے اور اگر اجتہاد درست ہوا تو ایسی صورت میں وہ دوگنے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ المجتهد قد یخطی ویصیب یعنی مجتہد اگر خطا کرتا ہے تب بھی

{۱} ''مشکوٰۃ المصابیح'' ابوعبد محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ، ص ۳۱، ''حلبی کبیر'' علامہ حلبیؒ ص ۴۱۰۔

{۲} ''مصباح اللغات'' عبدالحفیظ بلیاویؒ ص ۲۶۸۔

ثواب کا حق دار ہے کا یہی مطلب ہے—!

لہٰذا ایسی صورت میں احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ایجاد کردہ لفظ ''بد مذہب'' شریعت کے اس اصول کے برخلاف ''خطاء مجتہد'' کو بدعت وگمراہی بتا کر نہ صرف مجتہد بلکہ اس کے اجتہادی روش پر چلنے والے سبھی مسلمانوں کو شریعت کی نظروں میں مبغوض اور انہیں جہنم کا کندہ ثابت کر رہا ہے—؟ حقیقت یہ ہے کہ خاں صاحب بریلوی کا ''بد مذہب'' کی اصطلاح ایجاد کر کے اس اصطلاح کا احادیثِ نبویؐ میں وارد لفظ ''بدعت'' یعنی ضلالت وگمراہی کا ترجمہ قرار دینا ان آئمہ مجتہدینؒ کے چاروں ''مذاہبِ اجتہاد'' کو بالواسطہ طور پر ضلالت اور گمراہی کے راستے ثابت کر کے پانچوں مذہب یا مسلک یعنی ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' کے فروغ کے لئے راہ ہموار کرنا ہے جو سرتاپا ''شیعہ آئیڈیالوجی'' کا آئینہ دار ہے! خانصاحب بریلوی کا ''بدعت'' کو ''بد مذہب'' کے لفظ سے تعبیر کرنا، گویا شریعت میں ان چاروں آئمہ مجتہدینؒ کی اجتہادی کوششوں کی صریح طور پر نفی اور اجتہادی صورت میں وجود میں آئے ان مذاہب اربعہ کی حقانیت کا بالواسطہ طور پر انکار ہے۔ ساتھ ہی ساتھ لفظ ''مذہب'' سے پہلے ''بد'' یعنی برا اور گھناؤنا کے لفظ کا جوڑ لگانا گویا مذہب یعنی ''اجتہادی کوششوں'' کی مذمت کے ساتھ ساتھ ان مجتہدینِ عظامؒ کی صریح توہین اور ان پر گھناؤنا شیعی تبرّا ہے—!!

خاں صاحب بریلوی نے امتِ مسلمہ میں تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے کے لئے جو منصوبہ بند کوششیں کی تھیں وہ صرف اسی حد تک محدود نہیں تھیں کہ وہ برصغیر میں اسلام کے محافظ اور قرآن وسنت کے علمبردار ''علماء دیوبند'' کی تکفیر اور ان کے ماننے والوں پر ''بد مذہب'' کے لفظ کا اطلاق کر کے ان پر تبرّا اور ان کے خلاف عامۃ المسلمین میں بغض وعداوت کی آبیاری کرتے رہے ہوں۔ بلکہ انہوں نے اپنی منصوبہ بندی کو مضبوط بنانے اور سنت کے علمبرداروں پر اپنی آتشِ انتقام تیز تر کرنے اور زیادہ سے زیادہ مسلم عوام کو ایک دوسرے سے متنفر اور محقّر کرنے کے لئے ایسے بالغ نظر، سنجیدہ فکر اور حق وانصاف پسند، پڑھے لکھے باشعور افراد کے خلاف بھی اسی نہج پر ''سوشل بائیکاٹ'' کا فتویٰ داغ دیا

تھا جو کھلے ذہن ہونے کی وجہ سے خانصاحب بریلوی کے نظریہ تکفیر کے قائل نہ ہوں ـــ ا
ان کے لئے خانصاحب بریلوی کا فرمان تھا کہ :ـــ

"بلاشبہ اس سے بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا، اس سے بغض اس کی اہانت اس کا رد فرض ہے۔ اور توقیر حرام وہدمِ اسلام۔ اسے سلام کرنا حرم، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اسکے ساتھ کھانا پینا حرام اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربتِ زنا خالص، اور بیمار پڑجائے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازہ میں شرکت حرام، ایسے مسلمان کا غسل وکفن دینا حرام، اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر ہے۔ اسکا جنازہ اپنے کاندھوں پر اٹھانا اور اس جنازہ کی مشایعت، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کی دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب حرام بلکہ کفر ہے۔" {۱}

ان کے اس "شاہکار فتویٰ" میں جو حرام، حرام کی طویل گردان ہے اس سے قطع نظر یہ پوری عبارت خانصاحب بریلوی کی شدید جھنجھلاہٹ، خود اپنے ہی دانتوں سے اپنی بوٹیاں نوچنے کی ذہنی کیفیت اور بے چارگی و بے بسی کی کھلی داستان ہے ـــ! ان سنجیدہ فکر اور باشعور نیز حق وباطل کی تمیز کرنے کی صلاحیت رکھنے والے لوگوں پر ان کی غیض وغضب کی یہ شعلہ آفرینی غم وغصہ کا بے پناہ اظہار ان کے ذہنی توازن کے فقدان کے ساتھ ساتھ علم النفسیات کے اعتبار سے خانصاحب بریلوی کی اذیت کوشی (Sadism) کے مریضانہ ذہنی کیفیت کی طرف بھی واضح طور پر اشارہ کرتا ہے ـــ! اس فتویٰ میں قابلِ غور خاں صاحب بریلوی کے وہ الفاظ ہیں جو ہم نے خط کشیدہ کردیئے ہیں۔ یعنی اس سے بغض، اس کی اہانت، اس کا ردّ فرض ہونے کی بات! خانصاحب بریلوی کے اس طرز فکر نے ان کی شیعی ذہنیت کو بالکل ہی عریاں کردیا ہے۔ کیونکہ کسی مخالف شخص کی اہانت وتوہین یعنی اس پر "تبرا" کرنے، اس سے بغض وعداوت رکھنے اور اس کے رد وتوہین کو "فرض"

{۱} "عرفانِ شریعت" مجموعہ ملفوظات احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرتبہ عرفان علی صاحب بیسل پوری ص ۳۹

قرار دینے کی بات "شیعیت" کا ہی اصل اصول ہے۔ اسلام کا یہ شعار اور اس کی یہ تعلیم نہیں۔! اسلام کی تعلیمات تو مسلمان کے ذمہ فقط حق بات دوسروں تک پہنچادینے کی حد تک ہی نشاندہی کرتی ہیں۔ "وما علینا الا البلاغ" یعنی ہم پر صرف حق واضح کردینے ہی کی حد تک ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور بس! حق بات بہر صورت منوا کر ہی رہنا اور مخاطب نہ مانے تو اس سے بغض رکھنا، اس کی اہانت وتوہین کرنا، اس کی بے عزتی کرنا، اس کا ردّ یعنی اس پر تبرا کرنا، آوازیں کسنا، یہ سب اہل ایمان کا شعار ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف اور صرف ابن سبا کے پیروکار یعنی اہل تشیع کا مخصوص طرزِ عمل اور طریقۂ انتقام ہے جو وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے بعد ان کے متبع علماء حق اور ان کے پیروکاروں سے روا رکھتے ہیں ـــ!!

خاں صاحب بریلوی کے مذکورہ بالا فتویٰ کے وقوع کی بنیاد اور اس کے مشتملات کا سراغ ہمیں "تمہید الایمان" میں ہی ان کی نقل کردہ "ابنِ عساکر" کی اس روایت سے مل جاتا ہے جو "اہل بدعت" کی مذمت میں ہی وارد ہوئی ہے۔

احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :ـــ

"رواہ ابن عساکر عن انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : اِذَ رَائتم صَاحِبَ بدعَةٍ فاکفھرّوا فی وَ جُھِهِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَبْغَضُ کُلَّ مُبْتَدِعٍ وَ لَا یَجُوزُ اَحَدٍ مِّنْھُمْ عَلَىٰ الصِراطِ لٰکِنَّ یَتَحَافتُونَ فِیْ النَّارِ مِثْل الجَرَادِ وَ الذُّبَابِ۔" {۱}

پھر اس کا ترجمہ احمد رضا خاں صاحب ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"یعنی جب کسی بدمذہب بددین کو دیکھو تو اس کے روبرو اس سے ترش روئی کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر بدمذہب کو دشمن رکھتا ہے ان میں سے کوئی پل صراط پر نہ گذر پائے گا۔ بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر آگ میں گر پڑیں گے

{۱} "تمہید الایمان" احمد رضا خاں بریلوی، ص ۶۔

جیسے ٹڈیاں اور مکھیاں گرتی ہیں۔"

گویا "اہل بدعت" سے ترشروئی برتنے اور ان کے ساتھ خوش اخلاقی اور نرمی سے اجتناب کرنے کی جو تعلیم اس روایت سے ملتی ہے وہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی شیعی ذہنیت کی چھلنی سے گذر کر نہ صرف یہ کہ بغض واہانت اور توہین وتبرّا میں بدل گئی بلکہ ان کا اصل ہدف بھی تبدیل کر دیا گیا۔ یعنی ان خانصاحب بریلوی کے پیروکار اور شرک وبدعت کے رسیا اور ان خرافات کے عاشق وپرستار، انہیں اس حدیث اور اسی طرح کی دیگر ان احادیث کی زد سے (اہل البدع کا ترجمہ "بدمذہب" کر کے) قطعی صاف بچا لیا گیا۔ درآنحالیکہ وہ لوگ دین میں روزانہ نئی نئی بدعات نکالنے میں ماہر اور اس فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن وسنت کے شیدائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل عاشق وفدائی "کافر" اور "بدمذہب" ٹھہرائے گئے اور کھینچ تان کر ان بے قصوروں پر اہل بدعت کی مذمت سے متعلق احادیثِ نبوی کے احکام وہدایات کوفٹ کر دیا گیا۔—!!

بقول حسرتؔ موہانی ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے!

اصولِ تکفیر

اور

آئمہ متکلمین!

علمائے متکلمین میں شیخ محمد سنوسیؒ امام فن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''شرح ام البراہین'' میں کسی مسلما کی تکفیری وجوہات پر جو نفیس بحث کی ہے وہ لائق مطالعہ ہے۔ آپ نے کسی مسلمان کو اس کے غلط نظریات کی بنیاد پر کافر قرار دینے کے چھ اصول بیان فرمائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"اصول الکفر ستّة: الایجاب ذاتی، والتحسین العقلی، والتقلید الردی، والرّبط العادی، والجهل المرکب، والتمسك فی اصول العقائد بظواهر الکتاب وسنة غیر عرضها علیٰ البراهین العقلیة والقواطع الشرعیة۔" {۱}

تکفیر کیلئے چھ اصول ضروری ہیں : پہلا یہ کہ قائل اپنے قول کفر کی تصدیق کرتا ہو۔ دوم یہ کہ وہ ان کفریات کی تحسین وتعریف اپنی عقل کی بنیاد پر کرتا ہو۔ سوم یہ کہ شرعی احکام میں دوسرے کا اتباع حق طلبی کے جائے حمیت وتعصب کی بنا پر کرتا ہو۔ چہارم: ربط عادی، پنجم جہل مرکب اور ششم اصول عقائد میں ظواہر کتب وسنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دلائل شرعیہ اور براہین قطعیہ کو نظر انداز کر دیتا ہو۔

جہل مرکب سے مراد یہ ہے کہ اپنا اعتقاد خلافِ شریعت ہونے کے باوجود اس کو درست سمجھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہو۔ اسی طرح ربط عادی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اسباب کا ربط مسبّبات سے طبعی وقطعی مانتا ہو۔ حالانکہ عقیدہ اہل سنت کے مطابق اسباب کا ربط عادی ہے نہ طبعی اور نہ وضعی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر کلی طور پر منحصر ہے۔ وہی مسبّب الاسباب ہے اور اسی کے حکم سے سب کچھ ہوتا ہے۔۔۔!

واضح رہے کہ مسئلہ تکفیر تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی ہے۔ یعنی اگر کسی شخص پر حکم کفر لگانے والا محض ایک عالم ہے یا صرف گنے چنے چند علماء نے ہی حکم کفر لگایا ہے تو تمام مسلمانوں پر یہ لازم نہیں کہ وہ محض ان کے کہنے پر بلا تحقیق ایمان لے آئیں۔ اور اس کو کافر کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہ کریں۔ قرونِ اولیٰ کے مجتہدینِ عظام کی بھی انفرادی، اجتہادی رائے

{۱} ''شرح امّ البراہین'' شیخ محمد سنوسیؒ صحہ ۲۱۷ (مطبوعہ مصر)

امت میں قطعی اور یقینی نہیں مانی گئی ہے تو پھر ایک غیر مجتہد مقلد عالم کی انفرادی رائے وہ بھی مسئلہ تکفیر مسلم میں کس طرح قطعی اور یقینی ہوسکتی ہے۔۔۔؟

علامہ یاقوت حمویؒ نے ابن نجیم حنفیؒ کی معروف کتاب ''بحر الرائق'' کے حوالہ سے اپنی تحریر کردہ ''شرح اشباہ والنظائر'' میں فقہائے احناف کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

"یقع فی کلام اهل المذاهب التکفیر کثیراً لکن لیس من کلام الفقهاء الذین هم المجتهدون بل غیرهم ولا عبرة بغیر الفقهاء"

اہل مذہب کے کلام میں بہت سی تکفیریں پائی جاتی ہیں مگر وہ تکفیریں فقہاء مجتہدین کے کلام سے نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور علماء ومشائخ کے کلام سے ہیں اور غیر فقہاء مجتہدین کے فتویٰ کفر کا کوئی اعتبار نہیں۔" {۱}

علامہ عبد الوہاب شعرانیؒ اپنی کتاب "الیواقیت الجواهر" میں تکفیر مسلم کے سلسلے میں امام تقی الدین سبکیؒ کا یہ فتویٰ نقل کرتے ہیں :

فان التکفیر امر هائل عظیم الخطر ومن کفر انساناً فکانه اخبر عن ذالك الانسان بان عاقبته فی الآخرة العقوبة الدائمة ابد الابدین وانه فی الدّنیا مباح الدّم والمال لا یمکن منه نکاح المسلمة ولا تجری علیه احکام الاسلام فی حیاته و بعد مماته والخطاء فی قتل مسلم ارجع فی الاثم من ترك

کسی کو کافر کہنا بڑی ہولناک بات ہے اور خطرناک جسارت ہے۔ جس شخص نے کسی انسان کو کافر کہا، اس نے گویا اس بات کی خبر دی کہ اس کا انجام آخرت میں ہمیشہ ہمیش کا عذابِ جہنم ہے۔ یعنی یہ شخص جہنم سے کبھی نہ نکلے گا اور دنیا میں اس کا خون اور مال مُباح ہے۔ کسی عورت سے اسکا نکاح نہیں ہوسکتا۔ زندگی اور بعد موت اس پر احکامِ اسلام جاری نہیں ہوسکتے۔ کسی مسلمان کو (اس طرح معنوی طور پر) قتل کرنے کا جرم ہزار

{۱} ''شرح اشباہ والنظائر'' للحمویؒ۔

الف كافر .... فالاوجب من كل مومن ان لا يكفر احداً من اهل الهواء والبدع لا سيما غالب اهل الهواء انما هم عوام مقلدون بعضهم بعضاً لا يعرفون دليلاً يناقض اعتقادهم اليهم الا ان يخالفوا النصوص الصريحة التى لا يحتمل التأويل عناداً او جهوداً۔ {۱}

کافروں کو (حالتِ جہاد میں زندہ) چھوڑ دینے کے گناہ سے زیادہ ہے۔ پس ہر مومن کے لئے واجب تر ہے کہ وہ اہل ہواء اور بدعت کے مرتکب لوگوں کو بھی کافر نہ کہے۔ کیونکہ اکثر بدعتی حضرات محض ایک دوسرے کی تقلید میں افعالِ بدعت انجام دیتے ہیں اور انہیں اپنے اعتقادات کے خلاف کوئی شرعی دلیل معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں! اگر وہ شریعت کے نصوص قطعی جن کی تاویل ممکن نہیں، انکی مخالفت سب کچھ جانتے ہوئے بھی محض تعصّب اور دشمنی میں کرتے ہوں تو بلاشبہ ان پر حکمِ کفر لگایا جائے گا......!!

قاضی عیاضؒ کی مشہور ومعروف اور متداول کتاب ''الشفاء'' کی شرح ملاعلی قاری حنفیؒ نے لکھی ہے۔ اس کتاب ''شرح الشفاء'' میں وہ لکھتے ہیں :—

الذى مبتدأ اى القول الذى يجب ان يقال هو الاحتراز عن التكفير فى اهل التاويل وان كان تأويلهم خطاء فى فهم التنزيل فان دماء المصلّين الموحدين الصائمين المزكين القارئين لكتاب التابعين للسنة فى جميع

کسی مسلمان کو کافر کہنے کے بارے میں جس بات کا حکم کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ اہل تاویل کو اگرچہ وہ اپنی تاویل فہم قرآن (وحدیث) میں خطاء پر ہوں، کافر کہنے سے احتراز کرنا لازم ہے۔ کیونکہ نماز پڑھنے والے، توحید (لا الٰہ الا اللہ) پر ایمان رکھنے والے روزہ رکھنے والے، زکوٰۃ ادا کرنے والے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے

{۱} ''الیواقیت الجواہر'' علامہ عبدالوہاب شعرانی، ص ۲۷۱۔

الابواب خطر بفتحين اى ذو خطر ويجوزان يكون بفتح فكسر والخطأ فى ترك كافر اهون عن الخطاء فى سفك ومحجمة من مسلم وفى نسخة من دم مسلم واحد۔

اور تمام ضروریاتِ دین میں اتباعِ سنت کرنے والے مسلمانوں کو کافر اور مباح الدم قرار دینا بڑی خطرناک بات ہے۔ حالانکہ ہزار کافروں کے بارے میں خطاء کرنا ایک مسلمان کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بہتر ہے۔ یا بالفاظِ دیگر ایک مسلمان کے ایمان کا خون کرنے سے بہتر ہے! {۱}

پھر اس کے بعد ملاعلی قاری حنفیؒ نے ''حدود وقصاص'' سے متعلق ایک مشہور ومعروف حدیث "ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجًا فخلّو سبيله۔ یعنی مسلمانوں کو حدود قصاص کے نفاذ سے بچانے کی اپنی دانست میں پوری کوشش کرنی چاہئے اور اگر شبہات کی بناپر تمہیں کسی مسلمان کے نفاذ شرعی سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نظر آجائے تو اس کو نظر انداز نہ کرو! وغیرہ وغیرہ۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہ حنفی کے امام اور احادیثِ نبوی کے شارح ملاعلی القاریؒ نے مفتی اور قاضی کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ فتویٰ اور شرعی فیصلہ دینے سے پہلے اس بات کا اچھی طرح جائزہ لے لیا کریں کہ اگر کسی مسلم کے کلام میں ۹۹ وجوہات کفر کی پائی جاتی ہوں اور ایک وجہ اس کے اسلام پر باقی رہنے کی مشیر ہو تو اس ایک وجہ کے مطابق ہی عمل کریں۔ یعنی اس کو کافر نہ کہیں بلکہ مسلمان ہی قرار دیں—!

مسئلہ تکفیر کے سلسلے میں ملاعلی قاریؒ مزید لکھتے ہیں :—

وفى المسئلة المذكورة تصريح بانه يقبل من صاحبها التأويل۔

اور اس مسئلہ مذکور میں صریح طور پر صاحب عبارت یا قول کی ہر تاویل کو قبول کیا جائے گا۔ {۲}

{۱} ''شرح الشفاء'' ملاعلی قاری حنفی ج۲/ص۷۲۵۔

{۲} ''شرح الشفاء'' ملاعلی قاری حنفیؒ ج۲/ص۷۲۶۔

فقہ حنفی کی مشہور و معروف اور متداول کتاب ''دُرّ مختار'' میں علامہ محمد علاء الدین حصکفیؒ لکھتے ہیں :—

شهدوا علىٰ مسلم بالردة وهو منكر لا يتعرض له لا لتكذيب الشهود العدول بل لان انكاره توبة ورجوع۔" {۱}

کسی مسلمان کے مرتد ہونے اور اسلام سے پھر جانے کی گواہی ملے اور وہ شخص اس بات سے انکار کرتا ہو تو ایسے شخص سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ گواہوں کے جھوٹا ماننے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اس کا اپنے مرتد (کافر) ہونے سے انکار توبہ اور رجوع کے حکم میں ہے۔

شیخ عبد القادر رافعی مفتی دیارِ مصر نے ''دُرّ مختار'' پر حاشیہ لکھا ہے جو ''تحریر المختار علی الدر المختار'' کے نام سے معروف ہے اس میں وہ علامہ یاقوت حمویؒ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں :

وقد صرح الحموی بانها لو كانت تلك الرواية لغير مذهبنا وجب علىٰ المفتي الميل اليها وتبعه ابو سعود وخير الرملي ويدل علىٰ ذالك كون ما يوجب التكفير مجمعاً عليه۔" {۲}

علامہ حمویؒ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر چہ مانع تکفیر مسلم روایت ہمارے مذہب حنفی کے علاوہ کسی اور مذہب کی بھی ہو تو بھی مفتی پر یہ واجب ہے کہ وہ اس کی پیروی کرے۔ ابو سعود اور خیر رملی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ تکفیرِ مسلم کے لئے ''اجماع'' شرط ہے۔

لہٰذا: مذکورہ بالا دلائل و قرائن سے تکفیر مسلم کی شناعت اور علمائے امت کی احتیاط پسندی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نازک اور اہم ہے کہ کسی فردِ واحد کے مقام و مرتبہ سے قطع نظر بہر صورت تکفیر مسلم کے ضمن

{۱} ''درمختار'' علامہ علاء الدین حصکفیؒ، ص ۱۱۱۔

{۲} ''تحریر المختار علی الدر المختار'' شیخ عبد القادر رافعی ج ۲/ص ۶۰۱۔

میں اس کی انفرادی رائے کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ اس بارے میں امت مسلمہ کے ''اجماعی فیصلہ'' پر ہی عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ بقول آئمہ مجتہدین تکفیر مسلم کے لئے ''اجماع'' شرط ہے—!

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں بہت سی اہم اور قابلِ احترام شخصیتوں نے معاصرانہ چشمک یا کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں کچھ اہم ہستیوں کے لئے کفر و ضلالت کے فتوےٰ دیئے ہیں لیکن اسے امت نے تسلیم نہیں کیا ہے—!!

(۱) مثال کے طور پر امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ جو ہم مقلدین احناف کے سرخیل اور ''مجتہد مطلق'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مورخین کے بیان کے مطابق محدث خطیب بغدادی نے غلط فہمی کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ پر توہین و تنقیص رسالتؐ کا الزام لگاتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان پر طعن و تشنیع کی تھی بلکہ ''فتویٰ کفر'' تک دے دیا تھا۔ جس کے جواب میں امام ابو حنیفہؒ کے متبعین نے ایک رسالہ اس الزام کی تردید میں "السهم المصيب علىٰ كيد الخطيب" کے نام سے لکھ کر امام اعظم کی صفائی دی تھی—!

واقعہ یوں ہے کہ: احادیث کے راویوں میں ایک راوی ''عثمان بتّی'' ہیں جن کا ذکر امام ترمذیؒ نے ''کتاب النکاح'' میں کیا ہے۔ ایک موقع پر امام اعظم ابو حنیفہؒ نے کسی مسئلہ کے سلسلے میں انہیں عثمان بتّی کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔

ينبغي للبتّي ان يتبعني۔

یعنی بتّی کو اس مسئلہ میں میری اتباع کرنی چاہئے۔

اب ہوا یہ کہ محدث خطیب بغدادیؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے بہت بعد کی شخصیت ہیں۔ انہوں نے امام صاحب کا یہ قول پڑھا تو ''بتّی'' کو غلطی سے ''نبی'' سمجھ لیا اور اپنی اس غلط فہمی پر اتنا اعتماد کیا کہ امام اعظم پر یہ الزام لگاتے ہوئے کہ وہ نعوذ باللہ نبی ﷺ کے لئے اپنی اتباع کا حکم دے رہے ہیں، برملا ان پر فتویٰ کفر داغ دیا۔ حالانکہ حسن تاویل کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ اسے کاتب کی غلطی تصور کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ جیسے عظیم المرتبت ''تابعی'' کیلئے سوء ظنی سے اجتناب کرتے مگر شیطان لعین چونکہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ لہٰذا اغوائے شیطانی

کے نتیجہ میں محدث خطیبِ بغدادیؒ اپنی ذہانت فکر کے باوجود اس غلط فہمی اور سوء ظنی سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ لیکن ان کے اس فتویٰ کفر کا امت نے کیا اثر لیا ــــ؟؟

(۲) شیخ عبد القادر جیلانیؒ جو اپنے زہد و تقویٰ اور علم و تفقہ میں معروف اور ''اولیاء تصوف'' کے سرتاج ہیں۔ تصوف کی عملی تشریح و تبلیغ آپ ہی کی مرہونِ منت ہے۔ آپ نے امام اعظم ابو حنیفہ کو ایمان کے بسیط یا مفرد ہونے کی بحث یا اس میں کمی و بیشی ہونے کے عقیدے پر کلام کرنے کی وجہ سے ''مرجئ'' قرار دیدیا تھا اور اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کے نویں باب میں جہاں انہوں نے امت مسلمہ کے اندر بہتر گمراہ فرقوں کے وجود پذیر ہونے کا ذکر اور ان کی مختلف شاخوں کا احوال اور ان کے عقائد کا تذکرہ کیا ہے وہاں ''حنفیہ'' یعنی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ کے پیروکاروں کو بھی فرقۂ ضالہ ''مرجیہ'' کی ایک شاخ شمار کیا ہے، جو اُن کی ترتیب بیان کے مطابق نویں نمبر پر ہے ــــ!

حالانکہ مرجیہ کے عقائد کے مطابق نہ صرف یہ کہ نیک اعمال و طاعات ایمان کا جزو نہیں ہیں بلکہ ان کے ایک ذیلی فرقہ ''عملیہ'' کا دعویٰ ہے کہ ایمان فقط عمل کا نام ہے۔ جو عمل نہیں کرتا وہ ان کے نزدیک ایمان سے خارج ہے اور قطعی جہنمی و کافر ہے۔! اسی طرح ان کے ایک اور ذیلی فرقہ ''منقوصیہ'' کا یہ دعویٰ تھا کہ ایمان لانے کے بعد جو بھی نیکیاں کریں گے وہ لازماً مقبول بارگاہِ الٰہی ہوں گی اور جو بھی گناہ اور بدکاریاں کی جائیں گی وہ بھی یقینی طور پر بخش دی جائیں گی خواہ توبہ کریں یا نہ کریں۔ قطعِ نظر اس کے وہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔ {۱}

بہر نوع! شیخ عبد القادر جیلانیؒ جیسی بزرگ اور صاحبِ علم ہستی جو ''پیرانِ پیر'' کے لقب اور ''غوثِ اعظم'' کے عنوان سے عموماً پہچانی جاتی ہے۔ ان کا امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ''مرجئ'' ہونے کا فتویٰ ان کی انفرادی رائے ہونے کے باعث امت کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوا اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے علوئے مرتبت کے اعتراف کے باوجود علمائے امت نے ان کے اس فتویٰ کو ردّ کر دیا ــــ!!

{۱} ''تلبیس ابلیس'' علامہ ابن جوزیؒ ص ۲۶-۲۷۔

(۳) اس طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی نہ صرف حلقہ تصوف میں بلکہ جمیع امت مسلمہ میں جو وقعت و اہمیت اور قدر و منزلت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ کی مشہور کتاب ''احیاء علوم الدین'' علمائے امت میں عرصہ دراز سے متداول کتب میں شمار ہوتی ہے لیکن قاضی عیاض بن موسیٰؒ نے اپنی کتاب ''الشفاء'' بتعریفِ حقوق المصطفیٰ میں انہیں ''معتزلہ'' میں شمار کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام بقاعیؒ نے بھی ان کی کچھ باتوں پر گرفت کرتے ہوئے انکی تکفیر کی ہے۔ مگر ان دونوں حضرات کا یہ فتویٰ بھی ملتِ اسلامیہ میں شرفِ قبولیت حاصل نہ کر سکا اور ان بزرگوں کی انفرادی رائے ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار ٹھہرا ــــ!

(۴) امام اہل السنۃ والجماعت ابو الحسن الشعرانیؒ اور ایک اہم صوفی بزرگ شیخ ابو القاسم قشیریؒ رحمہم اللہ پر علماء کی ایک ''جماعت'' نے فتویٰ کفر دے دیا تھا۔ علامہ شہاب الدین خفاجیؒ شرح ''شفا'' ''نسیم الریاض'' جلد اول میں اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :ــــ

"واعلم انه حکیٰ عن الاشعری والقشیری واصحابه انهم قالوا عن النبی صلی الله علیه وسلم لیس بنبی فی قبره ورسالة صلی الله علیه وسلم انقطعت بموته وقد شنع به علیهم بذالك جماعة وقالوا بتکفیره وقال السبکی افتریٰ علیهم.اھ" - {۱}

جاننا چاہئے کہ نقل کیا گیا ہے اشعریؒ، قشیریؒ اور اصحاب قشیری کے بارے میں کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ اپنی قبر مطہرہ میں بعہدۂ نبوّت نہیں اور آپؐ کی رسالت بعد آپ کی وفات کے منقطع ہوگئی! اسی وجہ سے ان پر ایک جماعت نے تشنیع کی اور ان پر حکم کفر لگا دیا۔ امام سبکیؒ نے اس کا جواب دیا کہ ان حضرات پر یہ افتراء کیا گیا ہے یعنی انہوں نے ایسے الفاظ نہیں کہے ہیں۔

چنانچہ بقول خفاجیؒ علامہ تقی الدین السبکیؒ نے تمام شہروں اور مقامات پر یہ لکھ کر بھیج دیا تھا کہ ایسے قبیح کلمات جن کا انتساب ان دونوں بزرگوں یعنی ابو الحسن اشعری اور شیخ

{۱} ''نسیم الریاض'' (شرح الشفاء) علامہ شہاب الدین خفاجیؒ ج ۱ ص ۱۳۲۔

ابوالقاسم قشیری رحمہم اللہ کی طرف کیا گیا ہے، یہ حضرات کس طرح ایسا کہہ سکتے ہیں جبکہ صحیح حدیث میں صریحاً یہ ارشاد موجود ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مقدسہ میں حیات ہیں اور ان کی خدمت میں ہدیۂ درود وسلام پیش کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ان بزرگوں کی طرف سے ایسے خیالات کا اظہار ''فرقہ کرامیہ'' کی جانب منسوب کیا ہے۔ چنانچہ دیکھئے علماء کی ایک ''جماعت'' کے فتویٰ کفر کو امت نے قطعی مسترد کر دیا اور اس ضمن میں تنہا امام سُبکی کی وضاحت قبول کرلی گئی ــــ!

(۵) ''شرح عقائد نسفی'' جو علامہ سعد الدین تفتازانیؒ کی تصنیف ہے اور آج کل عربی مدارس کے سالِ ہفتم کے کورس میں داخل ہے۔ اسکی ایک عبارت پر امام ابن الہمامؒ اور بعض دیگر علماء نے ان پر قرآن مجید کی توہین کا الزام لگاتے ہوئے کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا۔ مگر احناف اہل علم اور سلف وخلف کے علمائے امت نے اس فتویٰ کفر کو تسلیم نہیں کیا اور علامہ تفتازانیؒ کی اس عبارت میں تاویل کرکے ان کے دامنِ ہستی سے غبارِ کفر کو دور کر دیا۔ کیونکہ یہ فتویٰ بھی امام ابن الہمامؒ کی انفرادی رائے اور مخصوص نکتہ نظر تھا ــــ!

(۶) شیخ احمد سرہندی المعروف بہ ''مجدد الف ثانیؒ'' پر بھی توہین وتنقیصِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام لگا کر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا اور فتویٰ دینے والے تھے ان کے ہمعصر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ مگر امت نے اس فتویٰ کو بھی قبول نہیں کیا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اقوال معترضہ کی تاویل علوم شرعیہ کے مطابق کرلی گئی۔ حالانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی محدثانہ شان اور علوئے مرتبت کی بنا پر ممتاز تھے مگر ان کی عظیم شخصیت بے مثال علمی صلاحیت اور خدمات حدیثِ نبویؐ کے اعتراف کے باوجود ان کے اس انفرادی ''فتویٰ کفر'' کو علمائے امت نے قابلِ اعتناء نہیں سمجھا ــــ!

(۷) شیخ محی الدین ابن عربیؒ اندلسی تصوف کی اہم ترین شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کو حلقہ تصوف میں ''شیخ اکبر'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ''وحدۃ الوجود'' کے نظریہ کے بانیوں میں سے ہیں ان کی کتاب ''فصوص الحکم'' میں موجود، بعض معتقدات بن میں فرعون کے مومن و مسلم ہو کر مرنے کا نظریہ اور ابلیس وفرعون دونوں کی بروز حشر

مغفرت ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ اس پر ان کے زمانے کے بعض علماء نے ان پر فتویٰ کفر دے دیا تھا۔ عرب کے مشہور عالمِ دین اور محقق شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق اپنی کتاب ''فضائح الصوفیہ'' میں شیخ محی الدین ابنِ عربی کی تصنیف ''فصوص الحکم'' سے ان کے یہ خیالات نقل کرتے ہیں :ــــ

"وهذا الكتاب هو الذى ذكر فيه أن ابليس وفرعون هم من العارفين الناجين، وأن فرعون كان اعلم من موسىٰ بالله وان كل من عبد شيئاً فما عبد الا الله." {۱}

اس کتاب میں (ابن عربی نے) لکھا ہے کہ ابلیس اور فرعون دونوں ''عارف باللہ'' تھے اور ان کو نجات ملے گی۔ اور فرعون کا علم اللہ کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تھا۔ اور یہ کہ کسی بھی چیز کی عبادت در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے......!

فرعون کے بارے میں ''فصوص الحکم'' میں یہ عبارت بھی ملتی ہے :

فخرج من الدّنيا طاهراً مطهّراً مومناً ومسلماً۔"

یعنی فرعون دنیا سے پاک وصاف اور مومن و مسلم بن کر نکلا ہے......!

شیخ ابن عربی کے اس خیال کی تائید وتصدیق مولانا جامی نے بھی ''فصوص الحکم'' کی شرح میں کی ہے اور اسے ''شیخ اکبر'' کے مخصوص اسرار میں سے بتایا ہے۔ جامی کے علاوہ اس خیال کی تائید کرنے والوں میں علامہ جلال الدین دوّانی اور سید جہانگیر اشرف سمنانی جیسے بزرگانِ طریقت کا نام بھی ملتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ''بزرگوں'' نے ابنِ عربی کے ان خیالات پر صاد کیا ہے جن کے ناموں کی تفصیل علامہ بحر العلوم لکھنویؒ کی ''شرح فقہ اکبر'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے ــــ! حالانکہ فرعون کا کافر ہونا اور حالتِ کفر ہی میں بحر قلزم میں غرقاب ہو کر مرجانا قرآن وحدیث کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے اور تمام امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے ــــ!

چنانچہ انہیں خیالات وعقائد کی وجہ سے ملا علی قاری حنفیؒ نے ''شرح الشفاء'' میں

{۱} ''فصوص الحکم'' بحوالہ ''فضائح الصوفیہ'' شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق ص ۵۲ (مطبوعہ کویت ۱۴۰۴ھ)

ابنِ عربیؒ اور ان کے متوسلین کے لئے قرامطہ اور نصاریٰ سے زیادہ نجس اور نجس ترین گروہ کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ اس گروہ کا سردار جو شیخ اکبر کہلاتا ہے اس کا قول ہے کہ ''میں سونے کی اینٹ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندی کی اینٹ ہیں۔'' نیز اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فیض پاتے ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ چنانچہ اس گروہ کے ان ملحدانہ خیالات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برملا توہین وتنقیص کی وجہ سے ان کا ضرر تمام کافروں سے زیادہ ہے ــــ!

اگر چہ شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ کو تکذیبِ قرآن اور توہین وتنقیص رسالت کے الزامات کی بنیاد پر ہی کافر و مرتد قرار دیا گیا تھا۔ مگر محققین علمائے امت نے ان فتاویٰ کفر کو ظاہر بینی اور کم فہمی پر محمول کیا اور اس قسم کے واہی نظریات وخیالات کو ان کی کتابوں میں دشمنانِ اسلام یہود اور اہل تشیع کی تدسیس ہونے کے امکانات سے تعبیر کیا۔ انہوں نے حتی الامکان ان خیالات کی تاویل حسن کر کے ان کے دامن پر لگے کفر کے داغ دھبوں کو دھونے کی پوری کوشش کی ہے ــــ! بہر حال شیخ ابن عربیؒ کے خلاف ان فتاویٰ کفر کو کیا امت میں کوئی پذیرائی ملی ــــ؟؟

فتویٰ کفر کی مخصوص اور انفرادی حیثیت سے قطع نظر علمائے امت کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ کفر کے علاوہ بھی اس سے کم درجے کے ''انفرادی الزامات'' جیسے مسلمانوں کی کسی اہم شخصیت کے لئے ''دجّال'' اور ''کذّاب'' کے خطابات کو بھی سند قبولیت دینے سے حتی الامکان گریز کرتے رہے ہیں۔! جھوٹ اور فریب کی شناعت اور گناہ کبیرہ کی فہرست میں ان کی مخصوص اہمیت اور ان کے بارے میں احادیثِ نبویؐ میں وعید ونکیر کی شدّت کے پیشِ نظر عام حالات میں بلا تحقیق وسند کسی کو کذّاب ودجال کے لقب سے پکارنا بھی علمائے امت کے نزدیک کبھی مستحسن فعل نہیں رہا۔ اس لئے اگر کسی نے انفرادی طور پر کسی اہم شخصیت پر دجّال یا کذّاب ہونے کا الزام لگا بھی دیا ہو تو ــــ الزام لگانے والے کی بزرگی اور علوئے مرتبت کے باوجود ــــ اس کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے ــــ!

مثال کے طور پر تاریخِ اسلام کی مشہور شخصیت مورّخ ابنِ اسحٰق واقدیؒ، جن کو

بالاتفاق ''امام المغازی'' کہا جاتا ہے اور ان پر امتِ مسلمہ تاریخ ومغازی کے سلسلے میں پورا اعتماد کرتی ہے۔ فتوح الشام وعراق وغیرہ کے رُوح پرور واقعات اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ان ممالک میں جنگ وجہاد کی تمام تر تفصیلات امت مسلمہ کو ابنِ اسحٰق واقدیؒ نے ہی فراہم کی ہیں۔ مگر امام مالکؒ جیسے ''مجتہد مطلق'' اور عبقری شخصیت کا ان کے بارے میں ''ریمارک'' یہ ہے کہ :ــــ

''ابنِ اسحٰق دجالوں میں ایک دجال ہیں۔ اگر میں حجر اسود اور باب الکعبہ کے درمیان کھڑا ہو کر یہ حلف اٹھاؤں کہ وہ پرلے سرے کا جھوٹا دجال ہے تو میرا یہ حلف جھوٹا نہ ہوگا''۔

امام مالکؒ کے علاوہ، عروہؒ اور ہشامؒ نے بھی طویل وعریض الفاظ میں ابنِ اسحٰق واقدی کو ''کذّاب'' لکھا ہے۔ تاہم امام مالکؒ اور ان بزرگوں کی جلالتِ شان اور علوئے مرتبت کے اعتراف کے باوجود ان کی یہ ''انفرادی رائے'' علماء امت کے نزدیک قابلِ اعتناء نہیں سمجھی گئی اور مورّخ ابنِ اسحٰق واقدی نے صحابہ کرامؓ کی شام، فلسطین، مصر، اُردن، عراق اور ایران وغیرہ کے علاقوں میں جنگی مہمات اور جہاد کے واقعات کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان پر بلا تردّد پورا یقین واعتماد کر لیا گیا اور گذشتہ چودہ سو سال سے تمام مؤرخین اور علمائے امت ان جنگوں کے حوالہ سے واقدیؒ کی بتائی ہوئی تفصیلات وجزئیات کو بطورِ سند اور نفسِ واقعہ بیان کرتے چلے آرہے ہیں ــــ!!

المختصر یہ کہ کسی مسلمان اور کلمہ گو کے حق میں فتویٰ کفر کی سنگینی اور علمائے امت کے اس کے اجراء میں احتیاط پسندی اور حتی الامکان اس سے گریز کا اندازہ قارئین کرام کو گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے بخوبی ہو گیا ہوگا ــــ؟ اسی طرح یہ بات بھی وضاحت طلب نہیں رہی کہ فتویٰ کفر کی حیثیت تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ اس اہلِ تکفیر کی انفرادی کوشش کوئی معنی نہیں رکھتی بلکہ حقیقت میں امت کا ''اجماعی فیصلہ'' ہی قابلِ قبول ہوتا ہے اور اجماعِ امت کے بغیر کسی بھی بڑی سے بڑی اور اہم ترین شخصیت کی انفرادی رائے تکفیر مسلم کے بارے میں ردّ کر دی جائے گی ــــ!!

بانیٔ بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ذہنی المیہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاید ''مجتہد مطلق'' یا اس سے بھی اونچی کوئی ''اہم ہستی'' سمجھتے تھے جس کا ہر فیصلہ رطب ویابس رائے بہر صورت ''حرفِ آخر'' اور فرمانِ رسول کی طرح واجب الاطاعت سمجھی جانی چاہیے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ان کی جعلسازی کا شاہکار، مجموعہ تکفیر ''حسام الحرمین'' کے بے بنیاد الزامات کی قلعی کھل جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ اُن قابل احترام علماء حرمین شریفین نے اپنی غلط فہمی پر مبنی آراء سے رجوع فرمالیا تھا بلکہ ان خاں صاحب بریلوی کی اس ''ہاتھ کی صفائی'' کی مبینہ کوششوں کو علمائے رام پور، علمائے پیلی بھیت کے علاوہ بر کے دیگر مقتدر علماء ومشائخ وقت نے بھی درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اس باوجود خانصاحب بریلوی کے متوالے، اس کتاب کو ''وحیِ الٰہی'' کا مرتبہ دینے پر ہوئے ہیں۔ اور اپنے مریدین سے بیعت لیتے وقت بریلی میں ''حسام الحرمین'' کو حرف بحرف درست تسلیم کرنے کا اقرار شرائطِ بیعت میں شامل کر دیا گیا ہے—! یہ حقیقت کہ بریلی کی خانقاہ رضویہ میں بیعت سے قبل جو جیبی سائز کا کتابچہ ہدایات مریدین کا جاتا ہے اس میں منجملہ دیگر باتوں کے یہ جملہ بھی موجود ہے کہ :

''اور کتابِ مستطاب ''حسام الحرمین'' کو میں حرف بہ حرف درست تسلیم کرتا ہوں۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ دنیا میں قرآن مجید کے علاوہ کوئی دوسری کتاب ایسی جسے یہ مرتبہ حاصل ہو کہ اس کے مشتملات حرف بہ حرف صحیح گردانے جائیں—!

علامہ ابن عابدین شامیؒ ''ردالمحتار'' میں فرماتے ہیں :—

فان الله تعالیٰ لم یرض ولم یقدر العصمة لکتاب غیر کتابه العزیز الذی قال فیه لا یأتیهِ الباطِل من بینَ یدَیه ولا من خلفه فغیره من

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) کے سوا کسی اور کتاب کے لئے عصمت کو مقدر نہیں کیا کیونکہ اس (قرآن) کے آگے اور پیچھے سے باطل قطعی داخل نہیں ہوسکتا۔ اس کتاب اللہ کے علاوہ جتنی بھی کتب ہیں ان

الکتاب قد یقع فیه الخطاء والزلل لانّها من تألیف البشر والخطاء والزلل من شعارهم

سب میں خطاء وزلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کتابیں بشر کی تالیفات سے ہیں اور خطاء وزلل شعارِ بشریت ہیں—!

امام شافعیؒ کے مایہ ناز شاگرد امام مُزنیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ''کتاب الرسالہ'' کو امام شافعیؒ کے سامنے اسّی مرتبہ پڑھا تو ہر مرتبہ وہ خطاء پر مطلع ہوئے۔ پھر امام شافعیؒ نے فرمایا ہٰذا! اللہ تعالیٰ نے کسی بھی کتاب کے صحیح ہونے کو مقدر نہیں کیا سوائے اپنی کتاب کے—!

لہٰذا—ایسی صورت میں احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تصنیف ''حسام الحرمین'' اس میں اکابر علماء دیوبند کی کتابوں میں قطع وبرید اور جملوں کی الٹ پھیر سے غلط مطلب کشید کر کے دانستہ طور پر کفریہ عبارتیں بنائی گئی ہیں اور پھر ان خودساختہ کفریہ عبارتوں کو علمائے حرمین کے سامنے عربی زبان میں پیش کر کے فتویٰ لیا گیا۔ جعل سازی کی یہ شاہکار کتاب'' آخر کس بنیاد پر حرف بہ حرف درست اور شک وشبہ سے بالاتر کہی جاسکتی ہے۔؟ کیا خانصاحب بریلوی کا فرمان نعوذ باللہ ''وحی الٰہی'' ہے یا بریلوی حضرات کے نزدیک وہ ''عہدۂ رسالت'' پر متمکن اور فائز ہیں جن کی ہر بات اور ہر رائے اختلاف سے بالاتر اور ہر صورت میں ان کی ''اُمّت'' کے لئے قابلِ قبول اور لائقِ اطاعت ہے—؟؟ حسام الحرمین کے مشتملات کو حرف بہ حرف درست ماننے اور منوانے کا یہ زبردست پروپیگنڈہ کیا چور دروازے سے بانی بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب کے منصب نبوّت'' پر بلا اعلان فائز ہونے کا دعویٰ یا پھر شیعہ آئمہ کی طرح ان کے ''معصوم عن الخطاء'' ہونے کا واضح ثبوت نہیں ہے—؟؟

اکابر علماء دیوبند کی جن عبارتوں پر خانصاحب بریلوی نے احکام کفر عائد کئے ہیں ان عبارتوں کا جو مطلب خانصاحب بریلوی نے متعین کیا ہے۔ حقیقت میں وہ صرف ان کی ذہنی اُپج اور ذاتی یا انفرادی رائے ہے جو نہ صرف ان اکابر علماء دیوبند کی معترضہ عبارتوں کی سیاق وسباق اور نفس کلام کے خلاف ہے بلکہ خود ان اکابرین دیوبند نے بھی قسم کے کفریہ خیالات ونظریات کے صدور سے انکار کیا ہے اور ان سے اپنی برأت ظاہر

کی ہے۔ برصغیر کے علمائے عصر نے بھی ''حسام الحرمین'' کے ان کفریہ فتووں کو درست
کرنے سے انکار کردیا تھا۔ تو کیا ''فاضل بریلوی'' احمد رضا خاں صاحب کی کسی عبارت کی
مطلب شناسی میں انفرادی رائے حجت شرعی ویقینی ہوجائے گی، جبکہ معاملہ کسی کلمہ گو مومن
ومسلم کی تکفیر سے متعلق ہو—؟ کے خاں صاحب بریلوی کے پیروکار انہیں امام دار الہجرہ
حضرت امام مالکؒ، محدثینِ عظام، عروہؒ اور ہشامؒ نیز ملا علی قاری حنفیؒ قاضی عیاض صاحب
''الشفاء'' اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسی اسلام کی مقتدر ہستیوں اور جبالِ علم سے بھی زیادہ
لائق وفائق اور بزرگ وبرتر گمان کرتے ہیں جن کی انفرادی آراء اور فتاویٰ کفر وضلال
امت نے باسانی مسترد کردیا تھا۔ نہ تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی رائے سے اتفاق کر کے
امام اعظم ابوحنیفہؒ ''مرجئی'' قرار دئے گئے اور نہ خطیب بغدادیؒ کے فتویٰ کی بنیاد پر ان
تکفیر کا فیصلہ قابلِ قبول ہوا۔ اسی طرح قاضی عیاض کا امامِ غزالی کو ''معتزلی'' کہنا یا
ابوالحسن اشعریؒ اور شیخ ابوالقاسم قشیریؒ جیسے بزرگوں پر ایک ''جماعتِ علماء'' کی تکفیری
کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ انتہا یہ کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے متعلق فرعون وابلیس
علیہ اللعنۃ کی مغفرت ہونے کے ''خالص کفریہ خیالات وعقائد'' کی بھی تاویل کرلی گئی
انہیں کافر تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ امت مسلمہ کا بڑا طبقہ انہیں آج بھی ولی کامل سمجھتا ہے
آخر احمد رضا خاں صاحب میں ایسے کون سے ''سرخاب کے پر'' لگے ہیں کہ جمیع امت
کے انفرادی فیصلہ کفر کو من وعن درست تسلیم کرلے گی —؟؟

جہاں تک ''شیخ اکبر'' محی الدین ابن عربی کے بارے میں صریح کفریہ باتوں
انتساب کا معاملہ ہے تو خواہ ان کفریہ خیالات کو ان کی کتابوں میں دشمنانِ اسلام یہود
اہل تشیع کی تدسیس گمان کیا جائے یا انہیں ''شطحیات'' کا نام دیکر ''معذوریٔ ذہن''
خانہ میں ڈال دیا جائے مگر یہ حقیقت ہے کہ نہ صرف فرعون وابلیس کے مومن وموحد
اور ان کی مغفرت کا کھلا دعویٰ ان کی کتاب ''فصوص الحکم'' کے صفحات پر موجود ہے
صریح ''توہینِ رسالت'' پر مشتمل ایسے جملے بھی اس کتاب میں ملتے ہیں کہ:

"یزعم ان الرسول لم یصل	ان کے گمان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ

الیٰ مرتبھم وحالھم وانہ کان	علیہ وسلم ان کے مرتبہ وحال کو نہیں پہونچ سکتے
جاھلاً بعلوم رجال التصوف	کیونکہ وہ اہل تصوف کے مخصوص علوم سے
کما قال البسطامی : خضنا	ناواقف تھے۔ چنانچہ بایزید بسطامی کا قول
بحراً وقف الانبیاء بساحلہ"	ہے کہ: ہم (معرفت کے) سمندر میں گھس
{۱}	گئے مگر انبیاء ساحل پر ہی کھڑے رہ گئے......!

کیا یہ امت مسلمہ کی ''سیر چشمی'' کی دلیل نہیں کہ اس قسم کی صریح کفریہ عبارتوں کو
بھی — جن کی کوئی تاویل بھی ممکن نہیں — ''شطحیات'' کا نام دے کر حالتِ جذب و
بے خودی کی غیر اختیاری ذہنی کیفیت یا معذوریٔ ذہن میں شمار کرلیا گیا مگر ایک ایسی بزرگ
اور صاحبِ علم ہستی پر فتویٰ کفر دینے سے گریز کیا گیا جس کی تمام تر زندگی زہد وتقویٰ اور
طہارت اور خشیتِ الٰہی کا نمونہ تھی —! جہاں تک علماء دیوبند کی بات ہے کہ وہ اگر شیخ
محی الدین ابن عربیؒ کو ان خیالات کیلئے ''معذور'' اور انہیں بہر حال ''ولی کامل'' سمجھتے ہیں تو
اس کے پس پردہ امتِ مسلمہ کا یہی ''اجماعی نظریہ'' کارفرما ہے کہ کسی مسلمان کی حتی الامکان
تکفیر سے گریز کیا جائے اور اگر اس میں ۹۹ علامات کفر کی ہوں اور ایک علامت اسلام کی
تو اس ایک علامت پر ہی فتویٰ دیا جائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں علماء دیوبند کا تمام صلحاء
امت کیطرح شیخ ابن عربیؒ کو ذہنی طور پر معذور اور کفر سے پاک ہی نہیں بلکہ ولی کامل سمجھنا
تو عقل میں آتا ہے مگر ان خانصاحب بریلوی کی اس منطق کے مطابق :

''نہ کہ ایک کلام تکذیب خدا یا تنقیص شانِ انبیاء علیہم السلام والثناء میں
صاف صریح ناقابلِ تاویل وتوجیہ ہو اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو تو اسے کفر نہ کہنا کفر
کو اسلام ماننا ہوا۔ اور جو کفر کو اسلام مانے وہ خود کافر ہے''۔ {۲}

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی ''صاف صریح ناقابل توجیہہ'' عبارات کفر کے باوجود
احمد رضا خاں صاحب کا انہیں نہ صرف مسلمان، بلکہ ''ولی کامل'' سمجھنا، اور ان کے لئے

{۱} ''فصوص الحکم'' شیخ محی الدین ابن عربی بحوالہ ''فضائح الصوفیہ'' شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق ص ۴۴-۴۵۔
{۲} ''تمہید الایمان'' احمد رضا خاں بریلوی ص ۳۵۔

"سید المکاشفین" کے علاوہ "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ لکھنا (یعنی اللہ ان سے راضی ہوا) آخر کس تاویل اور کس منطق کی رو سے درست ہو سکتا ہے جبکہ شیخ ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" میں "کلام تکذیبِ خدا" بھی موجود ہے یعنی قرآن مجید کے بیان کے برعکس فرعون و ابلیس کو مومن و مسلم اور نجات یافتہ سمجھنے کا نظریہ اسی طرح "تنقیص شان انبیاء" کے لئے "فصوص الحکم" کا مذکورہ بالا اقتباس سب سے بڑی دلیل ہے تو کیا ان مبینہ خیالاتِ کفر کی خانصاحب بریلوی نے کوئی تاویل حسن کر لی تھی جس کی بنیاد پر انہوں نے شیخ ابن عربی کے بارے میں یہ الفاظ رقم فرمائے ہیں :۔

"میں نے یہ دونوں وقت (۱۸۳۷ھ میں سلطنت اسلامی کا بڑھنا اور ۱۹۰۰ھ میں امام مہدیؑ کا ظہور فرمانا) سید المکاشفین حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے اخذ کئے ہیں۔ اللہ اکبر! کیسا زبردست کشف تھا۔" {۱}

اور اگر خانصاحب بریلوی بھی ان کی "صریح کفریات" کی علمی اور عقلی تاویل کرنے سے معذور تھے تو آخر انہوں نے شیخ ابن عربی کے لئے اجماع امت کے علی الرغم تکفیر کا فتویٰ کیوں نہیں دیا اور کیوں ایسے کفر کو کفر نہ کہہ کر اسے اسلام مانا۔ اور ایسی صورت میں کفر کو اسلام تسلیم کرنے کے بعد خود ان کا ایمان کہاں سلامت رہا؟ ذرا غور فرمائیں۔۔۔!

اگر خانصاحب بریلوی کے حمایتی اور ان کے متوالے شیخ ابن عربی کے ان مبینہ "خیالاتِ کفر" کے بارے میں جمیع صلحائے امت کے "اجماعی فیصلہ" کو تسلیم کرتے ہوئے، شیخ ابن عربی کے تقویٰ طہارت وللّٰہیت کی بنیاد پر انہیں "شطحیات" کا نام دے کر انہیں کی طرح ان خیالات کو "معذوریٔ ذہن" کے خانہ میں ڈالتے ہیں اور اسے جذب وحال کی کیفیت سے تعبیر کرتے ہیں تو پھر خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انہیں اکابر علماء دیوبند سے ہی ایسی کیا پرخاش ہے کہ وہ ان پر خاں صاحب بریلوی کے "خانہ ساز" الزامات کفر سے ان بزرگوں کے اعلان بے زاری اور انکار وبرأت کے باوجود ان کے

{۱} "ملفوظات" احمد رضا خاں بریلوی، ج ۱ ص ۱۲۸۔

خلاف محاذ آرائی کرنے، عوام الناس کے دلوں میں ان کے لئے نفرت وعداوت کے جذبات برانگیختہ کرنے، اور ان بزرگانِ دین کو "کافر ومرتد" ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے میں مصروف اور جاہل وکم علم عوام کو گمراہ کرنے پر بضد ہیں، جبکہ ان اکابر علماء دیوبند کی زندگی کے شب وروز قال اللہ وقال الرسول اور اطاعتِ الٰہی میں گذرے ہوئے اور اسلام کی عظیم الشان علمی خدمات جن سے وابستہ ہیں۔۔۔!

کیا عبارات منقولہ "حسام الحرمین" میں جملوں کی اُلٹ پلٹ اور قطع وبرید نہیں ہوئی۔۔۔؟ کیا ان عبارتوں کا جو مفہوم ومدّعا خاں صاحب بریلوی نے متعین کیا ہے وہ ان کا خود ساختہ نہیں ہے؟ کیا ان عبارات محرفہ ومقطوعہ اور ان سے اخذ کردہ خانصاحب بریلوی کے کفریہ مفہوم پر اہل علم متفق ہو گئے تھے۔؟ کیا ان کفریہ خیالات کا انکار اور تردید ان اکابر علماء دیوبند نے نہیں کی تھی جن کی طرف یہ کفریات منسوب کئے گئے تھے۔؟ کیا انہوں نے خود بھی اس طرح کے خیالات ونظریات کو کفریہ نہیں بتایا تھا۔؟ حالانکہ انکار کو فقہاء احناف رحمہم اللہ نے توبہ حکمی اور رجوع تسلیم کیا ہے (ملاحظہ ہو: درمختار، اشباہ والنظائر، فتح القدیر وغیرہ) یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں ان کے جوابات آج بھی تشنہ طلب ہیں!

جہاں تک احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے علماء دیوبند کے خلاف جعل سازی اور ان پر فتویٰ کفر کی تائید وتصدیق کی بات ہے تو دُور کی بات چھوڑئے۔ بریلی کے قرب وجوار میں رام پور اور پیلی بھیت کے علماء عصر۔۔۔ جو اکثر افعالِ شرک وبدعت میں خاں صاحب بریلوی کے ہمنوا اور ہم خیال ہیں۔۔۔ انہوں نے بھی نہ صرف یہ کہ "حسام الحرمین" کے نام نہاد فتاویٔ کفر کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ وہ اس سلسلے میں خانصاحب بریلوی کی جعلسازی کا پردہ فاش کرنے سے بھی نہیں چوکے۔۔۔!

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جناب احمد رضا خاں صاحب کا علماء بدایوں سے جو اتفاق سے ان کے ہم مشرب ہی تھے۔ یعنی "دیوبندی وہابی" نہیں تھے، ایک مرتبہ ایک فروعی مسئلہ یعنی اذان خطبہ جمعہ اندرونِ مسجد پیشِ امام دی جائے یا خارج مسجد اس کے

دروازے پر اس بات پر اختلاف ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اذان کا خارجِ مسجد یا اندرونِ مسجد ہونا کوئی عقیدہ کا مسئلہ تو ہے نہیں۔ خواہ اذان مسجد کے دروازے پر دی جائے یا اندرون مسجد منبر کے سامنے کھڑے ہوکر، نماز کے صحیح ہونے میں بہر حال کوئی شبہ یا اشکال نہیں۔ علماء بدایوں چودہ سو سال کے ''اجماع امت'' کے مطابق اذان خطبہ جمعہ حسب معمول اندرونِ مسجد امام کے رُوبرو منبر کے سامنے دینے کے قائل تھے جبکہ ''فاضل بریلوی'' احمد رضا خاں صاحب اس بے ضرر سے مسئلہ میں بھی اختلاف و افتراق کی شیعی ذہنیت کے مظاہرے سے نہیں چوکے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اذان خطبہ بیرونِ مسجد دینے پر ہی شدید اصرار کیا بلکہ اس مسئلہ کو اسلام کا ایسا رکن رکین قرار دیا کہ جس پر ایمان اور کفر کا دارومدار ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ اذان پر ''سد الفرار'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے خودساختہ دلائل پر زور دیتے ہوئے علماء بدایوں پر ۶۳۵ وجوہ کفر و گمراہی بیان کی گئیں تھیں۔ علماء رام پور بھی مسئلہ اذان میں چونکہ علماء بدایوں کے ہمنوا اور اجماعِ امت کے قائل تھے۔ چنانچہ وہ بھی خاں صاحب بریلوی کی ''تبرّا'' کی زد سے نہ بچ سکے—! دونوں طرف سے بڑے زور دار ''تحریری معرکے'' ہوئے۔ اس موضوع پر ''مجلس علماء رام پور'' نے ۱۳۳۲ھ میں ایک رسالہ خاں صاحب بریلوی کے جواب میں ''رزم شیریں چاہِ شور'' کے نام سے انجمن اختر الاسلام پیلی بھیت کی جانب سے شائع کیا تھا جس میں ''مجلس علماء رام پور'' نے خاں صاحب بریلوی سے مخاطب ہوکر تحریر کیا تھا۔

''جب آپ ایسے صاف کلام میں یہ مطلب ایسی شرح سے نکالتے ہیں تو خدا جانے کتنے مسلمانوں کو ایسی شرح کر کے بے دین اور کافر بنا چکے ہوں گے۔ چنانچہ آپ نے علماء حرمین شریفین کو دھوکا دے کر ''حسام الحرمین'' میں فتویٰ اسی طرح مطلب بدل کر حاصل کرلیا کہ ''جن لوگوں کا یہ قول ہے جس کا یہ مطلب ہے وہ کافر ہیں اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ مگر جب علماء حرمین شریفین نے ان قائلین (علماء دیوبند) سے سوالوں کے جواب طلب کیئے، مطلب ان کے قول کا ویسا نہ پایا جیسا بریلوی نے بتایا تھا تو لکھدیا

کہ یہ لوگ مسلمان ہیں کافر نہیں۔ یہ تحریر علماء حرمین شریفین، طائف، جدّہ، دمشق وغیرہ کی تصدیقات و مواہیر سے مکمل ہوکر بنام ''التصدیقات لدفع التلبیسات'' المعروف بہ ''المہنّد علی المفنّد'' کتاب کی صورت میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ جس کے دیباچہ میں مولوی صاحب بریلوی کو مثل رافضی لکھا ہے کہ اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں رافضیوں کی طرح تفرقہ اندازی ان کا کام ہے۔ عام طور پر یہ جعلسازی مولوی صاحب کے ''رسالہ وقایہ'' نے کھول دی کہ اس طرح کچھ کا کچھ دکھاتے ہیں۔

خدا جماعت باشفاعت پیلی بھیت و مجلس علماء رام پور کو ایسی دجّالیت کی ذکاء نہ دے اور ایسے ابلیسانہ سلامتِ عقل سے دور رکھے۔'' {۱}

عُلمائے فرنگی محل لکھنؤ کا ردِّ عمل

علماء فرنگی محل لکھنؤ کی شہرت و عظمت خاں صاحب بریلوی کے دورِ حیات میں اپنے عروج پر تھی۔ ان علماء کو اگرچہ اکابر علماء دیوبند سے بعض فروعی مسائل میں اختلاف تھا اور اس بنیاد پر خاں صاحب بریلوی نے انہیں فتویٰ کفر میں انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی بہت کوشش کی مگر وہ انہیں اپنی تائید و حمایت پر آمادہ نہ کر سکے۔ اس دور میں مولانا عین القضاۃ کے شاگرد رشید مولانا عبد الباری فرنگی محلی اپنے بزرگوں کے جانشین تھے۔ انہوں نے آخر احمد رضا خاں صاحب کو صاف صاف لکھ دیا:

''ہمارے اکابر (علماء فرنگی محل) نے اعیانِ علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کی۔ اس واسطے جو حقوق اہل اسلام کے ہیں ان سے انہیں کبھی محروم نہیں رکھا۔'' {۲}

چنانچہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی اس جواب سے چراغ پا ہو گئے اور اپنے فتاویٔ کفر کی تائید نہ کرنے کے جرم میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی پر اپنی کتاب ''الطاری الداری لہفوات عبد الباری'' میں ایک سو ایک وجوہ سے حکم کفر لگا دیا—!

{۱} ''رزم شیریں چاہِ شور''، مجلس علماء رام پور ص ۳ شائع کردہ انجمن اختر الاسلام پیلی بھیت ۱۳۳۲ھ۔
{۲} ''الطاری الداری بہفوات عبد الباری'' احمد رضا خاں صاحب ص ۱۶۔

درگاہِ اجمیر کا تبصرہ

جناب احمد رضا خاں صاحب نے جب ''حسام الحرمین'' کے ذریعہ اکابر علماء دیوبند کے خلاف تکفیری مہم چھیڑی تھی تو اس وقت اجمیر میں درگاہ سے متعلق ''مدرسہ معینیہ عثمانیہ'' میں مولانا معین الدین اجمیری صدر مدرس تھے۔ خاں صاحب بریلوی نے ان سے بھی دیرینہ تعلقات کی بنا پر اپنے فتویٰ تکفیر علماء دیوبند کی تائید لینی چاہی مگر آپ نے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔ پھر جب خاں صاحب ان کے پیچھے ہی پڑ گئے تو مولانا معین الدین اجمیری نے خانصاحب بریلوی کے خلاف ایک مستقل کتاب ''تجلیاتِ انوارِ معین'' کے نام سے لکھ کر اپنے بے لاگ تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے احمد رضا خاں صاحب کی جن الفاظ میں مذمت کی ہے وہ لائق مطالعہ ہیں۔

مولانا معین الدین اجمیریؒ لکھتے ہیں :

''اعلیٰ حضرت نے سمجھ لیا تھا کہ اس چودھویں صدی کے لوگ ایک پنجابی (مرزا غلام احمد قادیانی) کے دعویٰ نبوت کو ٹھنڈے دل سے سن کر اس کو تسلیم کرنے میں عذر نہیں کرتے اور دوسرے پنجابی (منکر حجتِ حدیث مولوی عبد اللہ چکڑالوی) کی صدا سن کر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر باد کہہ دیتے ہیں تو چلو اس ''آپا دھاپی'' کے زمانے میں خود بھی بہ نسبت ان کے ایک سہل دعویٰ کر کے اپنی ممتاز جماعت کھڑی کر لو ـــ کچھ مختصر سی بے ہنگام جماعت، ہاں میں ہاں ملانے والی، اور ہم کو مجدد ماننے والی سر دست موجود ہے۔ اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانی کا کیا بگڑا جو اس کا خراب اثر ہم پر پڑے گا ـــ ایک جاہل جماعت کے جہل کو خدا سلامت رکھے تو اپنے لئے سب کچھ ہو لے گا۔'' {۱}

مولانا اجمیری خاں صاحب بریلوی کے تکفیر کے جنون کا تذکرہ کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں رقمطراز ہیں :

''خلقت آپ کی فضیلت سے بے حد نالاں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ دنیا میں

{۱} ''تجلیاتِ انوارِ معین'' مولانا معین الدین اجمیری ص ۲۔

شاید کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہوگا جس قدر ''اعلیٰ حضرت'' نے مسلمانوں کو کافر بنایا۔ مگر درحقیقت یہ وہ فضیلت ہے جو سوائے ''اعلیٰ حضرت'' کے کسی کے حصہ میں نہیں آئی۔'' {۱}

خاں صاحب بریلویؒ کے شوقِ تکفیر کا جائزہ لیتے ہوئے ایک اور جگہ پر مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں :

''اعلیٰ حضرتؒ نے ایک دنیا کو وہابی بنا ڈالا۔ ایسا بدنصیب وہ کون ہے جس پر آپ کا خنجر وہابیت نہ چلا ہو۔ وہ اعلیٰ حضرت جو بات بات میں وہابی بنانے کے عادی ہوں، وہ اعلیٰ حضرتؒ جن کی تصانیف کی علت غائیہ وہابیت، جنہوں نے اکثر علماء اہل سنت کو وہابی بنا کر عوام کالانعام کو ان سے بدظن کر دیا۔ جن کے اتباع کی پہچان یہ ہے کہ وہ وعظ میں اہل حق سنیوں کو وہابی کہہ کر گالیوں کا مینہ برساتے ہیں۔'' {۲}

اسی کتاب کے صفحہ ۹ پر مولانا معین الدین اجمیریؒ اکابر علماء دیوبند کے بارے میں اپنے تأثرات ان الفاظ میں لکھتے ہیں :

''یہ حضرات مسلمان اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔''

واضح رہے کہ یہ مولانا معین الدین اجمیری کوئی دیوبندی بزرگ نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق ''سلسلۂ خیر آبادیہ'' کے بزرگوں سے تھا۔ مولانا معین الدین اجمیری مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر کے بانی اور صدر مدرس تھے۔ اور بریلوی طبقہ کے بزرگ ''خانقاہ سیال شریف'' کے گدی نشین خواجہ قمر الدین سیالویؒ کے استاذ تھے۔ ''المیزان'' بمبئی کے ''امام احمد رضا نمبر'' میں مدنی میاںؒ ان کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

''شمس العلماء مولانا معین الدین اجمیری...... مولانا مرحوم مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کی تحریک آزادی کے ممتاز رہنما تھے۔ مولانا مرحوم کا جو عزم جہاد

{۱} ''تجلیاتِ انوارِ معین'' مولانا معین الدین اجمیریؒ ص ۳۷۔

{۲} ''تجلیاتِ انوارِ معین'' مولانا معین الدین اجمیری ص ۴۲۔

انگریزوں کے خلاف تھا وہ آپ کی گرانقدر کتاب ''ہنگامہ اجمیر'' سے ظاہر ہے یہ کتاب بھی انگریزوں نے ضبط کرلی تھی۔ چند نسخے جو بچ رہے وہ آج بھی کہیں کہیں علمائے اہل سنت کے پاس پائے جاتے ہیں۔'' {۱}

شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا تاثر

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ جو شیخ وقت اور استاذ العلماء تھے۔ ۱۳۱۲ھ تک آپ نے اپنے عقیدت مندوں اور طلباء وعلماء کا مرجع بنے رہے۔ جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف نیاز حاصل کیا تھا۔ بقول ان کے سوانح نگار شاہ مانا میاں :

''اعلیٰ حضرت کو معاصرین علماء ومشائخ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے گہرا تعلق تھا۔ حکیم مولوی سعید الرحمٰن خاں مرحوم بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت پہلی مرتبہ ۱۳۱۱ھ میں گنج مرادآباد تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ جو حضرات تھے ان میں مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خاں، مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، قاضی خلیل الدین حسن اور مولانا احمد حسن کانپوری بھی شامل تھے۔'' {۲}

انہیں مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا اکابر علماء دیوبند کے بارے میں جو تاثر تھا لگے ہاتھوں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :

''مولانا محمد قاسم نانوتوی کو کمسنی میں ولایت مل گئی ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے قلب میں ایک نور ہے جس کو ولایت کہتے ہیں۔'' {۱}

مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ

{۱} ''المیزان'' ''امام احمد رضا نمبر'' ص ۳۹۶۔

{۲} ''سوانح اعلیٰ حضرت'' شاہ مانا میاں، ص ۱۵۸۔

{۳} ''کمالات رحمانی'' ص ۱۰۵ (طبع سوم) مطبوعہ آزاد پریس پٹنہ بہار

بانی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تھے جو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بہت مداح اور عقیدت مند تھے اور بقول خاں صاحب بریلوی انہیں نے مولانا نانوتوی کو ''حکیم الامت'' کا لقب دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو حسام الحرمین صفحہ ۱۰۱)

اسی ندوۃ العلماء کے بارے میں خاں صاحب بریلوی نے یہ فحش شعر کہا ہے۔

اسپ سنت مادہ خراز بدعت آوردہ بہم
استر ندوہ بدست آرند و مفخر می کنند!

(حدائق بخشش ج:۳، ص ۳۲)

یعنی سنت کا گھوڑا جب بدعت کی گدھی کے ساتھ جفتی ہوا تو اس سے ندوہ کا خچر پیدا ہوا۔ اسی پر ندوہ والے فخر کر رہے ہیں—!!

بہر کیف! خاں صاحب بریلوی کے خود ساختہ فتاویٰ کفر ''حسام الحرمین'' کی ہندوستان کے طبقہ علماء سے لیکر مشائخ دوراں تک کہیں بھی پذیرائی نہ ہوسکی۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی مانچسٹر (انگلینڈ) نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''مطالعہ بریلویت'' جلد چہارم میں صفحہ ۴۷ سے صفحہ ۱۲۸ تک برصغیر ہندو پاک کے علاوہ رنگون (برما) اور افغانستان کے تقریباً ۴۳۸ علماء ومشائخ کے تاثرات اور حسام الحرمین کے فتاویٰ کفر کو درست تسلیم کرنے سے ان کے انکار کا حال اور علماء دیوبند کی تائید کا احوال تفصیل سے نام بنام تحریر کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم ان کا تذکرہ کرنے سے گریز کررہے ہیں—!

حاصل بحث یہ ہے کہ کسی مسلمان پر فتویٰ کفر لگانا کوئی معمولی بات نہیں اور نہ یہ کوئی انفرادی معاملہ ہے کہ جو چاہے اور جب چاہے کسی بھی مخالف پر فتویٰ کفر بلا تکلف جڑ دے بلکہ کفر کا فتویٰ امت مسلمہ کا ''اجماعی فیصلہ'' کہلاتا ہے جس طرح موجودہ دور میں امت نے قادیانیوں کے بارے میں اجماعی طور پر فتویٰ کفر لگایا تھا تو اس کی پیروی امت کے ہر فرد بشر پر لازمی ہوگئی خواہ وہ ہندو پاک کے علاوہ دنیا کے کسی بھی ملک اور خطہ کا باشندہ ہو۔ قادیانیوں کے کفر کا اجماعی فیصلہ عرب وعجم ہر جگہ کے علماء وعامۃ المسلمین نے تسلیم کیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فتویٰ کفر مسلم کے بارے میں شریعت کی نگاہ میں کسی بھی ہستی کی ''انفرادی رائے'' یا چند گنے چنے علماء کی مخصوص آراء کوئی حیثیت نہیں رکھتیں ورنہ آج امت کے اسلاف میں بزرگ ترین ہستیاں جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام ابوالحسن اشعریؒ، امام غزالیؒ، شیخ ابوالقاسم قشیریؒ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ وغیرہ آئمہ دین، اور اولیاء اللہ میں شمار نہ ہوتیں بلکہ ان کا شمار (نعوذ باللہ) گروہِ ''کفار و مرتدین'' میں کیا جاتا ــــ!!

باب ۷

بریلویت اور نظریۂ ولایت

لفظِ ولی اور ولایت کی لغوی تحقیق

عربی کی لغت ''القاموس'' میں لفظ "وَلِیٌّ" کے معنیٰ ''قریب'' اور ''نزدیکی'' کے ہیں۔ پے در پے بارش بھی اس کے معنیٰ میں داخل ہے عربی زبان کے قواعد کے مطابق "ولی یلی" کے معنیٰ ہیں کسی چیز کا دوسری چیز سے قریب ہونا۔ مثلاً جب بولتے ہیں "ھذا یلی ھذا" تو اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ یہ شے اس شے کے قریب ہے۔ "وَلِیٌّ" اسی مصدر کا اسم ہے جس کے معنیٰ دوست، محبّ اور مددگار کے بھی ہیں۔ اسی سے ''ولایت'' ہے، جس کی اصل محبت اور قرب ہے۔ ولایت کی ضد عداوت ہے جو بغض اور نفرت و دُوری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح "تولّاہ" کے معنیٰ یہ ہے کہ اس کو اپنا دوست بنالیا۔ "دارہٗ ولیّ داری" کے معنیٰ ہیں: اس کا گھر میرے گھر سے قریب ہے! کتاب ''مُغرب'' میں ولایت کے معنیٰ نصرت و محبت دونوں ہی لکھے ہوئے ہیں :

"الولایۃ بالکسر والفتح النصرۃ والمحبۃ." (المغرب) — لفظ ولایت واؤ پر زیر اور زبر دونوں ہی اعتبار سے نصرت اور محبت کے معنیٰ دیتا ہے۔

"مصباح المنیر" میں لفظ ''ولی'' کے معنیٰ محبت کرنے والے، اطاعت گزار کے ہیں۔ موالات کی ضد معادات ہے۔ اسی طرح ''ولی'' کی ضد ''عدو'' ہوتی ہے۔

ابو اسحٰق کا کہنا ہے کہ اللہ مومنوں کا ولی ہے، ان کی طرف سے مخاصمت کرنے میں، انہیں ہدایت دینے میں اور ان کے لئے دلیل قائم کرنے میں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی زیادتی کے ساتھ ہدایت میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَتْھُمْ ھُدًی۔ جو لوگ ہدایت کی راہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ان کا ولی ہے ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنے میں اور ان کے مخالفوں کے دین پر ان کے دین کے غالب کرنے میں۔ {۱}

{۱} ''اولیاء اللہ'' سید احمد عروج قادری ص ۸ (مطبوعہ دہلی ۱۹۷۸ء)۔

قرآن مجید میں لفظِ ولی کے استعمالات

قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس میں لفظ ''ولی'' عموماً حسب ذیل معانی میں استعمال کیا گیا ہے :

(۱) قریب
(۲) دوست
(۳) ساتھی
(۴) نگراں
(۵) کارگزار
(۶) مددگار
(۷) کارساز
(۸) وارث
(۹) تابع و مطیع

ان معانی پر غور و فکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ محبت و قرب ولی کا اساسی مفہوم و معنیٰ ہے اور دوسرے تمام معانی اسی مناسبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ولی کا لفظ تقریباً ان تمام معانی میں استعمال ہوا ہے۔ بطور مثال چند آیات پیش خدمت ہیں۔

''دوست'' کے مفہوم کے لئے ''سورہ الکہف'' کی یہ آیات ملاحظہ ہوں :

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ۔ (الکہف : ۵) — کیا تم شیطان اور اس کی ذرّیت کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں!

''ساتھی'' کا مفہوم ''سورہ مریم'' کی اس آیت میں پیش کیا گیا ہے :

یَا اَبَتِ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا۔ (مریم : ۱۴۵) — اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھ پر کوئی عذاب رحمٰن کی طرف سے نازل نہ ہوجائے اور پھر تیرا شمار شیطان کے ساتھیوں میں ہونے لگے۔

''نگراں'' کا مفہوم ''سورہ انفال'' کی ان آیتوں میں ملتا ہے :

وَ مَا لَهُمْ اَنْ لَا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْا اَوْلِيَآءَهٗ ط اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الانفال : ۳۴)

اور ان میں ایسی کونسی خصوصیت ہے کہ اللہ ان پر عذاب نازل نہ کرے جبکہ وہ لوگوں کو مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کی نگراں نہیں ہیں۔ اس کے نگراں اور متولی تو وہی لوگ ہیں جو متقی اور پرہیز گار ہیں لیکن ان میں سے اکثر کو اس بات کی خبر نہیں......!

''مددگار'' اور ''کارساز'' کے مفہوم کے لئے ''سورہ بنی اسرائیل'' کی یہ آیتیں ملاحظہ فرمائیں :

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا o (بنی اسرائیل:۱۱۱)

اور کہو سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہیں رکھتا کوئی اولاد، اور نہ کوئی اس کا شریک ہے سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار اور کارساز ہے کمزوری اور عاجزی کے باعث۔ لہٰذا اس کو بڑا جان کر اس کی عظمت کا اظہار کرتے رہو۔

''وارث'' کے مفہوم کا استعمال واضح طور پر ''سورہ مریم'' کی ان آیتوں میں ہوا ہے:

اِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآئِيْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا o يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ (مریم :۶)

اور مجھے اپنی موت کے بعد اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اسلئے تو اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمادے جو میری اور اولادِ یعقوب کی میراث کا مالک ہو، اور بنا اے رب! اسے ایک پسندیدہ انسان!

''کارگذار'' اور ''وارث'' کے مشترکہ مفہوم کیلئے ''سورہ البقرہ'' کی ان آیتوں کو دیکھئے

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا

پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے، بے عقل ہو یا بوڑھا ضعیف ہو یا خود نہیں

يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ۔ (البقرہ : ۲۸۲)

لکھ سکتا ہو تو اس کا شرعی وارث یا کارگزار انصاف کے ساتھ لکھوادے۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا الگ الگ معانی کے لئے ''ولی'' اور ''اولیاء'' کا لفظ قرآن مجید میں کم ہی استعمال ہوا ہے۔ بلکہ اس کا استعمال ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے ہمیں قرآن میں حسب ذیل چار صورتوں میں ملتا ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کا ولی ہے۔

(۲) اللہ کے مومن بندے اس کے اولیاء ہیں۔

(۳) شیطان کافروں اور مشرکوں کا ولی ہے۔

(۴) کافر و مشرک شیطان کے اولیاء ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ کو مومنوں کا ولی کہنا یہ مفہوم رکھتا ہے کہ وہ ان کا دوست ہے، اس کی رحمت ان سے قریب ہے۔ وہی ان کا کارساز و مددگار ہے، وہی ان کا نگراں اور محافظ ہے، وہی ان کا رفیقِ اعلیٰ اور وہی ان کا ملجا و مرجع ہے۔

اسی طرح جب مومنوں کو اپنا ''ولی'' قرار دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مومن بندے اس کی محبت کے متوالے، اس کی نظرِ عنایت اور رحمت کے آرزومند اور اس کی نصرت و کارسازی پر بھروسہ کرنے والے، اس کے اشارے پر چلنے والے، اس کی رفاقت کے جویا اور اس کی مرضیات کے طالب ہیں!

قرآن مجید کی تصریح کے مطابق شیطان کافروں کا ولی ہے اور کافر اس کے اولیاء ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو بہکا کر شیطان انہیں اپنا بندہ بناتا ہے۔ ان کو خدا سے کاٹ کر اپنے ساتھ جوڑ لیتا ہے۔ چنانچہ یہ نافرمان اور باغی بندے اسی کو اپنا حاکم اور دوست و خیر خواہ سمجھتے ہیں اور اسی کی اطاعت و فرماں برداری میں مصروف رہتے ہیں ــــ!

قرآن مجید ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ دنیا اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان کی معرکہ آرائیوں کا میدان ہے۔ قرآن ان دونوں کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سامنے یہ آزمائش رکھی ہے کہ وہ جس گروہ کو پسند کریں اس میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ

اس سلسلے میں بھی قرآن مجید کی چند آیتیں ملاحظہ فرمائیں :

(۱) اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (البقرہ: ۲۵۷)

اللہ ایمان لانے والوں کا ولی ہے۔ انہیں وہ اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔

(۲) وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَاءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔ (البقرہ: ۲۵۷)

جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ان کے اولیاء طاغوت ہیں جو انہیں (ہدایت کی) روشنی میں سے نکال کر (گمراہی کے) اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔

(۳) اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَاءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا (النساء: ۷۶)

مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس شیطان کے اولیاء سے لڑو اور یقین رکھو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں بہت ہی کمزور اور بودی ہیں......!

(۴) اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۶۸)

ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو پہونچتا ہے تو ان لوگوں کو جنھوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہ نبیؐ۔ اور اس پر ایمان لانے والے لوگ اور اللہ مومنوں کا ولی ہے۔

(۵) اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ (الجاثیہ: ۱۹)

اللہ کے سامنے وہ ہرگز تیرے کام نہ آئیں گے اور ظالم ایک دوسرے کے ولی ہیں اور اللہ تعالیٰ متقیوں کا ولی ہے......!

مذکورہ بالا تمام آیتوں میں "ولی" اور "اولیاء" کے الفاظ ایک جامع اصطلاح کے طور استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی "اولیاء اللہ" اور "اولیاء الشیطان" نام کے دو گروہ ایک دوسرے کے مدمقابل اور برسرِ پیکار نظر آتے ہیں——!!

اب آیئے "سورہ یونس" کی آیت اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ کی طرف۔ جس کے ذریعہ اولیاء تصوف کی "ولایتِ خاصہ" کے لئے استدلال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ "رسالہ قشیریہ" میں "باب الولایۃ" کے تحت یہی آیت پیش کی گئی ہے۔

ان آیات میں اولیاء اللہ کی تعریف وتعیین بھی کی گئی ہے اور ان کے دنیاوی واُخروی اجر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ملحقہ آیت اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ اولیاء اللہ کی تعریف وتعیین ہے۔ اور اس میں دو جزو ہیں :

(۱) ایمان۔

(۲) تقویٰ۔

ایمان کے بغیر کوئی اللہ کا ولی کسی بھی درجے میں نہیں ہوسکتا۔ اور تقویٰ کے بغیر کسی کو "ولایتِ خاصہ" حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کے نزدیک عزت کا مقام حاصل کرنے کا ذریعہ صرف تقویٰ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ یعنی تم میں جو سب سے زیادہ متقی ہے وہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ مومنین ومتقین ہی اللہ تعالیٰ کے اولیاء خاص ہیں۔ {۱}

سید مصطفیٰ عروسی جو "رسالہ قشیریہ" کے محشی ہیں۔ اپنی کتاب "نتائج الافکار قدسیہ" میں سورۂ یونس کی مذکورہ بالا آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولاك الولاية هو التقوى المذكورة فالاولياء هم المومنون المتقون۔ {۲}

ولایت کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ لہٰذا مومنین متقین ہی "اولیا" ہیں۔

{۱} "اولیاء اللہ" سید احمد عروج قادری، ص ۱۵۔

{۲} "نتائج الافکار قدسیہ" سید مصطفیٰ عروسی، ج ۳ ص ۲۰۹۔

مومنین ومتقین کی صفات قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے ملتی ہیں اور جگہ جگہ بیان کی گئی ہیں۔ قرآن نے جس تقویٰ کا مطالبہ کیا ہے اور جو دعوتِ انبیاء کرامؑ کی بنیاد ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر رکھے اور ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ اگر اس نے اللہ کی قائم کی ہوئی کسی حد کو توڑا، یا اس کی مقرر کردہ کسی حد سے نکلنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت اور سزا سے بچانے والا کوئی فرد بشر نہیں......! بہر حال: اہل تقویٰ کی صفات اور نیکی وتقویٰ کے بیان سے قرآن مجید کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ بطور نمونہ چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:—

''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخرت اور ملائکہ اور اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے رسولوں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک لوگ وہ ہیں جو کہ جب عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور تنگی ومصیبت کے وقت میں اور حق وباطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہی راست باز لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں۔'' (البقرہ:۱۷۷)

یہ آیات تقویٰ کی حقیقت واضح کرنے اور پرہیزگاروں کو نافرمانوں سے علیحدہ کرنے کے سلسلے میں واضح ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی اس غلط فہمی کو بھی دفع کرتی ہیں جو تقویٰ سے متعلق ان میں پیدا ہوگئی تھی۔ یعنی مذہب کی چند آسان رسموں کو پابندی اور کچھ خود ساختہ مظاہر دین کو تقویٰ کی اصل سمجھ لینا وغیرہ۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات میں پہلے ان بنیادی عقائد پر یقین واذعان کو نیکی قرار دیا گیا ہے۔ جن کے بغیر کسی کو تقویٰ کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی۔ اور پھر مثال کے طور پر چند بنیادی اعمال و صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کے بغیر تقویٰ اور راست بازی کا تصور کرنا بھی محال ہے۔ جیسے ایفائے عہد مصائب ومشکلات اور حق وباطل کی جنگ میں صبر کرنا، انفاق مال، اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ وغیرہ سورہ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اور جو کوئی سچی بات لے کر آیا اور اس کی جس نے بھی تصدیق کی وہی متقی لوگوں میں شمار ہوگا۔ ایسے لوگوں کیلئے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ اپنے رب کے پاس پہونچ کر خواہش کریں گے۔ یہ بدلہ ہے محسنین کا۔'' (الزمر:۳۳-۳۴)

یہ آیت بھی سچے مومن ہی کو متقی اور محسن بتاتی ہے۔ یہ دونوں آیات ایسی ہیں جن میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک صحیح معنیٰ میں متقی کون لوگ ہیں—؟

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:—

''میرے عذاب کا حال یہ ہے کہ جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں اور رحمت کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ پس میں ان لوگوں کے لئے رحمت لکھ دوں گا جو تقویٰ کی روش اختیار کریں گے۔ اور زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔ جو الرّسولؐ کی پیروی کریں گے جو نبی امی ہوگا۔ برائی سے انہیں روکے گا۔ پسندیدہ چیزیں ان کے لئے حلال کرے گا اور گندی وخبیث چیزیں حرام ٹھہرائے گا۔ اس بوجھ سے انہیں نجات دلائے گا جس کے تلے وہ دبے ہوں گے۔ ان پھندوں سے نکالے گا جن میں وہ گرفتار ہوں گے۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی تقویت کا باعث ہوئے (دشمنانِ حق کے مقابلہ میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس کیساتھ بھیجی گئی ہے۔ سو وہی ہیں کامیابی پانے والے۔'' (الاعراف:۱۵۶-۱۵۷)

ان آیتوں میں ایمان وتقویٰ کی صفت کو ان لوگوں میں محصور کردیا گیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فلاح وکامرانی انہیں لوگوں کا حصہ ہے جو آپؐ پر ایمان لاتے ہوں اور قرآن کے احکام کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنانے پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی ''ولایتِ خاصۃ'' دراصل ایسے ہی لوگوں کے حصہ میں ہے۔ خواہ ان کے اندر وہ مظاہر تقویٰ نہ پائے جاتے ہوں جن کو بعد کے لوگوں نے شرطِ تقویٰ قرار دے لیا ہے—!!

یہ ہے تقویٰ کی وہ سیدھی سادھی حقیقت جو قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ اور جو ایمان

لانے کے بعد، اللہ کی دوستی کے حصول کی بنیاد ہے۔ بہر حال قرآن وحدیث میں نہ تو اولیاء اللہ کی کوئی خاص ہیئت بیان کی گئی ہے اور نہ ان کا کوئی خاص لباس مقرر کیا گیا ہے۔ اور نہ ان کے اندر کسی مافوق البشر طاقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور نہ ان نفوس قدسیہ کو کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ کتاب وسنت کے مطابق ''اولیاء اللہ'' خوف وخشیت الٰہی سے متصف، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے والے، احکام شریعت کا پوری طرح اتباع کرنے والے، مخلص اور پرہیز گار مسلمان ہوتے ہیں اور بس!

حدیثِ قدسی اور اولیاء اللہ

قرآن مجید کی اس شہادت کے بعد آیئے اب ذرا اس حدیثِ قدسی کا بھی جائزہ لیتے ہیں جو امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ''کتاب الرقاق'' باب ''من جاہد نفسہ فی طاعت اللہ'' میں درج کی ہے۔ اور شیخ ابو القاسم قشیریؒ نے اس حدیث کو اولیاء تصوف کی ''ولایتِ خاصہ'' کے لئے بطور دلیل دوئم پیش کیا ہے ـــ!

یہ حدیثِ قدسی جو حضرت ابو ہریرہؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ دونوں سے مروی ہے۔ ''رسالہ قشیریہ'' میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ اپنی شرح میں درج کئے ہیں۔ امام نوویؒ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ''ریاض الصالحین'' میں نقل کی ہے۔

بخاری شریف میں موجود حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں :ـــ

"عن ابی هُریرة قال: قال رسُول الله صلی اللّٰهُ علیه وسلم ان الله قال: من عاد لی ولیًّا فقد اذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی احبّ الی ممّا افترضت علیه و لا یزال عبدی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو میں نے اسکے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ میرا بندہ جن چیزوں سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے

یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببتهٗ فاذا احببتهٗ کنت سمعه الذی یسمع بهٖ وبصره الذی یبصره بهٖ ویدهٗ التی یبطش بهٖ ورجلهٗ التی یمشی بها وان سألنی لاعطیتهٗ ولئن استعاذنی لاعیذنه وما ترددت عن شیئ انا فاعله ترددی عن نفس المومن یکره الموت وانا اکره مساء ته"۔

''صحیح بخاری'' جلد۲ رص ۹۶۳

''کتاب الرقاق''

(باب من جاہد نفسہ فی طاعۃ اللہ)

سب سے زیادہ محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کردی ہیں۔ اور میرا بندہ مسلسل نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ اور جب وہ میرا محبوب ہوجاتا ہے تو میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے گا تو میں ضرور اس کو دوں گے اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اس کو پناہ دوں گا۔ مجھے اپنے بندۂ مومن کی روح قبض کرنے میں جو تردد ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اس کی ناگواری کو میں ناپسند کرتا ہوں۔

اس حدیثِ نبویؐ میں جہاں ''اللہ کے ولی'' کی تعریف اور اس کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو بشارتیں بھی دی ہیں اور اولیاء اللہ سے دشمنی پر سخت وعیدیں بھی سنائی گئی ہے۔ ایک عظیم بشارت اور ایک سخت وعید اس حدیث کے پہلے ٹکڑے میں ہی موجود ہے۔ یعنی ''جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میں نے اس کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔'' اس جملے میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو یہ خوش خبری سنائی ہے کہ تمہیں میرے علاوہ کسی سے بھی خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا نگراں، کارساز، محافظ اور مددگار تو میں ہوں۔ تم مجھ پر بھروسہ رکھو اور

میرے احکام کی تعمیل میں لگے رہو۔! دوسری طرف اولیاء اللہ کے دشمنوں کے لئے وعید یہ ہے کہ خبردار! میرے دوستوں سے دشمنی دراصل مجھ سے دشمنی ہے۔ اگر تم ان سے دشمنی کی روش اختیار کرتے ہو تو ان کی حمایت میں تمہارے خلاف میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے، اس طرح تمہیں ان سے نہیں بلکہ مجھ سے جنگ کرنی ہوگی۔ {۱}

اس حدیث کے دوسرے ٹکڑے میں یہ بتایا گیا ہے کہ "اولیاء اللہ" جن کو اتنا اونچا مقام دیا گیا ہے درحقیقت وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عائد کئے ہوئے "فرائض" ہی نہیں بلکہ اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے لئے "نوافل" بھی ادا کرتے ہیں اور نوافل کی کثرت کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جاتے ہیں۔

سید مصطفیٰ عروسی لکھتے ہیں۔

"قرب الٰہی کے منجملہ اسباب میں سے فرائض کے بعد نوافل کی ادائیگی بھی ہے اور یہ دونوں چیزیں مل کر بندے کو اللہ کی محبت کا مستحق بناتی ہیں۔" {۲}

اس حدیث کا قابلِ غور ٹکڑا وہ ہے جس میں فرائض و نوافل کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا ہے۔

"یہاں تک کہ میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"

ظاہر بات ہے کہ اگر ان الفاظ کے حقیقی معنیٰ مراد لئے جائیں گے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ اولیاء اللہ ہی خدا بن جاتے ہیں۔ امامِ غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اپنی حد سے گذرنے والے صوفیاء نے حدیث کے اس ٹکڑے کو "حلول واتحاد" کیلئے استعمال کیا ہے۔ حالانکہ عقل ونقل دونوں اس پر گواہ ہیں کہ حدیث کے اس ٹکڑے میں جو الفاظ

{۱} "اولیاء اللہ" سید احمد عروج قادری، ص ۲۶۔

{۲} "نتائج الافکار قدسیہ" سید مصطفیٰ عروسی ج ۲/ص ۲۰۳۔

استعمال کئے گئے ہیں، وہ محض استعارے، کنائے اور تمثیل کی زبان ہے۔ اسکے حقیقی معنیٰ مراد نہیں۔ اس قسم کے تمثیل واستعارے کی مثالیں ہمیں قرآن مجید میں بھی ملتی ہیں۔ جیسے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۷)

تم لوگوں نے ان (کفارِ مکہ) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا تھا۔ اور (اے محمد!) جس وقت تم نے ان پر کنکریاں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں!

اس آیت میں غزوہ بدر کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ بلاشبہ اس میں کنایہ اور تمثیل کی زبان میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ جس وقت صحابہ کرامؓ مشرکین مکہ کو قتل کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کافروں پر مٹھی میں بھر کر کنکریاں پھینکی تھیں اس وقت ان سب کو اللہ تعالیٰ کی پوری تائید اور نصرت وحمایت حاصل تھی جو ان کے لئے کامیابی کا باعث بنی۔ کیا کوئی صاحبِ عقل آدمی مذکورہ بالا آیت کے اس مفہوم کے بجائے یہ تصور کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے جسموں میں (نعوذ باللہ) حلول کر گیا تھا، اور ان کے کنکریاں پھینکنے کا عمل یا قتل مشرکین کا ارتکاب خود اللہ تعالیٰ نے ہی بہ نفس نفیس فرمایا تھا — ؟؟

اسی طرح "سورہ الفتح" میں ارشاد ربانی ہے :—

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ (الفتح: ۱۰)

(اے نبی!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اور ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا......!

یہاں بھی استعارے اور مجاز کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں قرآن مجید سے دی جاسکتی ہیں جہاں استعارات اور کنایوں کا استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حدیثِ مذکور کے مندرجہ بالا ٹکڑے کا مفہوم یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں اپنے اولیا کا کان بن جاتا ہے یا آنکھ بن جاتا ہے یا ہاتھ، پاؤں وغیرہ بن جاتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوگی کہ جب اللہ تعالیٰ کے صالح اور متقی

بندے اس کے محبوب بن جاتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی پوری حمایت اور نصرت وتائید و اعانت حاصل ہو جاتی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ کی توفیق عنایت فرماتا رہتا ہے۔ اور ان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ کی رضا کے جویا اور ان کی مرضیات اللہ کی رضا کی تابع ہو جاتی ہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ وہی کچھ دیکھنا اور سننا پسند کرتے ہیں جو اللہ کو پسند ہو اور انہیں چیزوں کو ہاتھ لگاتے ہیں جن کا حصول اللہ نے جائز کر رکھا ہے۔ اسی طرح وہ اسی جگہ جانا پسند کرتے ہیں جہاں جانے کی اللہ نے اجازت دی ہے غلط اور ناجائز جگہوں پر جانا انہیں کسی قیمت پر بھی گوارہ نہیں ہوتا۔ وہ سر سے پاؤں تک شریعت کے احکام کے پابند اور سنتِ رسولؐ کے تابع بن جاتے ہیں——!

رسالہ قشیریہ کے محشی علامہ سید مصطفیٰ عروسی نے بھی حدیث کے اس ٹکڑے کا مفہو یہی بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''حدیث کے ان الفاظ کا مطلب جیسا کہ اس کے شارح شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ نے واضح کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو خیر کی توفیق دیتا اور ان کے ظاہری و باطنی جوارح واعضاء کی گناہ سے حفاظت کرتا ہے۔ اس مفہوم کے سوا اس حدیث کے اس ٹکڑے کا جو بھی مفہوم بیان کیا جاتا ہے، اس سے تمہیں دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔'' {۱}

اس کے بعد اس حدیثِ قدسی میں یہ کہا گیا ہے :——

''اگر وہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور اس کو دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اس کو پناہ دوں گا۔''

حدیث کے اس ٹکڑے میں بتایا گیا ہے کہ بندہ محبوبیت کے اس بلند مقام پر پہونچ جانے کے بعد بھی بندہ ہی رہتا ہے۔ وہ نہ تو دعا اور سوال سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور نہ اتنا قوی اور زور آور بن جاتا ہے کہ اسے اپنے دشمنوں کے بالمقابل اللہ کی پناہ طلب کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ بلکہ اللہ کے قرب کے ساتھ ساتھ اس میں تواضع وانکساری کی

{۱} ''نتائج الافکار قدسیہ'' علامہ سید مصطفیٰ عروسی، ج۲/ص۲۰۳۔

صفت زیادہ نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔ حدیث کے اس ٹکڑے نے ''اولیاء اللہ'' کے بارے میں ان باطل مذعومات کی جڑ ہی کاٹ دی ہے جو ارباب اور زعماءِ بریلویت نے کم علم اور جاہل عوام کو گمراہ کرنے کے لئے مشہور کر رکھے ہیں۔ مثلاً بہارِ شریعت'' میں امجد علی گھوسوی لکھتے ہیں :

''اولیاء اللہ کو اللہ عز وجل نے بڑی طاقت دی ہے۔ ان میں جو اصحاب خدمت ہیں ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے سیاہ وسفید کے مختار بنادئے جاتے ہیں۔'' (''بہارِ شریعت'' جلد ۱/ص۷۸)

یا خلیل احمد برکاتی کا اپنی کتاب ''حکایاتِ رضویہ'' میں احمد رضا خاں صاحب کے حوالہ سے یہ بے بنیاد دعویٰ کہ :

''اولیاء کرام مردے زندہ کر سکتے ہیں، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفاء دے سکتے ہیں اور ساری زمین کو ایک قدم میں طے کرنے پر قادر ہیں۔''
(''حکایاتِ رضویہ'' ص۴۴)

اسی طرح مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی کا یہ ارشاد کہ :

''اولیاء اللہ کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے کہ چھوٹا ہوا تیر واپس لے لیں۔'' (''جاء الحق'' ص۱۹۷)

یہ تمام باطل دعاوی اور اُلوہی صفات قرآن وحدیث میں مذکور ''اولیاء اللہ'' کی تو کسی طرح نہیں ہو سکتیں۔ یہ خصوصیات حقیقت میں اہل تشیع کے اپنے ''آئمہ معصومین'' کے لئے ان کے خانہ ساز مزعومات کی قبیل سے ہیں جن پر بریلویت کے شاطر دماغوں نے ''اولیاء اللہ'' کے نام کا خوبصورت زرتار لبادہ ڈال رکھا ہے——!!

اب اس حدیث کا آخری ٹکڑا بھی ملاحظہ فرمالیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :——

''مجھے اپنے بندۂ مؤمن کی روح قبض کرنے میں جو تردد ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے، اور میں اس کی ناگواری کو ناپسند کرتا ہوں۔''

حدیث کا یہ ٹکڑا ہمیں بتاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے بے حد قریب ہو جانے اور اس کا محبوب بن جانے کے باوجود "موت" سے نہیں بچ سکتا، خواہ طبعی موت اسے کتنی ہی ناگوار اور انسانی فطرت کے مطابق ناپسندیدہ کیوں نہ ہو اللہ کے ہر ولی کو موت کا مزہ بہر حال چکھنا ہے۔

اس کے علاوہ حدیث کا یہ آخری ٹکڑا خدا اور بندے کے دو مستقل اور علیحدہ وجود ہونے کی بھی ناقابلِ انکار دلیل ہے۔ حدیث کے اس ٹکڑے میں "تردّد" کا جو لفظ ہے وہ بھی حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ شفقت وعنایت کے اظہار کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ بقول سید مصطفیٰ عروسی:

"تردّد کے لفظ سے مراد اس بندہ محبوب کیلئے اللہ تعالیٰ کی عنایات ورعایات کا اظہار ہے۔ کیونکہ عبارت کا ظاہری مفہوم اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔" {۱}

یہ ہے اس مشہور حدیث کی توضیح وتفصیل، جو بتاتی ہے کہ "اولیاء اللہ" کوئی "ماورائے بشریت" مخلوق نہیں ہیں بلکہ ہماری ہی طرح عاجز محتاج بندے ہیں، جن کو ان کہ ہمہ جہتی اطاعت اور تقویٰ واعمالِ صالحہ کی کثرت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنا "دوست" کہا ہے۔

مذکورۃ الصور حدیثِ قدسی نے بریلوی حضرات کے اس باطل پروپیگنڈے کے تار پود بھی بکھیر دئے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "اولیاء اللہ" کو موت نہیں آتی بلکہ چند لمحات کے لئے موت کا صرف مزہ چکھایا جاتا ہے اور یہ کہ اولیاء کی موت مثل خواب کے ہے {۲} اولیاء کرام اپنی قبروں میں نہ صرف مع ابدان واکفان زندہ ہیں {۳} بلکہ پہلے سے زیادہ سمع بصر رکھتے ہیں۔ {۴} بعد انتقال والیاء کرام تمام عالم میں تصرف کرتے اور کاروبار جہاں کی تدبیر فرماتے ہیں۔ {۵} اور یہ کہ اولیاء اللہ کو قبر کی لکھی تو کیا عالم پلٹ دینے کی طاقت ہے مگر توجہ نہیں کرتے {۶} وغیرہ وغیرہ۔

{۱} "نتائج الافکار قدسیہ" سید مصطفیٰ عروسی، ج ۲ رص ۲۰۳۔

{۲} "فتاویٰ رضویہ" احمد رضا خاں بریلوی ج ۴ رص ۲۳۔

{۳} "احکام قبور المؤمنین" رسالہ رضویہ ص ۲۳۹۔ (مطبوعہ پاکستان)

{۴} "حکایاتِ رضویہ" خلیل احمد برکاتی ص ۴۔

{۵} "الامن والعلی" احمد رضا خاں بریلوی ص ۴۱۔

{۶} "جاء الحق" مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی ص ۲۱۳۔

ولی اور ولایت اہل تشیع کی نظر میں

واضح رہے کہ "ولی" اور "ولایت" کے لغوی اور شرعی معنیٰ ومفہوم سے قطع نظر اہل تشیع لفظ ولی اور ولایت کو محض "امامت" اور "حاکمیت" کے مفہوم کی ادائیگی کے لئے ہی ہمیشہ سے استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ چنانچہ "اصولِ کافی" میں ان کے "امام" جعفر صادق سے روایت ہے:

قالَ ولايتنا ولاية الله التى لم يبعث نبي قط الّا بها: .... {۱}

آپ نے فرمایا، ہماری ولایت (یعنی تمام انسانوں اور دیگر مخلوق پر حاکمیت) بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی ولایت (حاکمیت) کی طرح ہے اور جو نبی بھی اللہ کی طرف سے بھیجا گیا وہ اس کی تبلیغ کا حکم لے کر بھیجا گیا......!

اسی طرح اہل تشیع کے ساتویں امام اور امام جعفر صادق کے صاحب زادے امام موسیٰ کاظم سے روایت ہے۔

قال ولاية عليؑ مكتوبة فى جميع صحف الانبياء ولن يبعث الله رسولا الّا بنبوة محمد صلّى الله عليه وسلم و آله و وصيّه على عليه السلام۔

حضرت علیؑ کی ولایت (یعنی امامت وحاکمیت) کا مسئلہ انبیاء علیہم السلام کے تمام صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور اللہ نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور علی علیہ السلام کے وصی ہونے کا حکم نہ لایا ہو اور اس نے اس کی تبلیغ نہ کی ہو۔ {۲}

پہلی روایت میں اگر ولایت کے عام فہم مفہوم (اللہ کا دوست، مقبول بندہ، مقرب بارگاہِ الٰہی وغیرہ) تصور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں "ولایۃ اللہ" کے مذکورہ جملہ کا ترجمہ اس مفہوم پر پورا نہیں اترتا۔ اس لئے لازماً یہاں "ولایت کا لفظ حاکمیت،

{۱} "اصول کافی" ابو جعفر یعقوب کلینی رازی ص ۲۷۶۔

{۲} "اصول کافی" ابو جعفر یعقوب کلینی رازی ص ۲۷۶۔

اقتدار، اور منصب امامت کیلئے ہی متصور ہوگا۔ خود امام کے معنیٰ بھی حاکم اور سربراہ کے ہیں۔
تاہم حضرت علیؓ اور ان کی نسل کے بارہ شیعہ اماموں کو اہلسنت والجماعت کے درمیان اثنا عشری اماموں کی حیثیت سے مقام نہیں مل سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے بطور تقیہ اماموں کو "ولی" اور نظریہ امامت کو "ولایت" کے نام سے متعارف کرانا ضروری سمجھا۔ اور اس طرح زبردست پروپیگنڈے کے ذریعہ ولایت کو جو زہد و تقویٰ اور للّٰہیت کے جذبہ کی مظہر ایک "اعلیٰ صفت" تھی اس کو شیعی منصب امامت کی طرح باقاعدہ ایک "عہدہ" بناڈالا ---!

"اصول کافی" میں اہل تشیع کے چھٹے امام جعفر صادق سے روایت ہے:

ان الحجة لا تقوم لله عز وجل على خلقه الا بامام حتى يعرف۔ {۱}

اللہ کی حجت اس کی مخلوق پر قائم نہیں ہوتی بغیر امام کے تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کی اور اس کے دین کی معرفت حاصل ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ امامت بھی نبوت کی طرح ایک اہم عہدہ ہے اور اس کے بغیر اللہ اور اس کے دین کی معرفت کا حصول ممکن نہیں ہے......!

اسی "اصولِ کافی" میں "باب معرفة الامام والردّ الیه" کے تحت یہ روایت درج ہے۔

عن احدهما انه قال لا يكون العبد مومنا حتى يعرف الله ورسوله والائمة كلهم وامام زمانه۔

امام باقر یا امام جعفر صادق میں سے کسی ایک سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ اور اسکے رسولؐ کی اور تمام آئمہ اور اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل نہ کرلے۔ {۲}

چنانچہ یہی دشمنانِ اسلام اہل تشیع جب تقیہ کر کے اہل تصوف کی صفوں میں گھس آئے تو تصوف کے دروبست پر قابض ہونے کے بعد ناممکن تھا کہ وہ وہاں بھی عقائد میں فساد نہ پھیلاتے۔ تصوف یا "احسانِ اسلامی" کے نظریہ ولایت --- یعنی صفتِ تقویٰ

{۱} "اصول کافی" "ابو جعفر یعقوب کلینی رازی ص ۱۰۳۔
{۲} "اصول کافی" "ابو جعفر یعقوب کلینی رازی ص ۱۰۵۔

و مشیت الٰہی کے بجائے --- انہوں نے اہل تشیع کے "تصور آئمہ" کو "اولیاء اللہ" کا خوبصورت نام دے کر اہل سنت کو اچھی طرح بے وقوف بنایا ہے اور اپنی پرانی ٹیکنک کے مطابق ان "اولیاء" سے وہ تمام خصوصیات وابستہ کردیں جو اس سے قبل آئمہ اہل تشیع کے لئے وضع کی گئی تھیں اور جو ان کا جزوِ ایمان بنی ہوئی تھیں ---!

مثال کے طور پر "اصولِ کافی" میں امام جعفر صادق کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

اماعلمت ان الدنيا والآخرة لامام يضعها حيث يشاء ويدفعها الى من يشاء۔ {۱}

کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں کہ دنیا اور آخرت سب امام کی ملکیت ہے، وہ جس کو چاہے دیدیں اور جو بھی چاہیں کسی کو عطا کریں۔

چنانچہ یہی عقیدہ اور اسی طرح کا دعویٰ شیعیت کے تقیہ بردار نقیب احمد رضا خاں بریلوی بھی اپنی کتاب "خالص الاعتقاد" میں تصوّف کے رأس الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی زبان سے پیش کرتے ہیں۔ بقول خاں صاحب بریلوی ان کا فرمان ہے کہ:

"تمام اہل زمانہ کی باگیں میرے سپرد ہیں جسے چاہوں عطا کروں یا منع کرو۔" {۲}

"حکایاتِ رضویہ" میں خلیل احمد برکاتی خانصاحب بریلوی کا بیان اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "فاضل بریلوی" کے بقول شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

"لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ میں چاہوں تو متوجہ کرلوں۔ چاہوں تو پھیر دوں۔" {۳}

اسی طرح "اصولِ کافی" میں ایک باب "ان الارض لا تخلو من الحجة" (یعنی دنیا حجت یعنی امام سے خالی نہیں رہ سکتی) اس عنوان کے تحت ایک روایت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ :---

{۱} "اصول کافی" "ابو جعفر یعقوب کلینی رازی، ص ۲۵۹۔
{۲} "خالص الاعتقاد" احمد رضا خاں صاحب بریلوی ص ۴۹۔
{۳} "حکایاتِ رضویہ" خلیل احمد برکاتی ص ۱۲۰۔

عن ابی حمزة قال قلت لابی عبد الله تبقی الارض بغیر امام؟ قال لو بقیت الارض بغیر امام لساخت۔ { ۱ }

ابو حمزہ سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ کیا زمین بغیر امام کے باقی اور قائم رہ سکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ اگر زمین بغیر امام کے باقی رہے گی تو دھنس جائے گی۔!

ٹھیک یہی عقیدہ ''غوث'' کے نام سے (جو اہل تصوف کے نزدیک اولیاء اللہ کا ایک اعلیٰ مقام ہے) جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ''الملفوظ'' میں اس طرح بیان کیا ہے :

''بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔'' { ۲ }

ایران میں شیعی انقلاب کے بانی آنجہانی آیت اللہ خمینی اپنی کتاب ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' میں ''الولایۃ التکوینیۃ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

فان للامام مقاماً محموداً و درجة سامية وخلافة تكوينية تخضع لولايتها وسيطرتها جميع ذرات الكون۔ { ۳ }

امام کو وہ مقام محمود اور بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرّہ اس کے حکم و اقتدار کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہوتا ہے۔

اسی طرح شیعہ مذہب کی معتبر ترین کتاب ''الجامع الکافی'' میں ابو جعفر یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ :۔

ان الائمة عليهم السلام يعلمون علم ما كان وما يكون وانه لا يخفى عليهم الشئ صلوات الله عليهم۔ { ۴ }

بے شک آئمہ اہل بیت ما کان وما یکون کا علم رکھتے ہیں اور کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان پر (یعنی آئمہ پر) درود و سلام ہو۔

{ ۱ } ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی رازی ص ۱۰۴۔
{ ۲ } ''الملفوظ'' احمد رضا خاں بریلوی (مرتبہ مصطفیٰ رضا خاں) ج ۱ ص ۱۲۹۔
{ ۳ } ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' آیت اللہ روح اللہ خمینی ص: ۵۲۔
{ ۴ } الجامع الکافی، ابو جعفر یعقوب کلینی ج: ۱، ص: ۴۴۲، و ''میراث ایران'' انگریزی، ص: ۱۵۳۔

یہی عقیدہ ہمیں خانصاحب بریلوی کے صاحبزادے جناب مصطفیٰ رضا خاں صاحب کی لکھی ہوئی ''شرح الاستمداد'' میں ان الفاظ میں ملتا ہے :

''اولیاء میں ایک مرتبہ اصحاب التکوین کا ہے۔ جو چیز جس وقت چاہتے ہیں وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ جسے کن کہا وہی ہو گیا۔'' { ۱ }

مزید یہ کہ :۔

''کن اولیاء کی شان ہے۔ اولیاء جس چیز کو کن کہتے ہیں وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اپنے اختیار سے، اور اپنے ارادہ و حکم سے تمام جہاں میں جس طرح چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں۔'' { ۲ }

آئمہ اہل تشیع کی تکوینی حکومت اور کاروبار عالم میں ان کے تصرّف و اقتدار کا ذکر خاں صاحب بریلوی ''اولیاء کرام'' کے نام سے اس طرح کرتے ہیں۔

''اولیاء کرام بعد انتقال تمام عالم میں تصرّف کرتے ہیں اور کاروبار جہاں کی تدبیر فرماتے ہیں۔'' { ۳ }

مزید یہ کہ :۔

''اولیاء بعد وصال زندہ، ان کے تصرّفات پائندہ اور ان کے فیض بدستور جاری، اور ہم غلاموں، خادموں، محبوں، معتقدوں کے ساتھ وہی امداد و استعانت ساری۔'' { ۴ }

سرتاج اولیاء تصوف حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا نام لے کر احمد رضا خاں صاحب نے شیعہ اماموں کی خصوصیات اس طرح لوگوں کے ذہنوں میں پیوست کرتے ہیں۔

{ ۱ } ''شرح الاستمداد'' مصطفیٰ رضا خاں ص ۳۸۔
{ ۲ } ''حاشیہ شرح الاستمداد مصطفیٰ رضا ص ۶۔
{ ۳ } ''الامن والعلیٰ'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ص ۴۱۔
{ ۴ } ''فتاویٰ رضویہ'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ص ج ۴ ص ۲۳۔

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی مختار بھی ہے

کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر!! {۱}

خاں صاحب بریلوی کے شیعی عقیدہ کے مطابق چونکہ ''سلسلۂ اغواث'' آئمہ ا تشیع کے اندر ہی محدود ہے اور ان میں حضرت علیؓ کو ''غوثیتِ کبریٰ'' یعنی سب سے بڑ غوث کا مقام حاصل ہے۔{۲} اس لئے انہوں نے اہل تصوف کے ''غوث الاعظم'' عبد القادر جیلانیؒ کا نام لے کر ان کی آڑ میں جی کھول کر اپنے شیعی عقیدہ یعنی حضر کے معبود ہونے کے نظریہ کو اہل سنت کے درمیان فروغ دینے کی کوششیں کی ہیں اور ا ضمن میں وہ تمام حدود پار کر گئے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں۔

''عبد القادر نے اپنا بستر عرش پر بچھا رکھا ہے اور عرش کو فرش پر لے آتے ہیں۔'' {۳}

یا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے یہ اشعار :—

اے ظلّ الٰہ عبد القادر......! اے بندہ پناہ عبد القادر......!

محتاج و گدائم تو ذوالتاج کریم شیئاً للہ شیخ عبد القادر......!

اسی کتاب حدائق بخشش میں وہ دوسری جگہ شیخ عبد القادر جیلانی سے یوں استمدا کرتے ہیں :—

''اے عبد القادر! اے فضل و کرم کرنے والے، بغیر مانگے سخاوت کرنے والے، انعام و اکرام کے مالک، تو بلند و عظیم ہے۔ ہم پر احسان فرما اور سائل کی پکار سن لے۔ اے عبد القادر! ہماری آرزوؤں کو پورا کر۔'' {۵}

{۱} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج ۳ ص ۲۸۔

{۲} ''الملفوظ'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج ۱ ص ۱۲۱ (مجموعہ ص ۱۳۷)

{۳} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج: ۳ ص ۲۸۔

{۴} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج ۳ ص ۱۸۲

{۵} ''حدائق بخشش'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج ۳ ص ۱۷۹۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی، اہل سنت کو بے وقوف بنانے کیلئے ''غوثِ اعظم'' کا نام لیکر حضرت علیؓ کیلئے اپنے دلی تأثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :—

''میں نے جب بھی مدد طلب کی ''یا غوث'' ہی کہا...... ایک مرتبہ میں نے کسی دوسرے ولی سے مدد مانگنی چاہی تو میری زبان سے ان کا نام ہی نہ نکلا ...... زبان سے ''یا غوثاہ'' ہی نکلا۔'' {۱}

خاں صاحب بریلوی کے صاحبزادے جناب مصطفیٰ رضا خاں صاحب جنہیں بریلوی حضرات عام طور پر ''مفتیِ اعظم ہند'' کے عظیم الشان لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ''اولیاء اللہ'' کے بارے میں ان کا فتویٰ دانی کا جغرافیہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں :

''بزرگوں کی قبروں کا طواف جائز، ان کی پرستش کرنا جائز کہ در اصل اللہ ہی کی پرستش ہے۔ ظل ذی ظل سے جدا نہیں اور ان کے نام کا ورد وظیفہ کرنا اور ان کے نام جپنا جائز ہے۔ بزرگوں کے نام کی نذر و منت چڑھاوا چڑھانا جائز۔'' {۲}

بریلویوں کے نام نہاد ''مفتیِ اعظم ہند'' کو کیا اس بات کا بھی شعور نہیں تھا کہ برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کا ''سوادِ اعظم'' حنفی مسلک کا پیرو کار ہے۔ اور فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں میں قبروں کا طواف کرنا، غیر اللہ کی منت ماننا اور ان کی قبروں پر چڑھاوا چڑھانے کے لئے کیا احکامات دیئے گئے ہیں—؟

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ ''فتاویٰ عزیزی'' میں تحریر فرماتے ہیں :

''پرستش آنست کہ سجدہ کند یا طواف نماید یا نام او را بطریق تقرب ورد سازد، یا ذبح جانور بنام او کند، یا خود را بندہ فلاں بگوید و ہر آنکہ از مسلمانانِ جاہل یا اہل قبور ایں چیزہا بعمل آرد

عبادت اس کو کہتے ہیں کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے یا اپنے آپ کو فلاں کا بندہ کہے...... جاہل مسلمانوں میں سے ہر وہ

{۱} ''الملفوظ'' احمد رضا خاں صاحب بریلوی ج ۴ ص ۸۳۔

{۲} ''شرح الاستمداد'' مصطفیٰ رضا خاں ابن احمد رضا بریلوی ص ۳۷، ۳۸۔

فی الفور کافر می گردد واز مسلمانی می برآید۔'' {۱}

شخص جو اہل قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا وہ فوراً کافر ہوجائے گا اور اسلام سے نکل جائے گا۔۔۔!

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جو شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے ہمعصر تھے اور جن کی کتاب ''مالہ بدمنہ'' آج کل عربی مدارس کے نصابِ تعلیم میں داخل ہے۔ اسی کتاب میں قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔۔۔

سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء واولیاء وطواف گرد قبور کردن، و دعا از آنہا خواستن ونذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیزہا ازاں بکفری رساند، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر آنہا لعنت گفتہ، واز آں منع فرمودہ، وگفتہ کہ قبر مرا بت نہ کنند۔ {۲}

انبیاء اور اولیا کی قبروں کی طرف چہرہ کر کے سجدہ کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعا مانگنا اور ان کے لئے نذر اور منتیں ماننا قطعی حرام ہے۔ بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہونچا دیتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان سے روکا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنالینا......!

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی اس تحریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث کا حوالہ دیا ہے جو مشکوٰۃ شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض میں جس سے آپؐ کو افاقہ نہیں ہوا (یعنی مرضِ وفات میں) ارشاد فرمایا :۔۔۔

لَعَنَ اللّٰہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبورَ انبیائھم مساجد. (مشکوٰۃ المصابیح: ص ۶۹)

اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔۔۔!

{۱} ''فتاویٰ عزیزی'' شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ج ۱ ص ۴۵۔

{۲} ''مالابدمنہ'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی ص ۷۶۔

اسی طرح مرض الوفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا :

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللّٰہ علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد (مؤطا امام مالک)

اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے کیونکہ ان اقوام پر اللہ کا قہر وغضب نازل ہوا جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں اولیاء اللہ سے مرادیں مانگنا اور ان کے نام کی نذر ومنت کو بالاتفاق باطل اور حرام بتایا گیا ہے کیونکہ نذر قرآن واحادیث کی رُو سے عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے مخلوق کی نہیں، اس لئے نذر مخلوق کو باطل وحرام ٹھہرایا گیا ہے۔۔۔! ملاحظہ ہو ''درمختار'' کی عبارت :۔۔۔

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والذیت ونحوھما الیٰ ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیھم فھم بالاجماع باطلٌ وحرام.

واضح رہے کہ اکثر عوام کی طرف سے مُردوں کے نام کی جو نذر ومنت مانی جاتی ہے، اور اولیاء کرام کی قبروں پر روپے پیسے موم بتیاں اور تیل وغیرہ بزرگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو لایا جاتا ہے وہ بالاتفاق باطل اور حرام ہے۔۔۔!

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ''درمختار'' کی اس عبارت میں قولہ باطل وحرام کی تشریح کرتے ہوئے اسکی کئی وجوہ بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نذر مخلوق ہے اور چونکہ نذر عبادت کا نام ہے لہٰذا مخلوق کی نذر گویا اس کی عبادت ہوئی اس لئے جائز نہیں۔ دوسری وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جس کے لئے منت مانی گئی ہے وہ مرچکا ہے اور مردہ کو مالک بنانے کی کوئی صورت نہیں۔ تیسری وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے سوا مردہ بزرگ بھی کائنات میں تصرف کرنے پر قادر ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے۔ {۱}

{۱} ''فتاویٰ شامی'' علامہ ابن عابدین شامی ج ۲ ص ۱۲۸۔

ایک اور جلیل القدر حنفی عالم شیخ قاسمؒ نے بھی ''شرح درر البحار'' میں مذکورہ بالا وجوہات کا تذکرہ کرتے ہوئے ''اولیاء اللہ'' کی نذر ومنت کو باجماع المسلمین حرام کہا ہے۔ اسی طرح علامہ ابو نجیم زین الدینؒ نے ''کنز الدقائق'' کی شرح ''البحر الرائق'' میں اور علامہ مرشدیؒ نے اپنے ''تذکرہ'' میں، نذر مخلوق کی حرمت کے سلسلے میں انہیں دلائل کو نقل کیا ہے۔ احناف کے ایک اور جید عالم اور فقہ حنفی کی اہم شخصیت شیخ صنع اللہ الحلبی الحنفیؒ نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ اولیاء اللہ کے نام پر نذریں ماننا، جانور ذبح کرنا وغیرہ امور سب غیر اللہ کی عبادت میں شامل ہیں اور باطل وحرام ہیں ۔۔۔!

جہاں تک ان ''اولیاء اللہ'' کی قبروں کو سجدہ کرنے اور ان کی پرستش وعبادت کی بات ہے تو یہ حقیقت اہل علم سے مخفی نہیں کہ اہل ہنود وکفار بھی اپنے بتوں کے آگے سر جھکاتے وقت اور ان کی ''پوجا ارچنا'' کے دوران یہی گمان رکھتے ہیں کہ رام، کرشن وغیرہ کی یہ مورتیاں بذاتِ خود ''بھگوان'' نہیں بلکہ اس کی شبیہ یا سایہ ہیں۔ اور سایہ (ظل) اپنے وجود اصلی (ذی ظل) سے جُدا نہیں ہوتا لہٰذا ہماری یہ پوجا اور عبادت ان مورتیوں کو نہیں بلکہ جن کی یہ شبیہ ہیں، ان کی ذات کے لئے ہے، وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا بریلویوں کے باکمال ''مفتی اعظم ہند'' کی ہنر مندی کا یہ کمال نہیں تو پھر اور کیا ہے کہ وہ جاہل اور شعور سے بیگانہ مسلمانوں کے اپنے ہمنوا طبقے کو فریب دے کر اور ظل وذی ظل کے مغالطہ آمیز منطق میں الجھا کر صاف طور پر غیر اللہ کی پرستش پر آمادہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس صریح شرک اکبر کو بھی عینِ اسلام کی تعلیم ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔۔۔؟؟

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو.....!

دراصل بات یہ ہے کہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے یہ ''ہنر مند'' صاحب زادے مصطفیٰ رضا خاں صاحب حقیقت میں اتنے ''نادان'' ہرگز نہیں تھے کہ وہ ''منصب افتاء'' پر قابض ہونے کے باوجود شرک فی الصفات اور شرک فی العبادات کے ضمن میں اسلام کے سخت تعزیری احکام سے ناواقف ہوں۔ اس بات سے وہ بھی اچھی طرح آگاہ ہیں کہ قبروں کو سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا یا غیر اللہ کے نام کا وظیفہ اور ورد کرنا اور ان کے نام کی

نذر ومنت ماننا فقہ حنفی کی رو سے قطعی ناجائز اور حرام وشرک ہے ۔۔۔ مگر ''اولیاء اللہ'' کا نام لے کر وہ اپنی دانست میں جن ''بزرگوں'' کے لئے یہ سب کچھ جائز قرار دے رہے ہیں وہ خود انکے نزدیک ''غیر اللہ'' ہوں تب ۔۔۔! اولیاء اللہ کے الفاظ کے پردے میں در حقیقت ان کے نزدیک ''آئمہ معصومین اہل تشیع'' ہی تو ہیں جن ان کے عقیدے کے مطابق نہ صرف یہ کہ تمام انبیاء سابقینؑ سے افضل وبرتر ہیں بلکہ ''ماکان وما یکون'' اور جنت ودوزخ غرض ہر چیز کے مالک اور عینِ معبودِ حقیقی ہیں ۔۔۔! لہٰذا اپنے ممدوح ومعبود آئمہ تشیع کی عبادات اور پرستش کے لئے جواز کا فتویٰ دینا ان کے لئے غلط کیونکر ہو سکتا ہے ۔۔۔؟؟

بہر کیف! بریلویؔ کے ان اقتباسات کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا ''اُلوہی صفات'' جن کا انتساب احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے ہمنوا ''اولیاء اللہ'' کے نام سے کرتے ہیں وہ ان نفوسِ قدسیہ اور قرآن وسنت کے حامل اولیاء اللہ کی حقیقی صفات تو کسی طرح نہیں ہو سکتیں جن کی حیات مستعار کی شب وروز اظہارِ عبودیت کے اعمال اور بارگاہِ الٰہی میں ہمہ وقت دُعا، توبہ، استغفار اور عبادت وریاضت میں بسر ہوتے تھے۔ جو اللہ کی گرفت اور بروزِ حشر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کے احتساب کے خوف سے ہر لمحہ لرزاں وترساں رہتے تھے۔ قرآن وسنت کا کامل اتباع اور صحابہ کرامؓ وسلف صالحین کا اُسوۂ زندگی جن کی بندگی کا معیار تھا ۔۔۔! خاں صاحب بریلوی اور ان کے متبعین نے جس قسم کی اُلوہی صفات ''اولیاء اللہ'' کا مقدس نام لے کر اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں اور جن کا پروپیگنڈہ وہ لوگ عوام الناس کے درمیان ہمہ وقت کرتے رہتے ہیں، یہ صفات شیعی لٹریچر کے مطابق ان کے نام نہاد ''آئمہ معصومین'' کی ''خصوصیات'' ہی ہو سکتی ہیں جو ان کے نزدیک مرتبہ کے لحاظ سے تمام انبیاء سابقینؑ سے برتر اور ارفع واعلیٰ ہیں...... اور ظاہر ہے کہ کسی بھی نبی سے برتر ہستی صرف اللہ رب العزت ہی کی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرامؑ کے درمیان حدِ فاصل کوئی اور درجہ نہیں ہے ۔۔۔!

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ۔۔۔!

رہے فرشتے تو وہ بے چارے خود باعتبارِ نوعِ بشر سے کم تر مخلوق ہیں، کیونکہ وہ آدمِ خاکی کے سامنے اللہ کے حکم سے سجدہ ریز ہو چکے ہیں——! لہٰذا معلوم ہوا کہ بانی بریلویت احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے تمام متبعین ''اولیاء اللہ'' کا نام لے کر آج تک مسلم عوام کے ساتھ فراڈ کرتے رہے ہیں اور اولیاء اللہ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں انہیں مسلسل دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور مسلمانوں کے دیگر قابلِ احترام بزرگانِ دین کا نام لے کر اپنے شیعی عقائد اور آئمہ تشیع کی خصوصیت نیز مزعومہ اُلوہی صفات ان بزرگوں سے وابستہ کرنے سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلم عوام جو کھلے طور پر اہل تشیع کے ''نظریہ امامت'' پر ان کی طرح ایمان نہیں لا سکتے اُن کو عقیدت اولیاء کے نام پر ان کے ممدوح آئمہ اہل تشیع کی بالواسطہ طور پر مدح سرائی کرنے کی دُھن میں مبتلا کر دیا جائے اور اس طرح ان کی انا کو تسکین ہونے کے ساتھ ساتھ شیعی عقائد ونظریات کی مسلم عوام کے درمیان ترویج واشاعت بھی جاری رہ سکے——!

اس طرح ان دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے آئمہ اہل بیت کی ''امامت'' کے منصب کو مسلم عوام کے سامنے ''منصب ولایت'' کے نام سے پیش کیا اور اسے نبوت سے افضل قرار دے کر اپنے ان خود ساختہ ''اولیاء اللہ'' یا بالفاظِ دیگر ان کے پردہ میں آئمہ اہل تشیع کے بارے میں مبالغہ آرائی کی ساری حدود کو توڑ ڈالا گیا۔ مثلاً انہیں انبیاء و رُسل کی طرح تمام مخلوقات پر فضیلت دینا۔ انہیں احکام ربوبیت کے مبداء وجائے صدور کا مشاہدہ کرانا، ان کے ذریعہ مخلوق کی حفاظت کا انتظام کرنا۔{۱} ان کو دنیا کا والی بنانا، ان کی برکت سے آسمان سے بارش ہونا ان کے پاکیزہ احوال کی وجہ سے زمین کا سبزہ اُگانا اور ان کی توجہ سے کافروں پر مسلمانوں کی فتح ونصرت حاصل ہونا۔{۲} ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ پیشین گوئی وضع کر لی گئی کہ ان کے قلوب انبیاءؑ کے قلوب کے مثل ہوں گے۔ {۳} اور اس بات کی حلقہ تصوف میں شہرت دی گئی کہ

{۱} ''رسالہ قشیریہ'' شیخ ابو القاسم قشیریؒ ص۲۔ {۲} ''کشف المحجوب'' شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ ص۱۹۱۔
{۳} ''قوت القلوب'' شیخ ابو طالب مکیؒ ص۱۳ (مطبوعہ مصر ۱۳۹۱ھ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں ان ''اولیاء اللہ'' کے دیدار کا شوق دل میں لئے ہوئے باحسرت ویاس اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔{۱}

یہ اور اس قسم کے دیگر شیعی عقائد کتبِ تصوف میں تدسیس اور رد وبدل کر کے ان ظالموں نے شامل کر دئے ہیں——!

اہل تشیع نے اپنے خود ساختہ ''اولیاء اللہ'' کے لئے کرامت کی جو مختلف انواع واقسام فرض کی تھیں ان میں سب سے اعلیٰ قسم ''احیاء موتیٰ'' ہے۔ اہل تشیع کی تدسیس کے نتیجہ میں تصوف کی کتابوں میں اس قسم کی مثالوں کی بھی کمی نہیں۔ شیخ ابو یوسف الدہمانی کے ایک مرید کا لڑکا فوت ہو گیا اور وہ اس پر بڑی گریہ وزاری کرنے لگا، تو شیخ نے کہا قُم بِاِذنِ اللّٰہِ چنانچہ لڑکا کھڑا ہو گیا اور عرصہ تک زندہ رہا——!{۲} شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے متعلق بھی اس قسم کی کئی روایتیں ہیں جبکہ انہوں نے مردوں کو زندہ کر دیا تھا۔ خاص طور پر ایک برات کے بارے میں یہ روایت بہت زیادہ شہرت پا چکی ہے جس کو ندی میں مع دولھا کے ڈوبے ہوئے سالہا سال کا عرصہ گذر چکا تھا مگر شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اس پوری برات کو دوبارہ زندہ کر کے دریا سے نکال لیا۔ اسی طرح شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ملک الموت سے اس روز کی قبض کی ہوئی روحوں کا تھیلہ چھین کر اپنی مخلص مریدنی کے اکلوتے بچے کو جو اسی روز فوت ہوا تھا دوبارہ زندہ کرنے کا واقعہ بھی اہل تشیع کی مہربانی سے حلقہ تصوف میں—— خاص طور پر بریلوی حلقوں میں—— کافی مشہور ہو چکا ہے۔ ایک اور صوفی بزرگ شیخ کیلانیؒ کے متعلق بھی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرغی جس کا گوشت تک وہ کھا چکے تھے، اسکی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر کہا ''قومی باذن اللہ'' اور وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہو گئی——!!{۳}

اسی طرح ''کلام ہاتف'' یا ''ندائے غیبی'' کا عقیدہ بھی اولیاء تصوف کی نسبت سے اہل تشیع کی کوششوں سے عام ہو چکا ہے۔ تصوف کی کتابوں میں ان دشمنانِ اسلام کی تدسیس

{۱} ''قوت القلوب'' شیخ ابو طالب مکیؒ ص۱۳ (مطبوعہ مصر ۱۳۹۱ھ)۔
{۲} ''الکوکب الدرّیہ'' عبد الرؤف مناوی ص۱۱۔ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء۔
{۳} ''الکوکب الدرّیہ'' عبد الرؤف مناوی ص۱۱۔ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء۔

کے نتیجہ میں سیکڑوں واقعات اس قسم کے ملتے ہیں کہ بعض مخصوص اولیاء کو ان کے بعض اُمور
میں آگاہ کرنے کیلئے غیب سے ندا آئی۔ مثلاً ابوسعید خراز فرماتے ہیں کہ عرفہ کی رات جب
میں میدان عرفات میں تھا تو اللہ تعالیٰ کے قرب نے مجھے اس سے کچھ مانگنے سے روک دیا۔
اس کے بعد میرے نفس نے خواہش کی کہ میں اللہ سے کچھ مانگوں۔ اسی وقت ایک پکارنے
والے کو یہ کہتے سنا کہ ”اللہ کو پالینے کے بعد بھی تو غیر اللہ کا سوال کرتا ہے۔“ {۱}

اس واقعہ میں قابلِ ذکر بات، جس پر تدسیس کرنے والے نے غور نہیں کیا یہ ہے کہ
ایامِ حج میں ”عرفہ کی رات“ اگر قبل وقوف عرفات مانی جائے تو ایسی صورت میں وہ رات
تمام حجاجِ کرام ارکانِ حج کے مطابق لازمی طور پر منیٰ میں بسر کرتے ہیں اور علی الصبح نماز فجر
کے بعد میدانِ عرفات کا رُخ کرتے ہیں۔ اور اگر یوم وقوف کے بعد یعنی ۹ رذی الحجہ کی
شب تسلیم کریں تو یہ رات بھی قرآنی ہدایت وحکم کے مطابق عرفات کے میدان میں نہیں
گذرتی بلکہ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ کی
تعمیل کے لئے تمام حجاج کرام مغرب ہوتے ہی مزدلفہ چلے جاتے ہیں جہاں پہونچ کر
مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ باجماعت ادا پڑھنے کا حکم ہے۔ تدسیس کرنے
والے دشمنانِ اسلام کو شاید اسلام کے ارکانِ حج کی صحیح معلومات تک نہیں تھیں جس کی وجہ
سے انہوں نے شیخ ابوسعید خراز کا قیام عرفہ کی رات میدانِ عرفات میں دکھادیا۔ بصورت
دیگر اسے ”دروغ گورا حافظہ نہ باشد“ کے مطابق ”ندائے غیب“ کے بارے میں ان کی
دروغ بافی کا واضح ثبوت کہا جائے گا ——!

”کلامِ ہاتف“ سے متعلق ایک اور روایت ابوبکر کلابازی نے نقل کی ہے۔ جس کے
مطابق ایک بزرگ کو ایک بار ان کے ساتھیوں نے دودھ پیش کیا تو انہوں نے غلطی سے
کہہ دیا کہ یہ میرے لئے مضر ہے۔ اس کے بعد ایک دن انہوں نے دُعا کرتے ہوئے کہا
الٰہ العالمین! مجھے بخش دے کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ ایک لمحے کے لئے بھی میں نے کبھی

{۱} ”التعرف لمذہب اہل تصوف“ ابوبکر کلابازی ص ۱۵۰
(تحقیق عبدالحلیم محمود طٰہٰ عبدالباقی سرور، قاہرہ ۱۳۸۰ھ۔

تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ اس پر انہوں نے ہاتف کو آواز دیتے ہوئے سُنا ”کیا
دودھ والی رات بھی تم نے شریک نہیں کیا تھا ——؟؟ {۱}

واضح رہے کہ اہل تشیع اپنے ”آئمہ معصومین“ پر انبیاء کرام کی طرح وحی آنے کے
قائل ہیں۔ جیسا کہ ”اصولِ کافی“ میں "باب فی شان إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ"
میں امام باقر کی ایک طویل روایت نقل کی گئی ہے جس میں امام موصوف نے فرمایا۔

ولقد قضى ان يكون في كل سنة ليلة يهبط فيها بتفسير الامور الى مثلها من السنـة الميـلة۔

اور یہ بات اللہ کی طرف سے مقدر ہوچکی ہے کہ ہر سال میں ایک رات ہوگی جس میں اگلے سال کی اسی رات تک کے سارے معاملات کی وضاحت اور تفصیل نازل کی جائے گی!

آئمہ اہل تشیع پر ”نزولِ وحی“ سے متعلق اسی طرح کی ایک اور شیعی روایت ہم علامہ
قزوینی کے حوالہ سے گذشتہ صفحات میں نقل کرچکے ہیں۔ قارئینِ کرام اسے بھی دوبارا
ملاحظہ فرمالیں۔ بہر حال۔ اہل تشیع کا اپنے ”آئمہ معصومین“ پر نزولِ وحی کا محکم عقیدہ ہے
مگر وہ اہل سنت کے درمیان تقیہ کے لباس میں مستور رہ کر اس عقیدہ کی براہِ راست تبلیغ تو
کر نہیں سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ”اولیاء اللہ“ کے نام سے نزول وحی کے عقیدہ کو
”کلامِ ہاتف“ کی اصطلاح میں اولیاء تصوف کے لئے مشہور کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ
انبیاء کرام کی وحی کے مقابلہ میں ”اولیاء اللہ“ کے لئے صرف ”کلامِ ہاتف“ پر ہی اکتفاء
نہیں کیا گیا بلکہ ”صُحف انبیاء“ کے نزول ہی کی طرح اولیاء کے لئے آسمان سے لکھے
ہوئے ”رُقعے“ اترنے کی روایتیں بھی کتبِ تصوف میں تدسیس کرکے درج کردی گئیں۔
مثال کے طور پر۔ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں نے کعبہ کے پاس ایک شخص کو
دیکھا جو بہت زیادہ رکوع وسجود کررہا تھا اور اپنے رب کی طرف سے واپسی کا منتظر تھا۔

{۱} ”التعرف لمذہب اہل تصوف“ ابوبکر کلابازی ص ۱۵۰
(تحقیق عبدالحلیم محمود طٰہٰ عبدالباقی سرور قاہرہ ۱۳۸۰ھ۔

اچانک اس کے پاس ایک رقعہ آسمان سے گرا جس پر لکھا تھا۔

"من العزیز الغفور الیٰ عبدی الصادق! انصرف مغفوراً لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔" {۱}

یعنی: غالب اور مغفرت کرنے والے اللہ کی طرف سے میرے سچے بندہ کے نام! اب تو واپس اپنے گھر لوٹ جا۔ تیرے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔!

اس طرح اولیاء تصوّف کے لئے ہر قسم کے اُمور غیب سے کلی واقفیت اور لوگوں کے دلوں کے بھید اور وساوس تک جان لینے کے بے شمار واقعات سے تصوف کی کتابیں، اہل تشیع کی تدسیس کی کوششوں کے نتیجہ میں بھری پڑی ہیں ـــ!!

{۱} "رسالہ قشیریہ" شیخ ابو القاسم قشیریؒ ص ۲۱۶۔

باب ۸

نظریۂ شفاعت

اور

اولیاء اللہ

موجودہ دور میں بیشتر مسلمانوں کی بے عملی، بداعمالی، دین سے دوری اور شرک وبدعت کی غلاظت میں سرتاپا آلودگی کا بنیادی سبب ان میں بطورِ خاص پیدا کی گئی وہ غلط ذہنیت اور بے بنیاد یقین واعتماد ہے کہ ہماری ساری روسیاہیاں اور ارتکابِ کبائر وگمراہی کے اعمال ہمارے ممدوح ''اولیاء اللہ'' کی سفارش کے نتیجہ میں لازمی طور پر بخش دیے جائیں گے۔ اور یہ کہ ان محبوبانِ خدا کی سفارش دربارِ الٰہی میں کسی حالت میں بھی ردّ نہیں کی جاسکتی۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس غلط رجحان اور فاسد عقیدے کو فروغ دینے کیلئے دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے تصوف کی کتابوں میں تدسیس کر کے بہت سی بے سروپا روایتیں کبارِ اولیاء تصوف کے نام سے منسوب کر کے عوام میں اچھی طرح پھیلادیں، تاکہ ان عظیم ہستیوں کے نام اور تعلق سے عوام الناس ان جھوٹی اور خانہ ساز روایتوں پر فوراً یقین کرلیں۔۔۔!

مثال کے طور پر تصوّف کی مشہور ومعروف کتاب ''سیر الاولیاء''، جس کے مؤلف میر خورد دہلوی سید محمد بن مبارک علوی ہیں۔ اس کے صفحات پر حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے منسوب ہمیں ان کا یہ طرزِ عمل ملتا ہے کہ وہ بقول میر خورد دہلویؒ ہر کس وناکس سے بیعت لیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنے اس فعل کی خاص وجہ یہ بتائی کہ ان کے شیخ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے انہیں اس بات کا اطمینان دلایا ہے کہ ان کے مریدوں کو اپنے ہمراہ لئے بغیر وہ جنت میں قدم نہ رکھیں گے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ''جب ایسے کامل شیخ نے مجھ سے بیعت لینے والوں کی ذمہ داری لے لی ہے تو پھر اب کونسی چیز میرے لئے بیعت لینے میں مانع ہوسکتی ہے''۔۔۔؟ {۱}

اسی کتاب ''سیر الاولیاء'' میں خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ایک مرید کا ایک دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے۔ فرشتوں نے جب اس مرید کو بعد ازمرگ قبر میں اس کے گناہوں کی پاداش میں عذاب دینا چاہا تو شیخ عثمان ہارونیؒ آڑے آگئے۔ فرشتوں نے ان کو اللہ رب العزت کا یہ فرمان سنایا کہ وہ آپ کا سچا مرید نہ تھا بلکہ راستے سے ہٹا ہوا تھا۔ شیخ نے فرمایا صحیح ہے لیکن تھا تو وہ میرا مرید اور مجھ سے وابستہ۔ ان کی اس بات پر اللہ تعالیٰ

{۱} ''سیر الاولیاء'' میر خورد دہلوی ص ۳۴۸-۳۴۹۔

نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے اس مرید سے تعرض نہ کریں۔۔۔! {۱}

کیا سمجھے آپ۔۔۔؟ اس کا صاف اور سیدھا مطلب کیا اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہوسکتا ہے کہ اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے نجات اور بخشش کے لئے صرف کسی اہم اور مشہور ومعروف ''ولی اللہ'' کے دامن سے وابستہ ہوجانا ہی ازبس کافی ہے، اعمالِ صالحہ ضروری اور اہم نہیں! نیز یہ کہ ہماری طویل فرد گناہ کے باوجود اولیاء اللہ اس قدر قوی اور بااختیار ہیں کہ وہ اللہ کے حضور صرف سفارش پر ہی اکتفا اور انحصار نہیں کرتے بلکہ وہ براہِ راست احکام خداوندی میں مداخلت کر کے فرشتوں کے ہاتھوں عذاب سے اپنے مریدوں کو چھڑالینے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی ان ''اولیاء'' کی وجاہت سے (نعوذ باللہ) اس قدر مرعوب ہے کہ اپنے قانون احتساب کی مٹی پلید ہوتے دیکھنا گوارہ کرلیتا ہے مگر ان زبردست اور بارعب اولیاء کی مرضی کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کرتا۔ جب یہ ''اولیاء اللہ'' اس قدر رعب ودبدبہ کے مالک ہیں کہ قبر میں ''سرکاری کاموں'' میں ان کی ''بے جا مداخلت'' پر منکر نکیر فرشتے مردے کی فرد جرم بتانے کے بجائے معذرت خواہانہ انداز اور خوشامدی لب ولہجہ میں انتہائی ادب سے انہیں صرف یہ اطلاع دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں کہ حضور والا! یہ شخص جسکو ہم عذاب دینے والے تھے، اس کا قصور اور اسے عذاب دینے کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ آپ کا ''سچا مرید'' نہ تھا۔ رہی اس کے اعمال کی اچھائی اور برائی تو اس سے ہمیں نہ پہلے کوئی غرض تھی اور نہ اب کچھ سروکار ہے۔ اس پر ان بزرگ کا یہ کرارا جواب کہ کچھ بھی سہی ہے تو وہ ہمارا ہی نام لیوا اور ہم سے وابستہ۔ بھلے سے وابستگی برائے نام ہی سہی۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود تم نے اسے عذاب دینے کی جرأت کیسے کی؟ کیا تم اللہ کے نزدیک ہمارا اثر ورسوخ اور ہماری وجاہت واقتدار سے واقف نہیں؟؟ لہٰذا۔۔۔ ایسی صورت میں اگر جاہل عوام بریلویت کے زیر اثر صرف شیوخ تصوف سے وابستگی کو ہی ذریعہ نجات اور سب کچھ سمجھ کر عمل سے بیگانہ اور بداعمالیوں میں بلاجھجک مبتلا نہ ہوں تو پھر ایسی

{۱} ''سیر الاولیاء'' میر خورد دہلوی، سید محمد بن مبارک علوی ص ۴۵۔

"پیرا مریدی" سے کیا فائدہ ـــــ؟

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!

اسی طرح تصوف کی مستند کتابوں میں مشہور صوفی بزرگ حضرت حاتم اصمؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے تو اپنے شاگردوں اور مریدوں تک کو شفاعت پر مامور کر رکھا تھا۔ اور انہیں یہ حکم دیدیا تھا کہ وہ کسی گنہگار کو جہنم میں داخل نہ ہونے دیں ـــــ! ایک مرتبہ انہوں نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے فرمایا۔ "میں نے اپنے شاگردوں سے کہہ دیا ہے کہ جو قیامت کے روز دوزخیوں کی شفاعت کر کے انہیں جنت میں نہ لیجائے وہ میرا شاگرد نہیں ـــــ! اس پر بایزید بسطامیؒ نے کہا کہ میں نے بھی کہدیا ہے کہ وہ میرا شاگرد نہیں جو قیامت کے دن کھڑا ہو کر ان تمام موحدین کو جنہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہو چکا ہے، ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جنت میں نہ لے جائے ـــــ! {۱}

کیا یہ سب کچھ قرآن وحدیث کی پاکیزہ تعلیمات اور ان میں مذکور بے غبار نظریہ شفاعت کا کھلا ہوا استہزاء اور مذاق نہیں ہے ـــــ؟ دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے بریلویت کے روپ میں اس خودساختہ نظریہ شفاعت کی مسلمانوں کے اندر اس قدر شہرت دے رکھی ہے کہ موجودہ دور میں نہ صرف عوام بلکہ اکثر خواص تک یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اولیاء تصوف کی جس پر "نظر عنایت" ہو جائے اس کا بیڑا پار ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی قانونِ احتساب اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا خواہ اس کا نامہ اعمال کتنا ہی سیاہ کیوں نہ ہو ـــــ! حقیقت میں مسلمانوں میں عقیدہ وعمل کے فساد اور شرک وبدعت کی گرم بازاری کا سب سے بڑا محرک عقیدتِ اولیاء کے نام پر ان کی "الوہی صفات" پر یقین اور دربارِ الٰہی میں ان کا نام نہاد اثر ورسوخ اور رعب ودبدبہ کا فاسد عقیدہ ہے۔ شفاعت کے اس باطل نظریہ نے عوام الناس کو روزِ محشر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے نامہ اعمال کی باز پرس اور سزا وعقوبت کے خوف سے بالکل ہی بے نیاز کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بزرگوں کا "دامن تھام لینے" کو ہی شرطِ نجات سمجھا جانے لگے تو نماز روزہ، حج وزکوٰۃ اور دیگر احکامِ عبودیت کو بجالانے

{۱} "شطحات الصوفیاء" عبدالرحمن بدوی ج ۱ ص ۹۸-۹۹ (طبع بیروت ۱۹۷۶ء)

کی ضرورت ہی کیا ہے ـــــ؟ اولیاء تصوف کے دامن سے وابستگی کے بعد خواہ کتنے ہی صغیرہ وکبیرہ گناہ کئے جائیں اور کتنی ہی اللہ کی نافرمانی کی جائے اللہ ان سے قطعی کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔ ان کے عقیدت مند یہ گمان رکھتے ہیں کہ جب ہم ان اولیاء اللہ کی عظمت کے گیت ہر وقت گاتے ہیں۔ ان کو خوش کرنے کے لئے ہم ان کی "نذر ونیاز" با قاعدہ اور پابندی سے کرتے ہیں تو وہ بھی لازماً ہماری اس عقیدت مندی اور تعریف وتوصیف سے خوش ہو کر ہماری طویل فرد گناہ کے باوجود نہ صرف یہ کہ اللہ کے دربار میں ہماری شفارش کریں گے بلکہ وہ اپنی ذاتی وجاہت اور اثر ورسوخ کی بنا پر ہمارا ہاتھ پکڑ کر بہر صورت جنت میں اپنے ساتھ ہی لے جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ

اولیاء تصوف کے قضاء وقدر کے فیصلوں پر حاوی ہونے اور بروزِ حشر اپنی "من مانی" کرنے کا یہ تصور جوامت مسلمہ میں ـــــ خاص طور پر اس کے جاہل طبقہ میں ـــــ پایا جاتا ہے۔ اس کے پس پردہ "شیعی آئمہ معصومین" کی وجاہتِ ذات اور دربارِ الٰہی میں ان کی خود مختاری کا باطل نظریہ پوشیدہ ہے اور اس پر توحید سوز نظریہ کو بڑی محنت وکاوش سے اہل تشیع نے صدیوں قبل مشائخ تصوف کے بھیس میں رہ کر پروان چڑھایا ہے اور پھر اب اسی طرح شیعی ٹیکنک کے مطابق "اولیاء اللہ" کے نام کی آڑ لیکر اس باطل عقیدے کو جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے ہرکاروں نے دجل وفریب کے ذریعہ اہل سنت عوام کے ذہنوں میں پیوست کرنے کی کوشش کی ہے ـــــ!

حالانکہ "اولیاء اللہ" باوجود اپنے زہد وتقویٰ اور عبادات کی کثرت کے کسی معمولی صحابیؓ کے ہم رتبہ تو کیا ان کے پاؤں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نہ صرف یہ کہ دنیا میں اپنی آنکھوں سے حالتِ ایمان میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے بلکہ آپؐ کے ہمراہ غزوات اور حجۃ الوداع میں بھی شریک رہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست احکامِ شریعت سنے اور ان پر عمل کیا۔ پھر ان صحابہ کرامؓ میں بھی مختلف درجات ہیں۔ کچھ ان میں سے "سابقین الاولین" کے لقب سے سرفراز کئے گئے اور قرآن مجید میں انہیں "مقربون" کہا

گیا ہے۔ان کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔(خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانِ غنیؓ اور حضرت علیؓ بھی انہیں ''سابقین الاولین'' میں شمار ہوتے ہیں!) ان کے بعد عشرہ مبشرہ جن کو زبانِ رسالت مآبؐ سے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت اور گارنٹی دی گئی تھی، ان کا مرتبہ ہے۔حسن اتفاق سے خلفاء راشدین ان میں بھی شامل ہیں۔ان کے بعد جنگ بدر میں شریک ہونے والے تمام ''بدری صحابہ'' کا نمبر ہے۔ پھر صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت جو صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھی اور جنہوں نے درخت کے نیچے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جہاد کی بیعت کی تھی جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی سورہ فتح میں کیا گیا ہے، انہیں ''پروانہ رضا'' عطا کیا گیا۔اسی طرح صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی تعداد جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائی اور جنہیں ''طلقاء'' کہا گیا۔یہ سارے ہی صحابہ کرامؓ اور ان کے علاوہ وہ تمام لوگ جو ''عام الوفود'' میں عرب کے اطراف واکناف سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام لائے اور آپؐ سے بیعت کے شرف سے سرفراز ہوئے۔یہ سارے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باتفاقِ امت وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہوجانے کا احوال ہمیں زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکا ہے۔اسی لئے ہم انہیں ''رضی اللہ عنہم'' کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ان تمام اوصاف ومراتب کے باوجود یہ صحابہ کرامؓ — جو سب کے سب ولی کامل تھے، اللہ کے ''مقرب'' تھے — دشمنانِ اسلام اہل تشیع کے زبردست ''پروپیگنڈے'' کی بنا پر مسلم عوام کے ذہنوں میں شفاعت اور شفارش کے معاملہ میں وہ قدر واہمیت اور مقام ومرتبہ حاصل نہ کرسکے جو ان کے نزدیک ''اولیاء تصوف'' کا ہے۔آخر ایسا کیوں ہے —؟؟

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل تشیع — چار اصحاب رسول کو چھوڑ کر — تمام صحابہ کرامؓ سے انتہائی نفرت اور بغض وعداوت رکھتے ہیں۔انہیں یہ بد باطن (نعوذ باللہ) فرومرتد کہتے آئے ہیں۔تقیہ کرکے مشائخ تصوف کے روپ میں اہل سنت کی صفوں میں گھس آنے کے بعد ناممکن تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ کی اہمیت اور قدر ومنزلت مسلمانوں کے

دلوں سے کم کرنے کی کوشش نہ کرتے۔تقیہ کے لبادہ میں ملبوس ہوکر وہ انہیں نہ تو کھلے عام کافر ومرتد کہہ سکتے تھے اور نہ ان پر حسب عادت سب وشتم کرنے کی ان میں جرأت تھی۔ اس کے علاوہ وہ بالواسطہ طور پر آئمہ اہل تشیع کی قدر واہمیت اور ان کی ''اُلوہی خصوصیات'' کا پروپیگنڈہ اہل سنت کی صفوں میں کرنے کے لئے بھی بے چین وبے قرار تھے۔تاکہ اگر براہِ راست نہیں تو بالواسطہ طور پر ''اولیاء اللہ'' ہی کے نام سے ان کے ''آئمہ معصومین'' کے مقام ومرتبہ اور ان کی غیر معمولی خصوصیات کی تشہیر اہل سنت کے درمیان کی جاسکے —!

چنانچہ اس پروگرام کے تحت انہوں نے مسلم عوام کے طبقہ جہلاء کے ذہنی استحصال (Exploitation) کے لئے قرآن مجید کی آیت اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (سورہ یونس آیت ۶۲) کو بنیاد بنا کر اولیاء اللہ کے نام سے آئمہ اہل تشیع کی خودساختہ خصوصیات جاہل عوام کے ذہنوں میں پیوست کرنے کے لئے سب سے پہلے تو یہ زبردست پروپیگنڈہ شیوخ تصوف کے بھیس میں شروع کیا کہ اولیاء اللہ نہ صرف یہ کہ زندہ وپائندہ ہیں بلکہ بعد وفات ان کی زندگی دنیاوی زندگی سے ارفع واعلیٰ ہوتی ہے اور ان کا فیض بعدِ وفات بھی بدستور جاری ہے —!

مثال کے طور پر شیعی فکر کے نمائندے جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں :—

''اولیاء کی موت مثل خواب کے ہے۔'' {۱}

نیز یہ کہ :—

''اولیاء بعد وصال زندہ، ان کے تصرفات پائندہ اور ان کا فیض بدستور جاری، اور ہم غلاموں، خادموں، محبوں اور معتقدوں کے ساتھ وہی امداد واستعانت ساری۔'' {۲}

ایک اور کتاب میں خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں :

{۱} ''فتاویٰ رضویہ'' احمد رضا خاں بریلوی ج۴/ص۲۳۔
''فتاویٰ رضویہ'' احمد رضا خاں بریلوی ج۴/ص۲۳۔

"انبیاء، شہداء، اور اولیاء مع ابدان واکفان زندہ ہیں۔" {۱}

"الامن والعلیٰ" میں خاں صاحب بریلوی رقمطراز ہیں :۔۔۔

"اولیاء کرام کی روحیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور اپنے متوسلین کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔" {۲}

"سگِ بارگاہِ رضویت" جناب حشمت علی خاں قادری رضوی لکھتے ہیں :

"نہیں پاس سے یا دُور سے پکارنا، ان سے حاجتیں مانگنا جائز اور روا ہے۔ اور وہ اپنے پکارنے والے کی پکار سُنتے، مشکلیں آسان، سختیاں دور کرتے اور حاجتیں روا فرماتے ہیں۔" {۳}

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنی کتاب "الاستمداد" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"اولیاء اللہ مشکلوں کے وقت تشریف لاکر دستگیری فرماتے ہیں۔" {۴}

ظاہر سی بات ہے کہ اگر ان اولیاء تصوف میں مافوق البشر قوتیں اور عقل وشعور وقوت ادراک سے ماوراء واقعات ان سے وابستہ کر کے نہ دکھائے جاتے تو تحیّر پسند جاہل عوام آخر کس طرح قضا وقدر کے فیصلوں پر ان کی برتری کے فسانے درست تسلیم کرتے اور کیوں ان کی جلالتِ شان سے مرعوب ہوئے بغیر ان کی دربارِ خداوندی میں شفاعت اور لازمی شفارش کے نظریہ کو خاطر میں لاتے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ اولیاء اللہ کے نام کے پردے میں آئمہ اہل تشیع کی عظمت وشوکت کا اظہار آخر کس طرح ہوتا۔ جو ان کیلئے صرف حسنِ عقیدت کا مظاہرہ ہی نہیں بلکہ شیعی عقائد کی روح اور ایک "اہم دینی فریضہ" ہے۔۔۔!

چنانچہ ان مقاصد کے پیشِ نظر "اولیاء اللہ" کے نام سے مختلف محیر العقول واقعات وابستہ کر کے عوام میں مشہور کردئے گئے۔ مثال کے طور پر میر خورد دہلوی نے لکھا ہے کہ

{۱} "احکام قبور المؤمنین" رسالہ رضویہ، ص ۲۳۹ (مطبوعہ پاکستان)

{۲} "الامن والعلیٰ" احمد رضا خاں بریلوی، ص ۹۔

{۳} "شمع ہدایت" حشمت علی خاں قادی رضوی، ج ۴ ص ۴۷۔

{۴} "حاشیہ الاستمداد" احمد رضا خاں بریلوی، ص ۶-۷۔

ایک مرتبہ شیخ ابوالحسن خرقانی سے تاجروں کی ایک جماعت نے سفرِ تجارت میں اپنے جان ومال کی حفاظت کے لئے کوئی دُعا پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ جب کوئی خطرناک موقع پیش آجائے تو فوراً میرا نام لے لینا۔ دورانِ سفر اتفاق سے ان کا سامنا رہزنوں سے ہوگیا اور وہ قزّاق ان کے قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ اس وقت جن لوگوں نے شیخ کی ہدایت کے مطابق ان کا نام لیا وہ سب محفوظ رہے۔ اور جنہوں نے اللہ کا نام لیا اور آیتیں اور دعائیں پڑھیں وہ ہلاک ہوگئے۔۔۔! {۱}

شیعیت کے نقیب جناب احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اپنے پیش رو اہل تشیع کے کتب تصوف میں تدسیس کردہ اس قسم کے واقعات کی تائید وتقلید بالکل اسی نہج پر مشہور صوفی بزرگ حضرت جنید بغدادیؒ سے منسوب کر کے ایک واقعہ "الملفوظ" میں قلمبند کرایا ہے کہ

"ایک مرتبہ سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دجلہ پر تشریف لائے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی مثل چلنے لگے۔ بعد کو ایک شخص آیا اسے بھی پار جانے کی ضرورت تھی کوئی کشتی اس وقت موجود نہیں تھی جب اس نے حضرت کو جاتے دیکھا عرض کیا میں کس طرح آؤں؟ فرمایا یا جنید، یا جنید کہتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا میں پہونچا، شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں۔ اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا حضرت میں چلا۔ فرمایا وہی کہو یا جنید یا جنید، جب دریا سے پار ہوا، عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی۔ آپ اللہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں۔ فرمایا۔ ارے نادان! ابھی جنید تک تو پہنچا نہیں۔ اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔ اللہ اکبر۔" {۲}

مسلم عوام وخواص کو "انسان پرستی" میں مبتلا کرنے میں اہل تشیع کے وضع کردہ اس عقیدہ کو بڑا دخل ہے کہ "اولیاء کاملین" کو کائنات میں تصرف کا اختیار حاصل ہے اور دنیا کا نظم ونسق ان کے حوالہ کردیا گیا ہے۔ یہ بے دلیل خیال اہل تشیع کی کوششوں کے طفیل اکثر

{۱} "سیر الاولیاء" میر خورد دہلوی سید محمد بن مبارک علوی ص ۱۰۰ (۱۳۰۲ھ)

{۲} "ملفوظات" احمد رضا خاں بریلوی ج ۱ ص ۳۱ (مطبوعہ کانپور)

اربابِ تصوف کی کتابوں میں مجمل اور بہت سے دوسروں کی تحریروں میں مفصل طور پر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو اہل تصوف کے ''غوثِ اعظم'' کہلاتے ہیں ان کی کتاب ''فتوح الغیب'' میں مجملاً یہ الفاظ ملتے ہیں :۔

وهو قوله فى بعض كتبه يا ابن آدم انا الله لا اله الا انا اقول شئ كن، فيكون، اطعنى تقول بشئ كن فيكون۔" {۱}

اور یہ اللہ کا فرمان ہے بعض کتابوں میں کہ اے ابن آدم! میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ میں کسی شئ سے کہتا ہوں ''کن'' یعنی ہوجا۔ تو وہ وجود پذیر ہوجاتی ہے تو میری اطاعت کر پھر تو بھی جس چیز سے کہے گا ''کن'' تو وہ ہوجائے گی......!

اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

ایں ردتکوین واعطاء تصرف در کائنات ثابت ومذکور است، بقول حق سبحانہ وتعالیٰ در بعض کتابہائے وے کہ بر پیغمبرانِ خود فرستادہ۔ اے فرزند آدم منم خدا، نیست خدا خبر من۔ من می گویم چیزے را پیدا شو، پس پیدا می شود آں چیز۔ اطاعت وفرماں برداری کن مرا۔ می گوئی تو ہر چیزے را شو پس می شود۔"

....

اور یہ تکوین کا حوالہ کیا جانا اور کائنات میں تصرف کا اختیار دیا جانا ثابت اور مذکور ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کی بعض ان کتابوں سے جو اس نے پیغمبروں پر نازل کی ہیں۔ ان میں کہا ہے کہ اے فرزند آدم! میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں کسی چیز سے کہتا ہوں ''ہوجا'' تو وہ چیز ہوجاتی ہے۔ میری اطاعت اور فرماں برداری کر تو بھی جس چیز سے کہے گا کہ ''ہوجا'' تو وہ ہوجائے گی۔۔۔!

''فتوح الغیب'' کی اس عبارت میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ انسان کو

{۱} ''فتوح الغیب'' شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ مقالہ ۴۶ ص ۲۷۳ (مطبع نولکشور لکھنو) مع شرح فارسی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔

تکوینی اختیارات دئے جانے کا ثبوت قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اس کتاب میں تدسیس کرنے والوں نے قرآن واحادیث نبوی کو چھوڑ کر مجہول کتب آسمانی کا حوالے دینے پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ حالانکہ اتنے اہم معاملہ میں جس کا تعلق توحید اور شرک جیسے بنیادی مسئلہ سے ہو کسی غیر معروف کتاب کی عبارت دلیل نہیں بن سکتی۔۔۔! حقیقت یہ ہے کہ اسی طرح کے بے دلیل خیالات نے ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کو توحید کی سیدھی اور روشن شاہراہ سے ہٹادیا ہے۔ قبر پرستی، اولیاء پرستی، ان کے ناموں کی دُہائی اور بہت سے مشرکانہ اعمال اسی غلوئے عقیدت کے کڑوے اور کسیلے پھل ہیں۔۔۔!!

شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ جو عوام الناس میں ''داتا گنج بخش'' کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں اولیاء تصوف کے کائنات میں تصرف اور اس کے انتظام میں دخیل ہونے کا اظہار ان الفاظ میں ملتا ہے۔

''اولیاء حق مدبرانِ ملک اند ومشرفانِ عالم وخداوند تعالیٰ مرایشاں را والیانِ عالم گردانیدہ است وحل وعقد آں بدیشاں باز بستہ واحکامِ عالم را موصول ہمت ایشاں گردانیدہ است۔'' {۱}

خداوند تعالیٰ کے اولیاء ملک کے مدبر ہیں اور عالم کے نگراں اور خداوند تعالیٰ نے خاص طور پر ان کو عالم کا (حاکم) گردانا ہے۔ اور عالم کا حل وعقد انکے ساتھ وابستہ کردیا ہے۔ اور احکامِ عالم کو ان ہی کی ہمت کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ مُنیریؒ (متوفی ۷۸۲ھ) کے مکتوبات کا مجموعہ ''مکتوباتِ صدی'' بھی ان اہل تشیع کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکا چنانچہ اس میں اولیاء اللہ کے تصرف واختیارات کے بارے میں یہ خیالات ملتے ہیں :۔

''اب ان ایمان والے صدیقوں کا حال سنو۔ اور اپنی عقل ناقص سے ان کے متعلق رائے زنی نہ کرو۔ کیونکہ یہ وہ بزرگانِ دین ہیں کہ دنیا کا نظم ونسق

{۱} ''کشف المحجوب'' شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ، ص ۱۶۹۔

انہیں کے قدموں کے نیچے ہے اور دین کا استحکام ان کے قبضۂ اختیار میں
ہے۔ مغربی اور مشرقی دنیا ان کے حکم کے تابع ہے۔" {۱}

تصوف کی اصطلاح میں مرتبہ کے لحاظ سے جن "اولیاء اللہ" کو "غوث" کہا جاتا ہے۔ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسے "قیوم" کی اصطلاح سے ذکر کرتے ہیں۔ اور ان نزدیک اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو خلافت کا مرتبہ عطا کیا ہے اس سے مراد دراصل تمام اشیاء کی "قیومیت" ہے—! حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوب کے دفترِ دوم مکتوب نمبر ۳۷ کے اندر سورۂ احزاب کی آیت ۷۲ اِنَّا عَرَضْنَا الاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضِ وَ الجِبَالِ۔ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

"این امانت بہ زعم این حقیر قیومیت جمیع اشیاء است، بر سبیل نیابت کہ مخصوص بہ کمل افراد انسان است۔ یعنی انسان بجالے می رسد کہ اُورا قیوم جمیع اشیاء بحکم خلافت می سازند وہمہ را افاضہ وجود وبقائے سائر کمالات ظاہری وباطنی بتوسط اُو رسانید۔" {۱}

یہ امانت (قرآن کے مطابق جسے اُٹھانے سے زمین و آسمان عاجز رہے) اس حقیر کے گمان کے مطابق چیزوں کی قیومیت ہے۔ جو برسبیلِ نیابت انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی انسانِ کامل کا معاملہ اس مقام تک پہونچ جاتا ہے کہ احکامِ خلافت کے پیشِ نظر اس کو تمام اشیاء کا "قیوم" بنا دیتے ہیں اور سب کا وجود اور ظاہری و باطنی کمالات کی بقا اسی کے توسط سے پہونچاتے ہیں!

مکتوباتِ امامِ ربانی میں اہل تشیع کی تدسیس سے قطع نظر اس میں انسان کی خلافتِ ارضی کی ذمہ داریوں کو "قیومیت" کے منصب سے متصف کرنا، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے محض اپنا گمان بتایا ہے۔ یعنی یہ کوئی یقینی اور نص صریح سے ثابت بات نہیں ہے۔ اور اس

{۱} "مکتوباتِ صدی" شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ ص ۵۲۶۔ مکتوب نمبر ۷۸، لکھنؤ ۱۲۸۷ھ۔
{۲} "مکتوباتِ امامِ ربانی" حضرت مجدد الف ثانیؒ، ج ۲ رمکتوب ۳۷ (مطبوعہ کانپور ۱۹۰۶ء۔

گمان یا مفروضہ کا سبب ان کے نزدیک اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ خالقِ کائنات کی "خلافت" کی ذمہ داری کوئی معمولی چیز نہیں تھی جس کو اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑ سب عاجز تھے اور شدتِ خوف سے لرز اٹھے تھے۔ ایسی عظیم الشان ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والا انسان جو اس بوجھ کو اٹھانے کے بعد اس کو سہار گیا اور آج بھی اس امانت کا بوجھ وہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے اپنے عہد پر قائم ہے۔ ایسی صورت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک ایسی عظیم قوت برداشت رکھنے والا انسان "قیومیت" کی صفت سے متصف ہونا لامحالہ درست بات ہے۔ تاہم ان کے نزدیک یہ صفت "قیومیت" ہر کس و ناکس کے لئے نہیں ہے بلکہ نوعِ انسانی کے کامل ترین افراد کے لئے ہی مخصوص ہے۔ اور انسان میں کامل ترین افراد کون ہوتے ہیں۔؟ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہی "انسانِ کامل" کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس صفتِ خلافت ارضی یعنی "قیومیت" کا انتساب بھی ان ہی کے نام ہونا چاہئے—! بہر حال حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آیتِ قرآنی اِنَّا عَرَضْنَا الاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضِ وَ الجِبَالِ فَاَبَيْنَ۔ کی جو تشریح فرمائی ہے، اصطلاح کی معنویت سے قطع نظر وہ قطعی طور پر لایعنی نہیں کہی جا سکتی۔ اختلاف کی صورت میں زیادہ سے زیادہ اس کو تصوف کی اصطلاح "غوث" سے وابستہ غیر معمولی صفات و کمالات کی ایک وضاحت اور کسی حد تک اس کی صفائی کی ایک کوشش کہا جائے گا اور بس!

مگر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وضع کردہ اس اصطلاح "قیومیت" کو اپنا حربہ بناتے ہوئے دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے تدسیس کا جو کمال دکھایا ہے، اس کی ایک جھلک ہمیں محمد احسان مجددی کی کتاب "روضۃ القیومیہ" میں ملتی ہے، جو سلسلہ مجددیہ میں حضرت خواجہ نقشبند کے جانشین خواجہ محمد زبیر کے خلیفہ تھے۔ ملاحظہ ہو "منصب قیومیت" کی تشریح :

"قیّوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماتحت اسماء، صفات، شیوٴنات، اعتبارات اور اصول ہوں۔ اور تمام گذشتہ و آئندہ مخلوقات کے عالم موجودات، انسان، وحوش، پرند، نباتات، ہر ذی روح، پتھر، درخت، بحر و بر کی ہر شئی، عرش، کرسی، لوح، قلم، سیارہ، ثوابت، سورج، چاند، آسمان، بروج سب

اس کے سایہ میں ہوں۔ افلاک وبروج کی حرکت وسکون، سمندر کی لہروں کی حرکت، درختوں کے پتّوں کا ہلنا، بارش کے قطروں کا گرنا، پھلوں کا پکنا، پرندوں کا چونچ کھولنا، دن رات کا پیدا ہونا اور گردش کنندہ آسمان کے موافق ونا موافق رفتار یہ سب کچھ اس کے حکم سے ہوتا ہے۔ بارش کا ایک قطرہ ایسا نہیں جو اس کی اطلاع کے بغیر گرتا ہو۔ زمین پر حرکت وسکون اس کی مرضی کے بغیر نہیں۔ جو آرام وخوشی اور بے چینی ورنج اہل زمین کو ہوتا ہے، اس کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا۔ کوئی گھڑی، کوئی دن، کوئی ہفتہ، کوئی مہینہ، کوئی سال ایسا نہیں جو اس کے حکم کے بغیر اپنے آپ میں نیکی وبدی کا تصرف کر سکے۔ مینھ کی پیدائش، نباتات کا اگنا، غرض جو کچھ بھی خیال آسکتا ہے وہ اس کی مرضی اور حکم کے بغیر ظہور میں نہیں آتا۔ روئے زمین پر جس قدر عابد، زاہد، اور مقرب تسبیح، ذکر فکر، تقدس اور تنزیہ میں عبادت گاہوں، جھونپڑیوں، کٹیوں، پہاڑ اور دریا کے کنارے، زبان، قلب، روح، سر خفی، اخفیٰ اور نفس سے شاغل اور معتکف ہیں اور حق تعالیٰ کی راہ میں مشغول ہیں، سب اس کی مرضی سے مشغول ہیں، گو انہیں اس بات کا علم نہ ہو، اور جب تک ان کی عبادت ''قیوم'' کے یہاں مقبول نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی قبول نہیں ہوتی۔ {۱}

''قیوم'' کے یہ بے پناہ اختیارات اور اسکا مقام ومرتبہ جاننے اور ماننے کے بعد ایک مسلمان یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوگا کہ ''قیوم'' جیسی مقتدر اور عظیم الشان ہستی کے سامنے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی کوئی حیثیت نہیں، اور حقیقت میں ''قیوم'' ہی ہمارا الٰہ اور معبود ہے——!!

قیوم کی ان ''الوہی صفات'' اور خصوصیات کو جب ہم اہل تشیع کے مزعومہ ''آئمہ معصومین'' کی صفات وخصوصیات سے موازنہ کرتے ہیں تو صرف نام کے علاوہ ان میں سر مو کوئی فرق نظر نہیں آتا——! حقیقت یہ ہے کہ یہ افتراء علی اللہ کی وہ قسم ہے، کہ جس سے مشرکین عرب —— جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگیں لڑی ہیں —— وہ بھی

{۱} ''روضۃ القیومیہ'' محمد احسان مجددی خلیفہ قیوم رابع ج ۱ ر ص ۹۴۔

ناواقف تھے——! قرآن مجید کی ''سورہ المومنون'' میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝
(المومنون: ۸۹)

(اے نبیؐ!) آپ ان (کفار ومشرکین) سے پوچھئے کہ ایسی ہستی کونسی ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا تصرّف واختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تمہیں کچھ خبر ہے (تب بھی وہ جواب میں) یہی کہیں گے یہ سب صفات بھی صرف اللہ ہی کی ہیں۔ تو آپؐ (اس وقت) ان سے کہئے کہ پھر تم کو کیسا خبط ہو رہا ہے؟

بہر کیف! کتب تصوّف میں اس طرح کے ''تدسیسی کارناموں'' کو دیکھ کر بانی بریلویت جناب احمد رضا خاں صاحب کو بھی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ''غوثیت'' کی آڑ میں ''الوہیت علی'' کے پروپیگنڈہ کی شہ مل گئی۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ''ازمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ'' میں شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب کرکے انکی زبانی یہ بے بنیاد دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ:——

''اللہ نے مجھے قطبوں کا سردار بنایا ہے۔ میرا حکم ہر حال میں جاری و ساری ہے۔ اے میرے مرید! دشمن سے مت گھبرا۔ میں مخالف کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ آسمان اور زمین میں میرا ڈنکا بجتا ہے۔ میں بہت بُلند مرتبے پر فائز ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مملکت میرے زیر تصرف ہے۔ میرے اوقات ہر قسم کے عیب سے پاک وصاف ہیں، پورا عالم ہر دم میری نگاہ میں ہے۔ میں جیلانی ہوں، محی الدین میرا نام ہے۔ میرے نشان پہاڑ کی چوٹیوں پر ہیں۔'' {۱}

خانصاحب بریلوی کے اس بیان کے بعد آئمہ اہل تشیع کے فضائل وخصائص سے متعلق ''اصول کافی'' کے ''باب نادر جامع فی فضل الامام وصفاتہ'' کی ان روایتوں پر بھی

{۱} ''ازمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ'' احمد رضا خاں بریلوی ص ۳۵۔

ایک نگاہ ڈال لیں جس میں شیعہ کے آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا کا ایک طویل خطبہ نقل کیا گیا ہے اور اس میں جگہ جگہ امام کی معصومیت کی تصریح کی گئی ہے۔ ایک جگہ امام کے اوصاف اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

"الامام مطھر من الذنوب ومبرّء من العیوب۔"

امام ہر طرح کے گناہوں اور عیبوں سے مبرّ ا اور پاک ہوتا ہے۔

اس خطبہ میں ایک اور جگہ امام کے بارے میں یہ خیالات ملتے ہیں :

"فھم معصوم موید، موفق مسدد قد امن من الخطاء والزلل والعثار یخصہ اللہ بذالك لیکون حجۃ علی عبادہ وشاھدہ علی خلقہ۔" {۱}

وہ ہر قسم کے عیب سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید وتوفیق اس کے ساتھ ہوتی ہے، اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے۔ وہ غلطی سے بھول چوک اور لغزش سے محفوظ و مامون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔

آئمہ اہل تشیع کی خصوصیات کا اظہار خانصاحب بریلوی، اپنی ایک دوسری کتاب ''الامن والعلیٰ'' میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا نام لیکر اس طرح کرتے ہیں :—

''ہمارے شیخ سیدنا عبد القادر جیلانیؒ رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں برملا زمین سے بلند ہو کر مستی فرماتے اور ارشاد فرماتے۔ آفتاب طلوع نہیں کرتا یہاں تک کہ مجھ پر سلام نہ کرے۔ نیا سال جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ نیا دن جو آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔'' {۲}

کوئی ان ''اعلیٰ حضرت'' سے پوچھتا کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ تو چھٹی صدی ہجری

{۱} ''اصول کافی'' ابو جعفر یعقوب کلینی رازی، ص ۱۲۱-۱۲۲۔

{۲} ''الامن والعلیٰ'' احمد رضا خاں بریلوی، ص ۱۰۹۔

میں پیدا ہوئے تھے جبکہ دنیا کا وجود ہزاروں یا لاکھوں سال سے ہے اور آسمان میں چمکنے والا سورج بھی ابتدائے آفرینش سے ہی روز آنہ بلا ناغہ طلوع وغروب کی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ ایسی صورت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ولادت سے قبل وہ طلوع ہونے کی اجازت کس سے لیتا تھا—؟

بخاری شریف میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :—

"فانھا تذھب حتیٰ تسجد تحت العرش"۔ (بخاری ج ۳/ص ۱۵۴)

سورج چلتا ہے یہاں تک کہ وہ عرش کے نیچے پہونچ کر (اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بانیٔ بریلویت کے عقیدہ ''ثالثُ ثلاثۃ'' کے مطابق چونکہ ''غوثِ اعظم''، شیخ عبد القادر جیلانیؒ بھی ایک ''ذیلی خدا'' یا بعینہٖ ''معبودِ حقیقی'' ہیں لہٰذا ان کے نزدیک سورج کو طلوع ہونے سے قبل شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے حضور حاضر ہونا ہی تھا۔ مگر تقیّہ کی مجبوری کی وجہ سے وہ صاف طور پر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے سامنے سورج کو سجدہ کرتے ہوئے نہیں دکھا سکتے تھے، اس لئے انہوں نے مصلحتاً سجدہ کے عمل کو ''سلام کرنے'' سے تعبیر کر ڈالا...... ! ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سبائی عقیدہ کے مطابق جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں خود ذات احدیت یعنی باری تعالیٰ مع اپنی جملہ صفات ونعوت جلالت جلوہ فرما ہے ٹھیک اسی طرح ''غوثِ اعظم'' کی ذاتِ مبارکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنی جمیع صفات جمال وجلال وکمال وافضال کے متجلی ہیں—! {۱} ایسی صورت میں لامحالہ غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ خود ہی خدا ٹھہرے، اور اولیاء کرام کے پر تقدس الفاظ کے پردے میں ''آئمہ معصومین''، اہل تشیع !

یہ اور اسی قسم کے دیگر غلط تصورات اور مشرکانہ عقیدے جو اسلامی سوسائٹی میں ''بریلویت'' کی بدولت رواج پا چکے ہیں، انہیں سے مسلمانوں میں بے راہ روی، گمراہیٔ فکر

{۱} ملاحظہ ہو ''فتاویٰ افریقہ'' احمد رضا خاں بریلوی، ص ۱۰۱۔

وعمل عاقبت فراموشی اور شرک وبدعت کی مہلک بیماریاں پیدا ہوئیں جو آج تمام دنیا میں ان کی ذلت وحقارت اور مصائب ومشکلات کا سبب بنی ہوئی ہیں اور آخرت میں بھی ان کی رسوائی، پشیمانی اور ذلت وخسران کا باعث ہوں گی—!

واضح رہے کہ قرآن مجید میں شفاعت کے مسئلہ کو گنجلک نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ دو ٹوک الفاظ میں اس کی حقیقت واشگاف کردی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ یونس میں رب ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے :—

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (یونس:۳)

وہی ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ کوئی (اس کے پاس) اس کی اجازت کے بغیر (کسی کی) سفارش نہیں کرسکتا۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ تو اسی کی عبادت کرو۔ بھلا تم غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔

ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :—

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۲–۴۸)

اس دن کا خوف کرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے گی اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کرسکیں گے۔

اسی طرح سورہ ''البقرہ'' آیت الکرسی میں فرمان الٰہی ہے :—

مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (۲–۲۵۵)

کس کی یہ جرأت ہے کہ وہ اسکی اجازت کے بغیر کسی کی اس کے حضور سفارش کرسکے؟

سورہ ''النباء'' میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :—

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا۔ (النبـاء : ۳۸)

جس دن تمام ذی ارواح اور فرشتے (اللہ کے روبرو) صف بستہ کھڑے ہوں گے (خشوع وخضوع کے ساتھ) اس وقت کسی

کو بھی لب کشائی کی جرأت نہ ہوگی بجز اس کے جس کو رحمٰن (بولنے کی) اجازت دے اور وہ بات بھی درست اور صحیح کہے......!

سورہ ''الزخرف'' میں ارشاد ہوتا ہے :—

وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (الزخرف:۸۶)

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن دوسروں کو پکارتے ہیں وہ کسی کی سفارش کا اختیار نہیں رکھتے مگر اس قدر کہ وہ حق کی گواہی اپنے علم کے مطابق دیں۔

سورہ ''الانعام'' میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے :—

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ (الانعام:۵۱)

اور اے محمدؐ! تم اس (علم وحی) کے ذریعہ ان لوگوں کو خبردار کردو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اس (اللہ تعالیٰ) کے علاوہ وہاں کوئی ان کا حامی ومددگار یا سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ توقع ہے کہ وہ (یہ بات جان کر) خدا کا خوف اختیار کریں گے۔

سورہ ''الزمر'' میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :—

"وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۔ (الزمر:۳،۲)

اور جن لوگوں نے اسکے سوا کسی اور کو اپنا کارساز ومددگار تصور کررکھا ہے انکا قول یہ ہے کہ ہم انکی عبادت صرف اس خیال سے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دینگے۔ اس بارے میں (مومن واہل توحید سے) انکو جو اختلاف ہے اسکا فیصلہ ایک روز اللہ تعالیٰ فرمادیگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دروغ گو اور منکر حق کو ہدایت سے سرفراز نہیں کرتا۔

قرآنِ کریم میں ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے :—

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ۔ (۱۰—۱۸)

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ان شخصیتوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نقصان پہونچا سکتی ہیں اور نہ ان کو کچھ فائدہ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کا وجود نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں۔

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے :—

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا۔

(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ شفاعت کا معاملہ سارا کا سارا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق ساری مخلوق میں انسانوں کے اندر صرف انبیاء علیہم السلام ہی معصوم عن الخطاء اور گناہوں سے مبرّا ہیں۔ اور انبیاء کرامؑ کے بعد معصومیت کا وصف اگر پایا جاتا ہے تو صرف فرشتوں میں پایا جاتا ہے۔ شفاعت یا سفارش کا معاملہ جس طرح انبیاء کرامؑ کے لئے ''اذنِ الٰہی'' پر موقوف ہے اسی طرح فرشتوں کی شفاعت اور سفارش بھی بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے نہیں ہو سکتی—!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :—

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى۔

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں جن کی شفاعت بھی کچھ کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسی ہستی کے حق میں سفارش کی اجازت نہ دے جس کے لئے وہ کوئی عرض داشت سننا چاہتا ہے اور اس کی سفارش پر رضامند ہو—!

یہ تو تھا قرآن مجید میں ''شفاعت'' کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کا ایک مختصر سا جائزہ۔ اب آیئے اس سلسلے میں احادیث نبویؐ پر بھی ایک نگاہ ڈالتے چلیں

تاکہ شفاعت جیسے اہم اور حساس مسئلہ پر صحیح اسلامی نکتۂ نظر پوری طرح واضح ہو جائے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے :—

قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أنزل عليه "وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" فقال يا معشر القريش او كلمة نحوها اشتروا انفسكم لا أغني عنكم مِنَ اللّٰهِ شَيئاً۔ يا عبّاس بن عبد المطلب لا اغني عنك من الله شيئاً۔ يا صفية عمّة رسول الله لا اغني عنك من الله شيئاً و يا فاطمة بنتِ محمدؐ سليني من مّالي ما شئتِ لا اغني عنكِ مِنَ اللّٰهِ شيئاً۔ (رواه البخاري)

وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ''یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ اے قریش کی جماعت! (یا اسی قسم کا دوسرا کوئی لفظ) اپنی جانوں کو فروخت کر دو۔ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے عباسؓ! میرے چچا اور اے صفیہ! میری پھوپھی اپنی جانوں کو بچالو میں اللہ کے یہاں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے لیکن میں اللہ تعالیٰ کے یہاں تیرے ذرا بھی کام نہ آسکوں گا—!

مذکورہ بالا احادیثِ نبویؐ اور قرآن مجید کی بے شمار آیتوں سے اس قسم کی ''مجرد شفاعت'' کے نظریہ کی نفی ثابت ہوتی ہے جو اس غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے جس کے مطابق اللہ کے رسولؐ اور صلحائے امت ''اپنی مرضی'' سے اور ''جس کو چاہیں سفارش کر کے اللہ کی پکڑ سے بچالیں۔'' بلکہ صحیح اور اسلامی نکتۂ نظر یہ ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ اپنے جس گنہگار بندے کو اس کی فردِ معاصی کے باوجود اپنی رحمت سے خود بخشنا چاہے گا تو اس کے لئے نہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام بلکہ صلحائے امت اور شیر خوار بچوں تک کو اذنِ شفاعت عطا فرمائے گا۔ اس طرح ان کی سفارش سے اس بندے کی مغفرت کا سامان بھی ہو جائے گا اور میدانِ حشر میں سفارش کرنے والی ہستی کو اذنِ شفاعت ملنے کی وجہ سے عند اللہ اسکی اہمیت

اور قدر و منزلت بھی اہل محشر کی نگاہوں میں واضح ہو جائے گی۔ اور تمام لوگ جان لیں گے کہ فلاں سفارش کنندہ پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے اور وہ اس کا مقرب بندہ ہے ــــ!

شفاعتِ کبریٰ جس کا دوسرا نام ''مقامِ محمود'' بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی مخصوص ہے۔ اور یہ شفاعت بھی حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اذن کے بغیر اور خلقت کی واویلا پر فوراً ہی نہیں کریں گے بلکہ صحیح روایت کے مطابق آپؐ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے اس کے بعد پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے اور کافی عرصہ تک حالت سجدہ میں اللہ کی حمد و ثنا کرتے رہیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو آپؐ کو حکم ہوگا کہ اپنا سر مبارک اٹھایئے آپ کی بات سُنی جائے گی اور آپؐ جو سوال کریں گے پورا کیا جائے گا اور جس کی سفارش کریں گے وہ قبول ہوگی۔ اس وقت آپؐ سجدے سے سر اٹھا کر کسی ایک فردِ بشر کا نام نہیں لیں گے کہ فلاں کو بخش دیا جائے۔ بلکہ ''اُمّتی، اُمّتی'' پکاریں گے۔ یعنی اپنی تمام امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کی درخواست کریں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر حساب و کتاب کا مرحلہ شروع ہو جائے گا۔ اور امت مسلمہ حشر کی بلاخیز گرمی اور بھوک پیاس کی صعوبتوں سے امن پائے گی کیونکہ اس مرحلے کے فوراً ہی بعد ''حوضِ کوثر'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا جائے گا جس سے امتِ محمدیہؐ سیراب ہوگی ــــ!

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! وہ کون خوش نصیب اور سعید شخص ہے جو آپؐ کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :ــــ

قال من قال لا اله الا الله خالصاً مِن قلبه فتلك الشفاعة لأهل الاخلاص باذن الله ولا تكون لمن اشرك بالله.

جو شخص اپنے دل کی گہرائیوں سے کلمہ طیبہ لا اله الا الله کا اقرار کرتا ہو۔ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ یہ شفاعت ان کو حاصل ہوگی جو اپنے اعمال میں مخلص ہوں گے اور یہ شفاعت بھی اللہ کی اجازت سے ہوگی۔

.... لیکن ان لوگوں کو آپؐ کی شفاعت نصیب نہ ہوگی جو اللہ کے ساتھ (اس کی ذات یا صفات میں) کسی دوسرے کو شریک کرتے ہوں!

نبی اکرم صلی اللہ عیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ یہ شفاعت صرف موحدین اور سچے اور مخلص مسلمانوں کے لئے ہی ہوگی تو شرک و بدعت کے متوالے، بے عمل اور شورہ پشت لوگوں کو شفاعت کی امید نہ رکھنی چاہئے ــــ!

یہ ہے شفاعت کا وہ بے غبار اسلامی نظریہ جس کو غتر بود کرنے کے لئے دشمنانِ اسلام اہل تشیع نے خطرناک سازش کر کے ''اولیاء تصوف'' کو ''ارباباً من دون اللہ'' بنا کر عوام الناس کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں لوگ عمل سے بیگانہ ہو کر اولیاء کی سفارش پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اور بروزِ حشر رب العالمین کی باز پرس اور گرفت کے خوف کو انہوں نے قطعی طور پر اپنے دلوں سے نکال دیا ہے ــــ!!

یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ جانے کے بعد کہ "بریلویت" سرتاپا شیعی افکار کا چربہ، اس کی تقیہ صفت ایک شاخ اور تصورِ آئمہ اہل تشیع کو "اولیاء اللہ" کا نام دے کر اہل سنت کے درمیان شیعی عقائد ونظریات کو فروغ دینے کا موثر ترین پلیٹ فارم ہے۔ اور یہ کہ خاں صاحب بریلوی کی پر فریب تعلیمات اللہ، محمدؐ اور علیؓ تینوں کو ایک ہی ہستی یا اللہ تعالیٰ کا ہی رُوپ سمجھنے کے باطل سبائی عقیدہ کی جگہ پر کلی طور پر اللہ، محمدؐ اور غوثِ اعظم یعنی شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مابین خدائی اختیارات اور صفاتِ الٰہی کو منحصر کر دینے پر ہی سارا زور صرف کرتی ہیں۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ خاں صاحب بریلوی کے ماننے والے تمام خواندہ، نیم خواندہ اور جاہل مسلمان غیر شعوری طور پر شیعی افکار ونظریات پر احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے توسط سے "ایمان لانے" کے باوجود طبعی طور پر اہل تشیع سے بالکل اسی طرح متنفر اور ان کے نام سے بے زار دکھائی دیتے ہیں جس طرح دیگر توحید پسند مسلمان ان سے گریز کرتے ہیں ــــ! بطور تقیہ اور مصلحت خاں صاحب بریلوی نے بھی "ردّ الرفضہ" نامی کتاب لکھ کر بظاہر اہل تشیع کی مذمت ہی کی ہے اور ان کی دیگر کتابوں میں بھی اکثر مقامات پر روافض کے خلاف تردیدی جملے اور مذمت کے الفاظ بادلِ ناخواستہ مل جاتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے ــــ؟ آیئے اس نکتہ پر بھی غور وخوض کرتے چلیں۔

بریلویت کے طلسم فریب میں گرفتار مسلمانوں کی اس "دورخی ذہنیت" کے اسباب و وجوہات پر غور کرنے کے لئے ہمیں ماضی کے جھروکوں میں جھانکنا پڑے گا۔ بر صغیر کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اہل تشیع نے سرزمین ہند پر اپنے افکار ونظریات کے فروغ اور عقائد کی تشہیر کے لئے مغلیہ سلطنت کے دورِ عروج میں، اس وقت کے سب سے بڑے شیعہ مجتہد نور اللہ شوستری کی قیادت یا سرپرستی میں باقاعدہ "پلاننگ" کے ذریعہ تمام اسلامی اقدار وروایات اور معتقدات ومسلّمات کو سُبوتاژ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ مغل حکمراں جہانگیر کی چہیتی شیعہ بیوی ملکہ نور جہاں نے ــــ جو اس دور میں عملاً ہندوستان کی حکمراں بنی ہوئی تھی ــــ اپنے وطن ایران سے شیعہ مذہب کے سب سے بڑے مجتہد نور اللہ شوستری کو ہندوستان بلوا کر اور جہانگیر سے سفارش کر کے آگرہ میں

ہندوستان کا قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس بنوا دیا تھا۔ پھر وہ تقیہ کے لبادے میں مستور رہ کر تقریباً چودہ سال تک سُنّی منصف وقاضی کی حیثیت سے فقہ حنفی کے مطابق مقدمات فیصل کرتا رہا تھا۔ چونکہ شخصی حکومت کے اس دور میں جب کہ مغل حکمران سنی العقیدہ اور مذہب حنفی کے پیروکار تھے، شیعیت کی کھل کر تبلیغ کرنا ممکن نہ تھی اسلئے شوستری کی زیرِ قیادت تقیہ کے لبادے میں ملبوس ہو کر اپنے شیعی عقائد کو فروغ دینے کا ایک زیر زمین جامع منصوبہ تشکیل دیا گیا۔ نور اللہ شوستری کے اشارے پر ہندوستان کے طول وعرض میں جگہ جگہ اہل تشیع، مشائخ تصوف کا روپ دھارن کر کے خانقاہیں بنا کر بیٹھ گئے جن کی سرپرستی ہندوستان کے شیعہ نواب اور امراء کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے خود کو "سُنّی" کہلاتے ہوئے جاہل عوام میں پیرامریدی کا دھندا شروع کر دیا۔ اس حقیقت کا اعتراف کہ اہل تشیع حنفی اور شافعی مذہب کے پیروکاروں کے بھیس میں مسلمانوں کے درمیان موجود رہے ہیں خود قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب "مجالس المومنین" میں اس طرح کیا ہے۔

"وچوں علمائے شیعہ اید ہم بنصرہ بعلت تماری استیلائے اصحاب شقاء وشقاق واستعلائے اہل تغلب ونفاق ہموارہ در زوایہ تقیہ متواری و مختفی بودہ اند، خود را شافعی یا حنفی مے نمودہ اند۔" {۱}

ترجمہ: چونکہ علماء شیعہ اصحاب شقاء وشقاق کے طویل غلبہ اور اہل تغلب ونفاق کے برسرِ اقتدار ہونے کے باعث ہمیشہ گوشہ تقیہ میں چھپے اور مخفی رہے ہیں اس لئے وہ اپنے آپ کو شافعی یا حنفی ظاہر کرتے ہیں ــــ!

بدقسمتی سے ہندوستان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد آج کی طرح اس دور میں بھی قطعی جاہل اور علم دین سے بے بہرہ تھی۔ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہی جا سکتی کہ ان کے اسلاف یا بزرگ خاندان جو تاریخی تعمیمات کے مطابق چونکہ شیخ معین الدین چشتیؒ، فرید الدین گنج شکرؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ وغیرہ اکابر اولیاء تصوف کے ہاتھ پر بہ یک وقت "لاکھوں کی تعداد میں" ایمان لائے تھے۔ اس لئے اگر یہ روایت

{۱} "مجالس المومنین"، قاضی نور اللہ شوستری، ج ۱، ص ۳ (طبع طہران ۱۳۷۵ھ)

فی الحقیقت درست ہے تو پھر ظاہری سی بات ہے کہ ایک وقت میں لاکھوں افراد کو کلمہ پڑھا دینا اور ان کو دائرہ اسلام میں داخل کر لینا تو ان بزرگوں کے لئے ممکن تصور کیا جا سکتا ہے مگر یہ کہ وہ تن تنہا اتنے بہت سے ہزاروں، لاکھوں افراد جو ان کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے ان سب کی دینی تربیت اور کردار سازی بھی اسلام کی تعلیمات کے مطابق کر پاتے، ایسا ہونا ممکن نہیں تھا---! ان کے بعد آنے والی نسلوں کو چونکہ اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ ان کے بزرگوں کو ایمان کی دولت ان مشائخ تصوف کی بدولت ہی ملی تھی اس لئے فطری طور پر ان لوگوں کے دلوں میں اولیاء تصوف اور تصوف کی خانقاہوں کے لئے بے پناہ محبت اور عقیدت و جاں سپاری کا جذبہ موجزن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں جہاں کہیں بھی انہیں یا ان کے جانشینوں کو مشائخ تصوف اور خانقاہیں نظر آئیں وہ آنکھیں بند کر کے ان سے اپنی دلی عقیدت کا اظہار کرنے اور ان خانقاہوں سے وابستہ شیوخ تصوف کے ملفوظات اور احکام و ہدایات پر عمل کرنے کے لئے پوری طرح مستعد نظر آئے---!

حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لیکر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک کا دور برصغیر میں ایک طرح سے تصوف کے عروج و کمال کا دور تھا اور اولیاء تصوف اور ان کی تعلیمات سے گہری وابستگی کا جذبہ عوام سے لیکر خواص تک اور جھونپڑیوں سے شاہی محل تک لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ بادشاہِ وقت بھی باقاعدہ ان اولیاء تصوف کے در پر جبہ سائی کرتے تھے۔ ان کی رعایا اور عوام الناس تو یوں بھی اپنے اسلاف کو دولتِ اسلام کے حصول کے لئے مشائخ تصوف کے مرہونِ منت اور معترف و معتقد تھے، اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ نے ان کے نشہ عقیدت کو اور گہرا کر دیا، اور وہ آنکھ بند کر کے مشائخ تصوف کے ارشادات و تعلیمات پر یقین و عمل کرنے کے خوگر ہو گئے تھے---!!

ان حالات میں نور اللہ شوستری ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتا ہے تو اس کو شیعی معتقدات کی پرورش اور فروغ کے لئے تصوف کی آغوش سے بہتر کوئی پناہ گاہ اور خانقاہی نظام سے زیادہ مفید اور کارآمد ذریعہ تبلیغ و تشہیر نظر نہ آیا۔ چنانچہ اس نے ایک جامع پروگرام بنا کر دہلی سے لیکر دیوگری اور دکن۔ کے طول و عرض میں نیز لکھنوتی سے لیکر کابل و قندھار تک

جہاں جہاں اولیاء تصوف کی معروف خانقاہیں اور ان کا دائرہ عمل تھا، ان سب جگہوں پر تقیہ بردار شیعی مجتہدوں کو متوازی طور پر قرب و جوار میں اپنی علیحدہ خانقاہیں بنانے اور جاہل عوام میں مشائخ تصوف کے بھیس میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور حلقۂ عقیدت پیدا کرنے میں لگا دیا---!

اہل تشیع کی قائم کردہ ان متوازی خانقاہوں کے اولین سربراہ یا شیوخ تو بلا شبہ تقیہ کے لبادے میں مستور خالص شیعہ ہی تھے، مگر ان سے وابستہ ہونے والے سادہ لوح مسلم عوام میں سے منتخب ان کے خلفاء اور اکثر جانشین جو اگرچہ وراثت میں ملنے والے شیعی عقائد و نظریات پر--- جن کے اوپر اسلام کا خوشنما لیبل لگا ہوا تھا--- دل و جان سے فدا تھے مگر سُنّی معاشرے میں موجود صدیوں سے اہل تشیع سے کراہیت اور نفرت کا جذبہ بھی ان کے ذہنوں سے محو نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ ایک یا دو صدیوں کے بعد ان شیعی خانقاہوں کے مشائخ عقیدہ و عمل کے لحاظ سے شیعی افکار و معتقدات کو گلے لگانے کے باوجود سنی معاشرے کی ہمہ وقت قربت اور تقیہ کے خاندانی روایت کے فطرتِ ثانیہ بن جانے کی وجہ سے خود کو سُنّی و حنفی ہی سمجھنے اور دوسروں کو باور کرانے لگے تھے---!

مثال کے طور پر جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ''پیر خانہ'' مارہرہ ضلع ایٹہ جو کہ عوام الناس کے نزدیک خالص اہل سنت والجماعت مشائخ کا خاندان ہے اور وہاں کی خانقاہ برکاتیہ ''سنی خانقاہ'' کے نام سے معروف ہے۔ اس خانقاہ برکاتیہ کے شیوخ میں سے ایک اہم ہستی شاہ اچھے میاں آل احمد مارہروی {۱} اور ان کے برادر زادے یعنی احمد رضا خاں صاحب کے پیر و مرشد شاہ آل رسول برکاتی مارہروی نے چونکہ دہلی جا کر شاہ

{۱} (ہماری کتاب ''بریلویت طلسم فریب یا حقیقت؟'' میں طباعت کے وقت کمپیوٹر کمپوزنگ کی غلطی سے شاہ اچھے میاں مارہروی کے بارے میں، شاہ آل رسول برکاتی مارہروی کے برادر زادے کا رشتہ طبع ہو گیا تھا۔ جس کا ہمیں افسوس ہے۔ درست بات یہ ہے کہ شاہ آلِ رسول برکاتی مارہروی بذات خود شاہ اچھے میاں کے بھتیجے تھے۔ یعنی وہ اچھے میاں مارہروی کے چھوٹے بھائی شاہ ستھرے میاں کے صاحب زادے اور شاہ حمزہ مارہروی کے پوتے تھے.....!! ا ع س)

عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے درسِ حدیث لیا تھا اور ان کا شمار شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے عام طور پر لوگوں کے نزدیک اس خانقاہ کے مشائخ
کا ''سُنی العقیدہ'' ہونا ایک طے شدہ بات ہے۔ مگر اسی ''مارہرہ شریف'' کے مشائخ کے
''خاندانِ برکات کی تاریخ'' میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ شاہ حمزہ مارہروی کو لکھنؤ
کے شیعہ حکمراں نواب آصف الدولہ نے مبلغ چار سو پچاس روپے کا ایک روزینہ یعنی وظیفہ
برائے اخراجات درگاہ شاہ برکت اللہ و شاہ عبدالجلیل و شاہ جلال صاحب جاری کیا تھا، جو
اس وقت کے لحاظ سے ایک خطیر رقم تھی۔ یہ وظیفہ انہیں اور ان کی اولاد کو برابر ملتا رہا۔ اس
کے علاوہ نواب آصف الدولہ نے خانقاہ خرچ کے لئے علیحدہ سے مزید ایک سو روپے کا
وظیفہ منظور کیا تھا۔ یہ دونوں وظیفے ان کی اولاد کو تا اختتام ریاست اودھ واجد علی شاہ اختر کے
زمانہ آخر تک ملتے رہے تھے ---! {۱}

''تاریخ خاندان برکات'' کے مؤلف شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی اس
ضمن میں مزید لکھتے ہیں کہ ''جب شاہ حمزہ مارہروی کی وفات کے بعد شاہ اچھے میاں آل
احمد مارہروی کا دور آیا تو نواب آصف الدولہ والی لکھنو نے ۱۱۹۸ھ میں دیہات صورت
پور پیلی پرگنہ مارہرہ بصیغہ آل تمغا و رحمت پور ولہسورہ خوردہ احد پور پرگنہ بلرام بصیغہ جاگیر
خرچ خانقاہ حضرت کے ''نذر'' کئے۔ جن میں سے اکثر کی زمینداری و معافیداری متولیاں
مابعد نے قریب کے زمانے میں بیع و رہن کر کے تلف کر ڈالی اور بعض کی معافیداری (واجد
علی شاہ والیٔ اودھ کی معزولی کے بعد) گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔'' {۲}

جہاں تک اہل تشیع کی افتادِ طبع کی بات ہے تو کوئی بھی مخلص شیعہ بقائمی ہوش و حواس
کسی ''سنی بزرگ'' کی عقیدت میں گرفتار نہیں ہو سکتا تا آنکہ اسے اس بات کا یقین کامل نہ
ہو کہ وہ بزرگ حقیقت میں اندر سے ''مخلص شیعہ'' ہے اور بطور مصلحت خود کو تقیہ کی نقاب

{۱} ''تاریخ خاندان برکات'' سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی ص ۲۲،
(مطبوعہ برکاتی پبلشرز ۱۲۳/ رچھا گلہ اسٹریٹ کھارادر۔ کراچی ۱۹۳۹ء۔

{۲} ''تاریخ خاندانِ برکات'' سید شاہ اولادرسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی، ص ۲۴، ۱۹۳۹ء)

میں پوشیدہ کئے ہوئے ہے۔ ورنہ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر شیعہ نواب آصف الدولہ کو
''سنی بزرگوں'' سے اتنی ہی عقیدت تھی تو اس نے اپنی قلمرو ''بہرائچ'' میں مشہور بزرگ سید
سالار مسعود غازیؒ کی خانقاہ اور درگاہ پر اس طرح کی نظرِ عنایت کیوں نہ کی ---؟ کیا اس
کی ''سُنی رعایا'' میں سید سالار مسعودؒ کے عقیدت مندوں کی تعداد کم تھی ---؟؟ لہٰذا معلوم
ہوا کہ اس داد و دہش کے پس منظر میں ''حق بہ حق دار رسید'' کے خیال کے علاوہ شیعی
معتقدات کی بالواسطہ تشہیر و تبلیغ میں معاونت کا احساس اور جذبہ بھی کارفرما تھا ---!!

بہر نوع! یہ محض الزام تراشی نہیں ہے کہ ''مارہرہ شریف'' کے خاندانِ برکاتیہ
کے مشائخ کا رجحان شیعیت کی طرف تھا۔ ان لوگوں کی درپردہ شیعی ذہنیت کا اندازہ
''خاندانِ برکات کی تاریخ'' کے مرتب شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی
کے اس بیان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خاں صاحب بریلوی کے پیر و مرشد سید آل
رسول برکاتی مارہروی کے بڑے بھائی سید آل امام جُھّا میاں کی اولاد جو مارہرہ کے محلہ پختہ
باغ میں سکونت پذیر ہے، وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ چکی ہے اور سب کی سب آج بھی
کٹر شیعہ ہیں۔ انہوں نے اپنے خاندان کے دیگر افراد کے علی الرغم انتہائی جرأت مندی کا
ثبوت دیتے ہوئے تقیہ کا زرتار لبادہ اتار پھینکا ہے اور اب وہ اپنے اصل ''آبائی مذہب''
پر بہ بانگِ دُہل عمل پیرا ہیں۔ (ملاحظہ ہو: ''تاریخ خاندانِ برکات'' صفحہ ۳۷) شاہ حمزہ
مارہروی کے عرس کے انعقاد کی ذمہ داریاں شروع ہی سے ان کے سپرد رہی ہیں درمیان
میں انہوں نے کچھ عرصے کے لئے عرس کمیٹی کو خیرباد کہہ دیا تھا مگر بقول صاحبِ کتاب
''تاریخ خاندانِ برکات'' سید اولادِ رسول محمد میاں برکاتی مارہروی ۱۸۹۸ء میں دوبارا یہ
ذمہ داری انہیں آل امام جُھّا میاں کی شیعہ اولاد کے سپرد کر دی گئی تھی۔ اور اب پھر انہوں
نے اس کام سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ اس لئے اب انعقاد عرس کی ذمہ داریاں محمد
میاں برکاتی کے والد ماجد جناب اسمٰعیل حسن پر برکاتی مارہروی کے سپرد اور سارا انتظام
ان کی اولاد کے زیر کنٹرول ہے ---! {۱}

{۱} ''تاریخ خاندانِ برکات'' سید شاہ اولادرسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی، ص ۲۳)

اس خاندان کی شیعی نظریات سے قربت اور اس میں اہل تشیع کے معتقدات کے اثر ونفوذ کا پتہ اس بات سے بھی چل جاتا ہے کہ قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی میں محلہ ''سید واڑہ'' جو اہل تشیع کا گڑھ کہلاتا تھا اور بڑی نامی گرامی شیعہ ہستیاں یہاں کی خاک سے پیدا ہوئی ہیں۔ کیا یہ بات معنیٰ خیز نہیں کہ جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے پیرومرشد سید آل رسول برکاتی مارہروی کا نکاح بلگرام کے اسی ''سید واڑہ'' کے باشندہ سید منتجب حسین بدلے زئی کی صاحبزادی نثار فاطمہ سے ہوا تھا۔ اور پھر سید آل رسول برکاتی مارہروی کی تیسری صاحبزادی رحمت فاطمہ جو انہیں نثار فاطمہ کے بطن سے پیدا تھیں، ان کی شادی اپنے ماموں زاد بھائی سید محمد حیدر ابن سید دلدار حیدر ابن سید منتجب حسین سے ہوئی تھی۔ اسی طرح سید آل رسول مارہروی کے صاحبزادے شاہ ظہور حسن (ولادت ۱۲۲۹ھ) کی پہلی شادی اکرام فاطمہ دختر دلدار حیدر ابن سید منتجب حسین سے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی اس خاندان کی زیادہ تر رشتہ داریاں صوبہ گجرات کے جام نگر، بڑودہ، پالن پور، جوناگڑھ اور گائکواڑ کے مشہور ومعروف شیعہ خاندانوں میں تھیں۔ (ملاحظہ ہو: تاریخ خاندانِ برکات صفحہ ۴۱ سے ۴۴ تک) چنانچہ برکاتی خاندانی نسبی اعتبار سے بھی شیعوں سے ہمرشتہ اور معاشرتی اثرات ورجحانات کے مطابق ان کے افکار ونظریات کا ہمنوا تھا — ! عام طور پر شیعہ، سنی نکاحوں کے نتیجہ میں پیدا شدہ اولاد ذہنی اعتبار سے اعتقادی بے راہ روی کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، تو ایسی صورت میں ان لوگوں کی اولاد اور نسلوں کا کیا حال ہوگا جو پہلے سے خود بھی تقیہ بردار شیعہ یا ان کی نسل تھے۔ ایسے خاندانوں کے خالص شیعی گھرانوں میں نکاح اور ان سے سماجی روابط اور قربتِ ماحول نے ان کے در پردہ شیعی عقائد ونظریات کو کیا کچھ جلا نہیں بخشی ہوگی — ؟؟

چنانچہ دیکھئے۔ اہل تشیع کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالبؑ — جو حضرت علیؓ کے والد ماجد ہیں — ان کے نزدیک کافر نہیں بلکہ مومن تھے۔ ان کا اصرار ہے کہ ابوطالبؑ کا خاتمہ کفر پر ہرگز نہیں ہوا تھا۔ اہل تشیع کا یہ باطل عقیدہ جو سراسر قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔ ''مشائخ مارہرہ'' بر بنائے مصلحت اس عقیدہ کی کھل کر

تائید تو نہیں کر سکتے تھے مگر بقول مولانا خلیل احمد برکاتی، بدایونی، وہ اس سلسلے میں کفِ لسان اور خاموشی کے قائل ہیں۔ {۱}

گویا ان کا آیتِ قرآنی إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (القصص:٥٦) پر محکم ایمان نہیں اور وہ ان احادیث صحیحہ پر کامل یقین نہیں رکھتے جن میں واضح طور پر ابوطالبؑ کے حالتِ کفر میں دنیا سے جانے کا تذکرہ ہے — ؟؟

بہر کیف! تقیہ صفت اہل تشیع کی قائم کردہ ایسی بے شمار خانقاہوں اور مشائخ کا جال ہندوستان کے چپہ چپہ پر پھیلا ہوا تھا۔ ان خانقاہوں کو قائم کرنے والے اولین مشائخ اگر چہ تقیہ بردار شیعہ ہی تھے جنہوں نے سادہ لوح سنی عوام کو لبھانے کے لئے خود کو اہل سنت والجماعت اور حنفی مشہور کر رکھا تھا۔ وہ نمازیں اور دیگر مراسم عبودیت بھی اہل سنت کی طرح انجام دیتے تھے۔ اور ان عبادات سے متعلق مسائل اور فقہی نکات بھی وہ عموماً فقہ حنفی کے مطابق ہی بتاتے تھے تاکہ عوام الناس میں ان کی نام نہاد ''سنیت'' کا بھرم قائم رہے۔ ان شیعہ مشائخ کے فوت ہونے کے بعد ان کی اولاد اور آئندہ نسل کو جب سجادہ نشینی حاصل ہوئی تو اس نئی نسل نے بچپن سے شعوری طور پر آنکھیں کھول کر اپنے گرد جو ماحول دیکھا تھا وہ تقیہ کے نتیجہ میں بظاہر ''سنی العقیدہ'' ماحول ہی تھا۔ چنانچہ ان کی پرورش اس ظاہر فریب سنی ماحول میں ہوئی تھی اس لئے ان کے ذہن میں تقیہ کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا اور وہ خود بھی اپنے آپکو دیگر اہل سنت والجماعت کی طرح ''سنی حنفی'' ہی سمجھتے تھے۔ اور اہل سنت والجماعت کے طریق عبادت پر عمل پیرا تھے مگر ما وجدنا علیه آبائنا کے مطابق ورثہ میں ملے ہوئے در پردہ شیعی افکار ومعتقدات جو انکے نزدیک ''سنیت کی پہچان'' اور ان پر عشقِ رسول اور عقیدتِ اولیاء کا دبیز اور خوشنما غلاف پڑا ہونے کی وجہ سے ان کا ''جزو ایمان'' بن چکے تھے، ان سے دامن چھڑانا ان کے اور ان کی اولاد کے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اس طرح یہ شیعی نظریات نسل در نسل ان میں اور ان کے ذریعہ ان کے مریدوں اور منتسبین میں متواتر

{۱} ''انکشاف حق'' مولانا خلیل احمد برکاتی، ص ۸۱ (مطبوعہ ممبئی)

چلے آ رہے ہیں۔ جنہوں نے امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ایک مسلمہ حقیقت اور قطعی عقیدہ کی شکل اختیار کرلی ہے اور ان کا شعور کسی صورت میں بھی لاشعور کی اس بدنما گرہ کو کھولنے پر آمادہ نہیں ہو پاتا۔ الّا یہ کہ وہ ارحم الراحمین ہی ان میں سے کسی کو راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

موجودہ دور میں ''بریلویت'' بھی درحقیقت اسی طرح کی ظاہر فریب شیعی خانقاہ سے وابستہ گم کردہ راہ مسلمانوں کا ایک گروہ ہے۔ جس کے بانی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی شیعیت اگرچہ اظہر من الشمس تھی۔ اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انہوں نے زندگی بھر شیعہ کاز کے لئے انتھک محنت اور جدوجہد کی تھی۔ مگر بدقسمتی سے چونکہ ان کا سلسلہ نسب ان کے بیٹوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اور بریلویت کے سارے سرمایہ فکر کے وارث و مالک خاں صاحب بریلوی کے چھوٹے صاحبزادے مصطفیٰ رضا خاں کے نواسے، ریحان رضا خاں، اختر رضا خاں وغیرہ ہوئے جو ان کے معتقد سنی خلفاء اور مریدوں میں سے ایک ''جیلانی میاں'' کی صلب سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے شیعیت اور تقیہ بازی کی گرم بازاری احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے صاحبزادوں پر ہی ختم ہوگئی تھی۔ اب جو ان کے بیٹے مصطفیٰ رضا خاں کے داماد ''جیلانی میاں'' تھے وہی اس سسرالی ورثہ کے امین اور مالک ومختار قرار پائے۔ انہوں نے جب ''خانقاہ رضویہ'' کی وراثت سنبھالی تو بریلویت کا پودا نشو ونما پاکر اس وقت ایک تناور درخت بن چکا تھا اور کثرت سے پھول وپھل دینے لگا تھا۔ ''عرس رضوی'' کے موقع پر خاں صاحب بریلوی کے مریدوں کی بے پناہ داد ودہش اور چڑھاوے کے انبار نیز سجادہ نشینوں کو گھر بیٹھے بے تحاشا ہدیے اور نذرانے ملنے کا منظر دیکھ کر ان کی باچھیں کھل اٹھیں اور پھر انہوں نے آمدنی کے ان بیش قیمت ذرائع میں مزید اضافہ کرنے، اور انہیں مستقل ذریعہ آمدنی بنانے کی جدوجہد کو اپنا مطمحِ نظر اور نصب العین بنالیا ــــ!

اس مقصد کے لئے ایک طرف تو انہوں نے مریدانِ باصفا کے نشہ عقیدت کو اور گہرا کرنے کیلئے خاں صاحب بریلوی کی شخصیت کو بڑھا چڑھا کر آسمان سے ملانے کی کوششیں

شروع کردیں۔ انہیں ولی کامل، مجدد مأتہ حاضرہ، وارث مصطفیٰؐ، عاشق رسولؐ اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جانے لگا۔ خاں صاحب بریلوی کے نعتیہ اشعار کی مدد سے انہیں عشقِ رسولؐ میں سرشار بتاکر عوام کے سامنے پیش کیا گیا۔ دوسری طرف اپنے مخالفین دیوبندیوں اور غیر مقلدین کے خلاف محاذ آرائی تیز سے تیز تر کردی گئی اور خاں صاحب بریلوی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے خود ساختہ بے بنیاد الزاماتِ کفر کی جاہل عوام کے سامنے بار بار تکرار اور علماء دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ ان کی جدوجہد میں سرفہرست رکھا گیا۔ تیسرا محاذ ان علماء دیوبند کے پیروکاروں سے قطع تعلقات، سلام دعا اور شادی بیاہ سے پرہیز اور ان سے نفرت وعداوت کا اظہار اور سماجی بائیکاٹ کا قائم کیا گیا تاکہ ان کی آمدنی کا اہم ذریعہ عوام الناس ان لوگوں سے ربط وضبط اور میل ملاقات کے نتیجہ میں حقیقتِ حال سے واقف ہوکر بریلویت سے بددل نہ ہوجائیں ــــ!

احمد رضا خاں صاحب بریلوی چونکہ اہل تشیع کے آئمہ معصومین کی خصوصیات کو اہل سنت کے معروف اولیاء اللہ کے ساتھ وابستہ کرکے سادہ لوح عوام کے دلوں میں ان کی قدر ومنزلت بڑھانے اور ان کے لئے فداکاری اور جاں نثاری کے جذبات پیدا کرنے کا فریضہ انجام دے چکے تھے اس لئے عوام الناس کو بھڑکانے کے لئے کم علم اور جاہل عوام میں یہ پروپیگنڈہ شدت سے کیا جانے لگا کہ وہابی دیوبندی ان اولیاء اللہ کو نہیں مانتے اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ اور یہ کہ (نعوذ باللہ) یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں وغیرہ وغیرہ اس طرح سادہ لوح اور جاہل عوام کے دلوں میں نام نہاد ''دشمنانِ رسولؐ'' اور اولیاء اللہ کے مخالفین کے لئے نفرت وعداوت کے جذبات پیدا ہونے لازمی تھے۔ چنانچہ اس قسم کے دجل وفریب اور اوچھے ہتھکنڈوں کے ذریعہ یہ ''شیعہ لابی'' بریلویت کے فروغ کے لئے سرگرم عمل ہوگئی اور عوام الناس کو بے وقوف بناکر مختلف بہانوں سے اپنی تجوریاں اور تن توش کو بڑھانے کی ایک مستقل ''انڈسٹری'' قائم کردی گئی ــــ!

ان لوگوں کی آمدنی کے مختلف ذرائع میں سے سب سے اہم اور منافع بخش ''عرس انڈسٹری'' ہے جس کو انہوں نے عقیدت اولیاء کے بہانے بامِ عروج پر پہونچادیا

ہے۔اور بزرگانِ دین کے اعراس اب پہلے کی بہ نسبت نہایت زور وشور اور دھوم دھام کے ساتھ منائے جانے لگے ہیں۔اس کے علاوہ نذر و نیاز، فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی گیارہویں کی نفع بخش ''صنعتوں'' کو بھی بڑھاوا دیا گیا اور اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن مجید کی تفسیر کو تختہ مشق بنانے سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ اس طرح ایک طرف تو ان کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور دوسری طرف اولیاء اللہ کے لئے عوامی جذبۂ عقیدت کو مہمیز کر کے انہیں نام نہاد ''مسلکِ اعلیٰ حضرت'' سے بدکنے سے محفوظ کرنے کا مقصد بھی پورا ہو گیا ۔۔۔!

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی تو شیعیت کے فروغ کی حسرت و آرزو دل میں لئے اور اس کے واسطے بالواسطہ طور پر جدوجہد کرتے کرتے اپنی قبر میں جا سوئے مگر ان کے جانشینوں نے ان کی پچاس سالہ محنت اور سعی و کاوش کو بہت جلد ''کیش'' کرا لیا اور ان کی بنائی ہوئی وسیع جائداد، خانقاہِ رضویہ، مدرسہ منظر اسلام وغیرہ کے علاوہ وراثت میں ملے سجادہ مشیخیت کی غیر معمولی آمدنی کے سہارے عیش و عشرت کے مزے لوٹنے میں مشغول ہو گئے ۔۔۔!

ہم اپنی کتاب ''بریلویت۔طلسم فریب یا حقیقت؟'' میں ''بریلوی فکر کے اجزاء ترکیبی'' کے عنوان کے تحت اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ''بریلویت'' اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے کوئی مخصوص دینی مسلک، باقاعدہ مکتب فکر یا ٹھوس نظریاتی گروہ نہیں ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت کی نصوص اور علمی دلائل پر رکھی گئی ہو۔اصلیت میں یہ محض ایک ''پیٹ کا فلسفہ'' ہے اور ایسا مفسدہ یا فکری الحاد اور زندقہ ہے جس کی بے ہنگم عمارت کے در و بام کی تعمیر اگرچہ شیعی نقشے کے مطابق کی گئی ہے مگر اس کی تزئین و آرائش میں سنی عقائد کو بھی شامل کیا گیا ہے۔وغیرہ وغیرہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ ان کی سرشت اور نام نہاد دینی سرگرمیوں کا قریب سے جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بریلویت کے علمبرداروں کا بنیادی مقصد اور ان کا اوڑھنا بچھونا دولت اور صرف حصول دولت ہے ۔۔۔!

کے عوام اگر اپنے مولویوں کو تقریر کرنے کے لئے بلاتے ہیں تو یہ زر پرست لوگ پہلے

سے باقاعدہ طور پر ایک ایک تقریر کا معاوضہ پانچ یا دس ہزار روپے طے کرنے کے بعد ہی اسٹیج پر قدم رکھنے کے لئے راضی ہوتے ہیں۔رمضان المبارک میں جب ان کے حفاظ تراویح میں قرآن سناتے ہیں تو اس کا معاوضہ ہزاروں روپے پہلے سے طے کر لیتے ہیں۔ دور دراز کے شہروں میں معاوضہ پر قرآن سنانے کے لئے رمضان سے چند روز قبل ان کے حفاظ کے قافلے کے قافلے بمبئی، مدراس، بنگلور وغیرہ کا رخ کرتے دکھائی دیں گے جہاں وہ رمضان المبارک کے مہینے میں کئی جگہ پر بھاری معاوضہ طے کر کے باری باری قرآن سناتے اور دونوں ہاتھوں سے روپے بٹورتے ہیں۔بریلویت کے ٹھیکیداروں کی حرص زر اور چندہ کے نام پر لوٹ و کھسوٹ کا یہ عالم ہے کہ فرضی طور پر دینی مدارس کے نام کی رسیدیں چھپوا کر یہ لوگوں سے زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی وغیرہ وصول کرتے ہیں اور پھر وہ سب ان کے لئے مالِ غنیمت بن جاتا ہے۔ان کے زر پرست اور نام نہاد ''عالمِ دین'' ظرف و دیانت کا ایسا نادر نمونہ ہیں کہ مسجد کی تعمیر میں لگانے کا نام لے کر وہ مکرانہ راجستھان سے سنگ مرمر سے بھرا ٹرک چندہ میں منگواتے ہیں اور پھر وہ ان کے عالیشان ذاتی گھر کے فرش کی زینت بن جاتا ہے......! بریلوی معاشرے میں چندہ کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ ایک سفید پوش انسان کو اپنا بھرم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔عرس کا چندہ مدرسوں کا چندہ، بارہ ربیع الاول کے جشن کا چندہ، گیارہویں کا چندہ، محرم کا چندہ، سبیل اور تعزیہ کا چندہ یہ سب تو گویا ان لوگوں کے نزدیک لازمی اور بدیہی چیز ٹھہرے۔ان کے علاوہ روزانہ کہیں نہ کہیں میلاد ہونا لازمی ہے اس کا چندہ، ہر ماہ یوم رضا کا جگہ بہ جگہ انعقاد ہوتا ہے اس کا چندہ، وہابیوں کے خلاف تقریباً روزانہ کہیں نہ کہیں جلسہ ہوتا ہے اس کا چندہ۔زندگی کا چندہ، موت کا چندہ، غرض بے چارے بریلوی عوام سرکاری ٹیکسوں کی بھرمار سے اتنے پریشان نہیں ہیں جس قدر کہ اس خون آشام چندہ کی لوٹ مار سے عاجز آ چکے ہیں ۔۔۔! اور بدلے میں انہیں حاصل کیا ہوا ہے ۔۔۔؟ صرف مسلکِ اعلیٰ حضرت زندہ باد کے کھوکھلے نعرے اور غوثؓ، خواجہؒ، رضاؒ کی ذہنی عقیدت کا کاغذی گلدستہ اور بس! جبکہ یہ بریلویت کے ٹھیکیدار نام نہاد علماء بریلوی عوام کی خون و پسینہ کی کمائی سے اپنے لئے جگہ جگہ عالیشان

عشرت کدے تعمیر کر رہے ہیں، کارخانے لگا رہے ہیں، جائدادیں بڑھانے میں مشغول ہیں۔ دوسری طرف ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور مسلک اعلیٰ حضرت کے زندہ باد کے نعرے لگانے والے بے چارے سادہ لوح بریلوی عوام بریلویت کے حصار میں قید ہونے کے بعد ذہنی طور پر تمام عالمِ اسلام سے کٹ چکے ہیں۔ عالمی تناظر میں انکی شبیہ (Image) مسلمانوں کے درمیان ایک گمراہ اور تنگ نظر گروہ سے زیادہ نہیں، جو غلط طور پر اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اسکے علاوہ دنیا بھر میں موجود ایک سو کروڑ یا ایک ارب مسلمان کافر و مرتد ہیں کیونکہ وہ سب حج کے موقع پر حرمین شریفین کے ''نجدی العقیدہ'' اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور انہیں مسلمان سمجھتے ہیں ---! سرچشمۂ اسلام (Main Stream) سے کٹ جانے کے بعد بریلوی حضرات ''ہم چنیں دیگرے نیست'' کے کھوکھلے نعروں اور ''محافظ اسلام'' اور ''اسلام کے علم بردار'' ہونے کے بلند بانگ دعووں کے باوجود اسلامی دنیا میں قطعی طور پر حقیر اور بے وزن دکھائی دیتے ہیں۔ موجودہ دور میں امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور ان کو پیش آمدہ مسائل پر دنیا کے کسی بھی حصے میں ہونے والی مشترکہ عالمی اسلامی کانفرنسوں، موتمر عالمِ اسلامی جیسی مسلم تنظیموں اور دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کے مفاد کے حصول کیلئے منعقد ہونے والے ملی اجتماعات اور دینی پروگراموں میں ان بے چارے بریلویوں کو، کوئی گھاس بھی نہیں ڈالتا ---! اسلام کو بریلویت کے حصار میں قید کر لینے کا باطل دعویٰ خود ہی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ یہ لوگ عالمِ اسلام سے بالکل الگ تھلگ ایک ''گم کردہ راہ'' فرقہ اور تنگ نظر گروہ ہے جس کی محدود سوچ کا محور اور منتہیٰ اسلام اور عالمِ اسلام کا مفاد نہیں بلکہ صرف اپنی ذاتی منفعت اور اپنا پیٹ ہے اور بس ---!

بریلویت کے سحر میں گرفتار اور احمد رضا خاں صاحب کی شخصیت سے بری طرح متاثر و مسحور ان تمام ''مسلمانوں'' کی ذہنی بے راہ روی اور عقل و شعور سے محرومی پر انتہائی دکھ اور افسوس ہوتا ہے جن کی دینی جذبات کا خاں صاحب بریلوی نے نہ صرف یہ کہ نہایت بے دردی سے استحصال (EXploitation) کیا ہے بلکہ کمال ہوشیاری اور چابکدستی سے انہیں مسلمانوں کی ''عالمی برادری'' سے کاٹ کر بالکل علیحدہ اور بے یار

ومددگار بنا کر چھوڑ دیا ہے ---! خاں صاحب بریلوی کی سحر کاری کا یہ کمال نہیں تو پھر اور کیا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان جو بحیثیت مجموعی اسلام کے رشتہ اخوت میں پروئے ہوئے ایک ''امت'' اور ''الجماعت'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے سارے روابط اور اسلامی اخوت کے رشتے منقطع کر لینے کے باوجود، ان کے متعبین بریلوی حضرات اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ صرف وہی اکیلے ''اہل سنت'' بھی ہیں اور ''الجماعت'' بھی ---! حالانکہ جس طرح ساری ملتِ اسلامیہ کے طور طریقوں اور دینی طرزِ عمل کو --- جو قرآن وسنت کے مطابق ہو --- چھوڑ کر کوئی گروہ ''اہل سنت'' کہلانے کا حق دار نہیں رہتا، اسی طرح نہ تو کوئی فرد تنہا ''الجماعت'' ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مخصوص گروہ ساری دنیا کے مسلمانوں سے صرفِ نظر کر کے تنہا خود کو ''الجماعت'' کہنے کا دعویٰ میں سچا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بہت سے افراد کے مجموعے کو لغت کے اعتبار سے ''جماعت'' تو بلاشبہ کہا جاسکتا ہے مگر ''الجماعت'' نہیں۔ کیونکہ الجماعت نام ہے بحیثیت مجموعی تمام اُمتِ مسلمہ کا جو دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور مختلف فقہی مکاتب اور مذاہبِ فکر ہونے کے باوجود سب آپس میں کُلّ مومن اخوۃ کے باہمی رشتہ اخوت میں پروئے ہوئے ہیں۔ جس کا مظاہرہ اور نظارا ہر سال حج کے موقع پر حرم کعبہ میں امام حرم کے پیچھے نماز پڑھتے وقت دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان سے علیحدہ جو بھی لوگ ہیں وہ فی الحقیقت امتِ مسلمہ سے الگ اور ان سے ''خارج'' ایک گمراہ فرقہ ہیں جن کا ''الجماعت'' یعنی دنیا بھر کے مسلمانوں سے کوئی رشتہ، کوئی علاقہ اور کوئی تعلق نہیں ---!!

بریلوی حضرات کی سب سے بڑی نادانی اور کوتاہ فہمی یہ ہے کہ وہ دنیاوی اُمور کی طرح اسلامی عقائد و اعمال اور عبادات و احکام شریعت کو بھی اپنی عقل کی ترازو میں تولنے کے عادی ہو چکے ہیں چنانچہ وہ اپنے خود ساختہ یا خاں صاحب بریلوی کی پرفریب تعلیمات سے اخذ کردہ عقائد و اعمال بدعت کی ظاہر فریبی کو دیکھتے ہوئے ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و احکام پر توجہ دینے کے بجائے اپنی عقل کے فیصلے اور دل کی پسند پر عمل کرتے ہیں۔ خواہ وہ اذان کے بعد صلوٰۃ پکارنے کا عمل ہو یا فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد امام سے اور پھر آپس میں لازمی طور پر مصافحہ کرنے یا قبر

پر تدفینِ میت کے بعد اذان دینے کا مسئلہ۔ اسی طرح بدعت پسند حلقوں میں ایصال
ثواب کے لئے کھانا سامنے رکھ کر اس پر قرآن کی سورتیں پڑھ کر ثواب بخشنے کا لازمی
رواج۔! حالانکہ دین کے احکام اور عبادات کے اعمال عقل کے تابع نہیں بلکہ وحی الٰہی
یعنی قرآن وحدیث کی ہدایات پر منحصر ہیں۔ مثال کے طور پر نماز روزہ اور حج وغیرہ عبادتیں
مسلمان پر فرض ہونے کے باوجود ان کے اوقات اور طرزِ ادائیگی انسان کی مرضی پر نہیں
چھوڑ دی گئی ہے کہ نماز چونکہ اللہ کی حمد وثنا، تلاوتِ قرآن پاک، درود، تسبیحات اور دعاؤں
پر ہی تو مشتمل ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی یہ سوچنے لگے کہ اللہ کی حمد وثنا کرنا تو بڑا ثواب کا عمل
ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت بھی ہر حرف کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب رکھتی
ہے اور درود شریف، تسبیحات ودعائیں تو ہمیں ہر وقت پڑھتے رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔
لہٰذا کیوں نہ ان تمام چیزوں کا مجموعہ نماز کو بھی وقت کی تحدید کے بغیر کسی بھی وقت جب
ہمارا دل چاہے پڑھنا شروع کردیں۔! ظاہری بات ہے کہ ایسا سوچنا حماقت کی بات
ہوگی۔ کیونکہ نماز میں پڑھی جانے والی چیزیں اپنے طور پر علیحدہ علیحدہ بلاشبہ نیکی اور ثواب
کا باعث ہیں مگر نماز کی مخصوص ہیئت میں ان سب کا پڑھنا اسی وقت مفید اور باعثِ ثواب
ہوگا جبکہ اللہ کے حکم کے مطابق نماز کے مقررہ اوقات میں فرض نمازیں ادا کریں یا ان
اوقات میں ہی نوافل پڑھیں جب ان کا پڑھنا شریعت نے ممنوع قرار نہیں دیا ہے۔ جیسے
عین سورج کے طلوع یا غروب کے اوقات میں یا دوپہر کو نصف النہار کے وقت۔! ظاہر
ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کا ان ممنوع اوقات میں ادا کرنا ثواب کے بجائے سخت گناہ کا
باعث ہوگا......! لہٰذا اس مثال سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کر کے
خلافِ حکم اوقات یا جگہوں پر نماز، تلاوتِ قرآن، درود شریف پڑھنا اور تسبیح ودعائیں
پڑھنا سخت ممنوع اور باعثِ گناہ ہے۔ ممنوع جگہوں میں غسل خانہ، بیت الخلاء اور غلاظت
کے مقامات کا شمار ہوتا ہے اور حیض ونفاس کی حالت میں اور جماع وانزال واحتلام کی
حالتِ ناپاکی میں بھی یہ سب چیزیں پڑھنا ثواب کے بجائے گناہ کا کام بن جاتی ہیں۔۔۔!
آخر ایسا کیوں ہے۔؟ عقل کے اعتبار سے جو کام کرنا ثواب اور اچھی بات ہے اُسے تو

ہر صورت میں جائز اور قابلِ تعریف ہونا چاہئے۔۔۔؟؟
اب دوسری مثال روزہ اور حج کی لے لیجئے۔ بلاشبہ ہر عاقل وبالغ مسلمان پر نماز ہی
کی طرح روزہ رکھنا بھی فرض ہے۔ اور یہ فرض، سال کے بارہ مہینوں میں صرف ایک ماہ
رمضان میں مسلسل تیس روزے رکھ کر ادا کیا جاتا ہے۔ رمضان کا یہ مبارک مہینہ مختلف
موسموں میں مسلسل گردش کرتا رہتا ہے۔ اب اگر سخت گرمیوں کے موسم میں رمضان
المبارک آجائے اور کوئی عقل کا پتلا یہ سوچ کر کہ موسم کی شدید گرمی اور ۱۵، ۱۶ گھنٹوں کے
طویل دنوں میں روزہ رکھ کر مشقت اٹھانے کے بجائے ہم اپنی سہولت اور مرضی سے
جاڑوں کے چھوٹے چھوٹے دنوں میں ایک ماہ روزے رکھ کر فرض پورا کردیں گے۔ تو
آپ اسے کیا کہیں گے۔۔۔؟ کیا اس کی یہ سوچ اور اس کے مطابق اس کا عمل قابلِ قبول
ہوگا یا اس کی ہر طرف سے مذمت کی جائے گی۔۔۔؟ حالانکہ وہ اپنی دانست میں تو ایک ماہ
کے فرض روزوں کا ''کوٹہ'' پورا کر رہا ہے۔ مگر اس کے اس فعل پر ہر شخص نفرین کرے
گا۔ کیوں۔۔۔؟ اسی لئے نا، کہ وہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے بجائے اپنی عقل اور مرضی پر
چل رہا ہے۔ اسی طرح ایک شخص نفلی روزوں کا اہتمام کرنے کا عادی ہے اور وہ دیگر عام
دنوں کی طرح عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایامِ تشریق کے تین دنوں میں بھی روزہ رکھنے پر بضد
ہو تو آپ کے نزدیک اس کا یہ فعل باعثِ حصولِ ثواب ہوگا یا ان ممنوع دنوں میں روزہ
رکھنے پر اسے گناہ ہوگا۔۔۔؟ ظاہر ہے کہ وہ شخص ان ممنوع دنوں میں روزہ رکھ کر گناہ ہی
کمائے گا ثواب نہیں۔۔۔!!
حج کی مثال لے لیجئے۔ شریعت کے حکم کے مطابق حج نام ہے ۹؍ذی الحجہ کے دن
عرفات کے میدان میں حاضر رہنے کا۔ اب اگر کوئی شخص ۹؍ذی الحجہ سے پہلے یا اس کے
بعد سال میں کسی بھی دن صبح سے شام تک عرفات کے میدان میں گذارے تو کیا اس کا حج
ہوجائے گا۔۔۔؟ ظاہر ہے کہ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے
احکام بجالانے کے بجائے خود اپنی مرضی سے حج کی یہ عبادت کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔!
ٹھیک یہی کیفیت دیگر احکامِ عبودیت کی بھی ہے۔ عبادت نام ہے اللہ کی اطاعت کا۔ نماز،

روزہ، حج، زکوٰۃ یا رکوع وسجدہ وغیرہ جو اللہ کی عبادت کے مظاہر ہیں، ان کا مقصود اظہار اطاعت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ کی عبادت یا اطاعت بھی انسان کی اپنی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی سے مسلک ہے۔ وَ مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ یعنی جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرے گا تو بلاشبہ وہی اللہ کی اطاعت کرنے والا شمار ہوگا۔ اس آیتِ قرآنی کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا حکم دیں اس کی تعمیل کرنا ہی اطاعت اور عبادت ہے ورنہ نہیں! یہی بات اس حدیثِ نبویؐ میں کہی گئی ہے :

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ۔ (بخاری ومسلم)

جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے لئے ہمارا حکم موجود نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہوگا......!

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دین کے معاملات میں اپنی عقل اور مرضی چلانے والے کو احادیث میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خارج، بدعتی اور کلاب اہل النار یعنی اہل جہنم کے کتوں سے تعبیر کیا گیا ہے ـــ!

جہاں تک عبادت اور طریقہ عبادت کے تعین کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی عقل اور مرضی کے مطابق اہل ہنود اور دیگر کافر و مشرک بھی کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ رسالت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے ان کی عبادت اپنی عقل اور مرضی کے مطابق خود ساختہ طریقوں سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کی یہ خودسری اور من مانی اللہ کے نزدیک بغاوت شمار کی گئی ہے۔ اگر اہل ہنود اور دیگر کافر و مشرکین کی اپنی مرضی سے اور خود ساختہ عبادت کوئی معنیٰ رکھتی تو ان کافر اور مشرکوں کا شمار اللہ کے باغیوں میں نہ ہوتا بلکہ وہ بھی مطیع اور فرمانبرداروں میں گنے جاتے' اور وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن نہ بنتے ـــ! لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ کے رسولؐ پر ایمان کے ساتھ ساتھ بلا چون وچرا آپؐ کے احکام اور بتائے ہوئے طریقہ پر چلنا ہی اللہ کے نزدیک کسی عبادت کی قبولیت کے لئے بدیہی اور لازمی چیز ہیں ـــ!

خلافِ پیمبرؐ کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید!

اسلام کے لغوی معنیٰ ہی بہر صورت ''گردن بہ اطاعت نہادن'' ہوتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کے احکام وقوانین سے انحراف اور من مانی کی روش انسان کو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت گذار اور فرماں برداروں کے بجائے دین کے باغیوں کی صف میں پہنچا دیتی ہے۔ اور جس طرح دنیاوی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے حکومت کے نزدیک باغی، قانون شکن اور قابلِ گردن زدنی مجرم ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح اللہ اور اسکے رسولؐ کے احکام وقوانین میں کمی بیشی اور من مانی کرنے والے ''مسلمان'' مستوجب سزا اور عذاب الٰہی کے مستحق کیوں نہ ہوں گے ـــ؟ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے احکام وقوانین میں رتی برابر اضافہ اور ان میں اپنی من مانی کرنے کو احادیثِ نبویؐ میں بدعت اور گمراہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی سزا آخرت میں نارِ جہنم تجویز کی گئی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے :

ان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار. (صحیح مسلم، نسائی)

سب سے عمدہ بات اللہ کی کتاب (یعنی قرآن مجید) کی ہے اور تمام راستوں میں بہترین راستہ محمد ﷺ کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ اور بدترین باتیں دین میں نئی ایجاد ہے اور دین میں ہر خود ساختہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی چیز ہے......!

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والا دوسرا کون ہو سکتا ہے ـــ؟ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے کہا۔ الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ۔ یہ سن کر آپ نے اس شخص کو زور سے ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ کیا کہتے ہو ـــ؟ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھینک آنے پر صرف الحمد للہ کہنے کا حکم دیا ہے ـــ! سوچنے کی بات ہے کہ عقلی اعتبار سے اس شخص نے کوئی غلط بات نہیں کہی تھی، بلکہ درود شریف کی غیر معمولی اہمیت اور حصولِ ثواب کے مقصد سے اس نے درود وسلام کا یہ جملہ الحمد للہ کے ساتھ ملا دیا تھا۔ مگر جناب عبد اللہ بن عمرؓ صحابیٔ رسولؐ نے اس کو دین کے معاملہ میں اضافہ اور من مانی سے تعبیر کرتے ہوئے اسے ڈانٹ دیا اور

صرف وہی الفاظ پڑھنے کی ہدایت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھینک آنے کے موقع پر ثابت تھے۔تو کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی نعوذ باللہ ''وہابی'' اور دشمنِ رسولؐ تھے جو انہوں نے اس شخص کو ایسے موقع پر درود وسلام پڑھنے سے روک دیا تھا۔۔۔؟؟

عام طور پر زعماء اہل بدعت اپنے موقف کی تائید میں بطورِ دلیل شریعت کی اصطلاح ''استحسان'' اور مصالح مرسلہ کو پیش کرتے ہیں۔ بلاشبہ استحسان اور مصالح مرسلہ کو اہل علم کا ایک گروہ تسلیم کرتا ہے۔مگر ان کو بدعت سازی کے لئے مشروعیت کی دلیل بنانا ایک لچر اور بے معنیٰ بات ہے۔امام شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں بدعت اور استحسان و مصالح مرسلہ کے درمیان فرق کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔سطورِ ذیل میں ہم ان کا خلاصہ تحریر کررہے ہیں۔

استحسان

اس سے مراد وہ فعل ہے جسے مجتہد اپنی رائے یا قیاس کی بنا پر مستحسن اور اچھا سمجھتا ہو اور اس کی طرف مائل ہو۔۔۔! اہل علم کے نزدیک استحسان ان چیزوں کی جنس سے ہے جن کو عادت کے طور پر اچھا سمجھا جاتا ہے اور جن کی طرف طبائع کا میلان ہوا کرتا ہے۔لہٰذا ان کے مقتضیٰ کے مطابق ان پر حکم لگانا جائز ہے بشرطیکہ شریعت میں ایسی کوئی بات نہ پائی جاتی ہو جو اس کلام کے منافی ہو۔۔۔!

مصالح مرسلہ

اس سے مراد وہ امور یا چیزیں ہیں جن کی رعایت خلق خداوندی کو فائدہ پہونچانے یا نقصان سے بچانے کی غرض سے اس طرح کی گئی ہو کہ اگر انہیں عقل کے سامنے پیش کیا جائے تو عقل ان کو قبول کرلے اور ان کے ذریعہ شرعی اصول وہدایات کی نفی نہ ہوتی ہو۔۔۔!

واضح رہے کہ مصالح مرسلہ کا حاصل اور مقصد یہ ہے کہ امر ضروری یعنی دین کی حفاظت کی جائے اور دین میں لازم ہونے والے حرج کو رفع کیا جائے۔امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ مصالحِ مرسلہ یا تو باب وسائل میں سے ضروری چیز کی حفاظت سے تعلق

رکھتے ہیں یا پھر تخفیف سے متعلق ہیں۔لہٰذا مصالح مرسلہ کی بنیاد پر بدعات کی ایجادات ناممکن ہیں۔۔۔!

استحسان اور مصالح مرسلہ کی اس تعریف کے بعد آیئے اب ہم ان کے حسن وقبح پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے چلیں۔

خیر القرون کے حالات پر جب ہم نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے غیر منصوص واقعات کے معاملہ میں اپنی سمجھ کے مطابق ثابت شدہ امور سے استنباط کرنے اور ان کی طرف رجوع کرنے میں اپنی توجہ مرکوز رکھی اور ان صحابہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں نے اس معاملہ میں اپنی طبیعت کے میلان کے مطابق فتویٰ دیا ہے یا یہ چیز میری چاہت اور اشتیاق کے موافق ہے۔اگر ان میں سے کوئی ایسی بات کہتا تو بلاشبہ دیگر صحابہ کرامؓ اس پر سخت اعتراض اور نکیر فرماتے اور ان صحابی سے کہا جاتا کہ بھلا تمہارے لئے یہ کہاں سے جائز ہوگیا کہ اللہ کے بندوں کے اوپر محض اپنی طبیعت کے میلان اور قلب کے رجحان کے مطابق احکام صادر کرو۔بلکہ صحابہ کرام اس قسم کے غیر منصوص مسائل پر باہم افہام وتفہیم اور بحث ومباحثہ کرتے تھے اور ایک دوسرے کے مآخذ پر تنقید وتبصرہ کرنے کے عادی تھے۔اس کے علاوہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ باہم اختلاف رائے کے باوجود شریعت کے اصول وضوابط اور قرآن وسنت کو حکم مانتے تھے۔اگر شرعی احکام کا تعلق صرف استحسان سے ہوتا تو صحابہ کرام کے باہمی مناظرہ کرنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔۔۔!

جو لوگ استحسان کو اپنی بدعت سازی کے لئے سہارا یا وسیلہ بناتے ہیں وہ اس بات کو فراموش کردیتے ہیں کہ اصولی طور پر ''استحسان'' بغیر کسی مستحسن یعنی استحسان کرنے والے کے نہیں پایا جاتا اور یہ مستحسن خواہ عقل ہو یا شریعت۔جہاں تک شریعت کی بات ہے تو وہ ہر چیز کو مستحسن (اچھی، درست، جائز) یا قبیح (بری، غلط، ناجائز) قرار دے کر فارغ ہوچکی ہے کیونکہ دین مکمل ہوچکا ہے۔لہٰذا جو چیز شریعت کی رو سے درست اور جائز قرار پائے، اس پر استحسان کا لیبل چپکانا محض بیکار ہے۔کیونکہ وہ چیز تو دراصل شریعت کے احکام میں داخل

ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ احکام طبائع، خواہشات اور میلانات کے تابع نہیں ہوتے—!

اگر استحسان کی بنیاد عقل کو مانا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کی عقلی دلیل کو بنیاد پر کسی چیز کو مستحسن قرار دیتی ہے تو اس کو استحسان کا نام دینا بے فائدہ ہے کیونکہ اس کا تعلق تو دلیلوں سے ہے۔ طبعی میلان یا کسی دوسری چیز سے نہیں—! اور اگر عقل بلا کسی دلیل کے کسی چیز کو مستحسن یعنی اچھا اور ''ثواب کا کام'' قرار دیتی ہے تو یہی چیز ''بدعت'' ہے، جسے غلطی سے ''مستحسن'' سمجھ لیا گیا ہے—!

قائلین استحسان اپنے موقف کی حمایت میں عموماً جو دلیلیں پیش کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) سورہ الزمر میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات:

وَ اتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ. (الزمر: ۵۵) — اتباع کرو تم اس میں سے احسن چیز کی جو تمہارے رب نے نازل کی ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ. — میرے بندوں کو بشارت سنا دیجئے جو بات کو سنتے ہیں اور احسن ترین بات کی پیروی کرتے ہیں۔ (الزمر: ۱۹۵)

(۲) حدیث میں مروی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول کہ:

"ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن. — جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے......!

قائلینِ استحسان مذکورہ بالا سورہ الزمر کی دونوں آیات میں مذکور ''حَسَن'' سے مراد وہ چیزیں لیتے ہیں جن کو ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی ہیں۔ اسی طرح ارشادِ صحابیٔ رسول کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہی ہے کہ عوام الناس جن چیزوں کو اپنی عقلوں اور قیاس سے اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہی سمجھی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ یہ مشہور شعر اسی برخود غلط ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے کہ ؎

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو — برا کہے جسے دنیا اسے برا سمجھو

واضح رہے کہ قائلینِ استحسان کی پہلی دلیل کا کوئی تعلق مسئلہ استحسان سے نہیں ہے۔

کیونکہ ''اتباعِ احسن'' کا مطلب دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ قرآن مجید خود ہی ہے کچھ اور نہیں۔ ثبوت کے لئے یہی سورہ الزمر ملاحظہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا. (الزمر: ۲۳) — اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (یعنی قرآن) میں ''احسن الحدیث'' کو آیاتِ متشابہات کی صورت میں نازل فرمایا ہے......!

''احسن الحدیث'' سے مراد قرآن مجید ہی ہے اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے خطبوں میں ارشاد فرماتے تھے۔

اما بعد: فَاِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ. — بے شک احسن الحدیث اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے۔

قرآن اور حدیث کی اس وضاحت کے بعد کیا قائلین استحسان کوئی ایسی دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ طبیعت کے میلانات اور نفوس کے رجحانات درحقیقت اللہ کی جانب سے ہماری طرف ''نازل شدہ'' چیزیں اور احکام ہیں—؟ یا وہ اس بات کا دعویٰ کرنے کی جرأت کریں گے کہ یہ طبعی میلانات، خواہشات اور نفسانی رجحانات ہی ''احسن الحدیث'' ہیں—؟ جبکہ ان کے اس باطل دعوے کی تردید قرآن وحدیث سے واضح الفاظ میں ہوتی ہے—! اسی طرح قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ. — جو لوگ بات سن کر احسن ترین قول کا اتباع کرتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات غور طلب ہے کہ ''میلانِ نفوس'' کو قول کہا جا سکتا ہے یا نہیں—؟ پھر اس بات پر بھی غور کرنا ہوگا کہ ''میلانِ نفوس'' احسن الحدیث ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ دونوں باتوں کا جواب نفی میں ہوگا—!

قائلین استحسان کی دوسری دلیل جو حدیث ابنِ مسعودؓ پر مشتمل ہے۔ اس کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ حدیث ''موقوف'' ہے اور کئی وجوہ سے حجت نہیں ہے۔

(۱) فن حدیث کے مطابق ''موقوف'' وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی روایت کی نسبت صحابہؓ کی طرف ہو یعنی وہ ان کا اپنا قول یا فعل ہو، رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہ ہو ——!

(۲) یہ حدیث ''خبر واحد'' ہے جو ایک قطعی مسئلہ کے سلسلے میں بطورِ حجت پیش کی گئی ہے۔ اور کسی قطعی مسئلہ میں خبر واحد مسموع نہیں ہوتی ——! {۱}

(۳) اس حدیث کا مضمون ظاہر طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز بہر حال اچھی ہے کیونکہ امت مسلمہ کسی باطل چیز پر متفق نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا کسی چیز کی اچھائی یا برائی پر امتِ مسلمہ کا اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ شرعاً بھی وہ چیز اچھی ہے کیونکہ ''اجماعِ امت'' شرعی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ حدیث قائلینِ استحسان کے خلاف جاتی ہے۔ ان کی تائید میں نہیں ——!

(۴) اگر اس حدیث سے مراد تمام مسلمان نہیں بلکہ بعض مسلمان ہیں تو اس سے عوام الناس کے استحسان یعنی خواہشات اور میلانات کا حجت ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالاجماع باطل ہے —— ! لہٰذا معلوم ہوا کہ استحسان حجت شرعی نہیں ہے اور نہ ہی اس پر انحصار کرتے ہوئے اعمال کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہ دین میں من مانی اور ''بدعت'' کی طرف لے جانے والی شاہراہ ہے ——!

اب آیئے مصالح مرسلہ کی طرف ——

گمراہ لوگ جو بھی بدعت ایجاد کرتے ہیں، اس کے بارے میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیز عوام کے مفاد اور مصلحت کے مطابق ہے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ اسے فساد والی چیز سمجھتے تو ایجاد نہ کرتے۔ اس لئے کہ فساد والی چیز کی طرف نہ تو عقل دعوت دیتی ہے اور نہ دین۔ حقیقت یہ ہے کہ دین میں بدعت سازی کے کام کو مصالحِ مرسلہ سے تشبیہ دینا بالکل غلط اور

{۱} واضح رہے کہ ''خبر واحد'' یا ''آحاد'' سے مراد فنی اعتبار سے ایسی حدیث ہوتی ہے جسکے راوی تعداد میں تواتر کے درجے کو نہ پہونچے ہوں۔ محدثین کے نزدیک خبر واحد یا ''آحاد'' کی تین قسمیں ہیں :——

(الف) مشہور:۔ صحابہؓ کے بعد جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہوں۔

(ب) عزیز:۔ جس کے راوی ہر طبقہ میں دو سے کم نہ ہوں۔

(ج) غریب:۔ جس کا راوی کسی طبقہ میں ایک ہی رہ گیا ہو۔ (ا ع س)

بے محل بات ہے کیونکہ عبادات کا دارومدار شریعت کی تعلیم پر ہے اس کے علاوہ عبادات میں پائی جانے والی وہ تمام تفصیلی علتیں مخفی رہتی ہیں اور معلوم نہیں ہو پاتیں جو قیاس کے لئے شرط کا درجہ رکھتی ہیں مصالحِ مرسلہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں پائی جانے والی بات یا اس کی علت عام طور پر عقلی طریقے پر سمجھ میں آجائے اور انسانی عقل اسے قبول کر لے۔ اس کے برخلاف عبادات سے متعلق امور عام طور پر معنوی اعتبار سے عقلی کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں مصالح مرسلہ کا کوئی دخل یا اثر نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر وضو، نماز، روزہ کہ ایک مخصوص وقت میں تو یہ چیزیں ضروری ہیں مگر دیگر اوقات میں نہیں۔ اسی طرح بدن سے خارج ہونے والی مختلف قسم کی نجاستیں جیسے پیشاب، پاخانہ، خون حیض، منی وغیرہ مختلف النوع ہونے کے باوجود ان کی طہارت کسی نہ کسی تعبدی چیز کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ جسم سے خارج ہونے والے پیشاب و پاخانہ نجس ہیں۔ ان کے نکلنے سے نہ صرف پیشاب و پاخانہ خارج ہونے کے مقامات کو دھونا اور پاک کرنا ضروری ہوگا بلکہ اعضاء وضو کو بھی پاک کرنا واجب ہوتا ہے مگر ان نجاستوں کے کثیر مقدار میں اخراج کے باوجود باقی جسم کا غسل کے ذریعہ پاک کرنا ضروری اور واجب نہیں ہوتا لیکن اس کے برعکس اگر منی کی ذراسی بھی مقدار شہوت کے ساتھ باہر نکل آئے یا خون حیض بدن سے نکلے تو مقدار نجاست کی قلت و کثرت سے قطع نظر صرف مقام نجاست کے دھو لینے اور وضو کر لینے سے پاکی حاصل نہیں ہوتی بلکہ پورے جسم کا دھونا اور اچھی طرح غسل کرنا لازم ہوتا ہے۔! اسی ضمن میں مٹی کی مثال بھی دی جا سکتی ہے جس میں آلودگی کا وصف پایا جاتا ہے مگر پھر بھی وہ طہارت اور نظافت فراہم کرنے میں پانی کی قائم مقامی اور نیابت کرتی ہے ——! ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تعبدی امور کے تفصیلی معنی و مطلب سمجھ میں نہیں آتے اور نہ یہ امور عقل کے دائرے میں آنے والی چیز ہیں۔ سمع و طاعت ہی ان اعمال کی بنیاد ہوتی ہے ——!! {۱}

{۱} جو لوگ خطبہ مسنونہ جمعہ (یا خطبہ ثانیہ) کو مصالح مرسلہ کے تحت لاکر جمعہ کا خطبہ صرف اردو یا کسی مقامی زبان میں پڑھنے کی بات کرتے ہیں، انہیں اس مقام پر غور فکر کر لینا چاہئے۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ شارع کا مقصد یہ ہے کہ عبادات میں سے کسی معاملہ کو بندوں کی رائے وقیاس کے حوالہ نہ کیا جائے۔ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ شریعت کی قائم کردہ حد بندیوں کی پابندی کی جائے۔ شارع کی تحدید پر کوئی زیادتی ''بدعت'' کہلائے گی جس طرح شارع کی تحدید واحکام میں کسی قسم کی کمی کرنا بدعت ہے---!

بہرحال بدعات مصالح مرسلہ کی ضد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ مصالح مرسلہ کا موضوع وہ چیزیں ہیں جو عقل کی گرفت میں آتی ہیں۔ اور تعبدی امور در اصل معقول المعنی نہیں ہیں اس لئے بدعت سازی کا تعلق مصالح مرسلہ سے نہیں ہوسکتا۔ اور مصلحت عامہ کی آڑ لے کر دین میں بدعات ایجاد کرنا انتہائی دھاندلی اور صریح گمراہی ہے---!

بدعات کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہمیشہ ذہن نشین رکھئے۔

ما احدث قوم بدعة الا نزع الله عنهم من السنة مثلها ثم لا يعيدها الى يوم القيامة.

جو لوگ کوئی بدعت ایجاد کر لیتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ اسی جیسی کوئی سنت اٹھا لیتا ہے اور پھر قیامت کے دن تک اس سنت کو انکی طرف واپس نہیں لوٹاتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ خطبہ جمعہ کا تعلق بھی تعبدی امور سے ہے اور تعبدی امور میں مصالحہ مرسلہ کا کچھ کام نہیں ہوتا کیونکہ ان کی تعمیل وادائیگی کسی علت یا مصلحت کی بنا پر نہیں بلکہ صرف احکام خداوندی کی تعمیل میں کی جاتی ہے۔ اگر کوئی امام بلا خطبہ پڑھے نماز پڑھا دیتا ہے تو بالاتفاق نماز باطل ہوگی۔ خطبہ جمعہ کے آداب واحکامات تقریباً حالتِ نماز کی طرح ہیں۔ یعنی بات چیت اور سلام سے مکمل احتراز، سلام کا جواب نہ دینا، چھینک آنے پر الحمدللہ یا یرحمک اللہ وغیرہ کہنے کے بجائے مکمل خاموشی۔ آدابِ خطبہ کی خلاف ورزی کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو تعبدی امور مس ے شمار نہ کرنا کم علمی یا نادانی ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نماز جمعہ کا مقصد ہفتے میں ایک بار مسلمانوں کو جمع کرنا، اور خطبہ سے مراد ان کو وعظ ونصیحت اور خطاب ہے، جس طرح دیگر مواقع پر خطاب عام کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے عربی کے بجائے اردو یا کسی بھی مقامی زبان میں ہونا چاہئے تاکہ لوگ وعظ ونصیحت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔ یہ خیال بہرحال صحیح نہیں۔ آخر نماز بھی تو بندے کی اپنے رب سے گفتگو اور راز ونیاز ہی ہے۔ حدیث نبویؐ میں اسے ''معراج المومنین'' کہا گیا ہے۔ تو کیا کوئی نماز کو بھی ''مصالح مرسلہ'' کا نام دے کر عربی کے بجائے اردو یا کسی مقامی زبان میں ادا کرنے کے بعد مطمئن ہوجائے گا کہ اس کی نماز ادا ہوگئی......؟؟ (ا ع س)

اللہ تعالیٰ نے شریعت کے احکام کو مسلمانوں کے دلوں کی غذا بنایا ہے۔ لہٰذا جب ان کے بجائے دلوں کو بدعت کے اعمال کی غذا دی جائے گی تو ان میں لامحالہ سنت کے امور کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے گی۔ انجام کار قلوب قرآن وسنت کے احکام سے بے بہرہ اور خوفِ خدا سے بے نیاز ہوجائیں گے---!

بدعت کا مفہوم بذاتِ خود اس بات کا فیصلہ کر دیتا ہے کہ ہر بدعت بالعموم مذموم ہے کیونکہ بدعت شریعت کو نظر انداز کر کے اپنی عقل کی بنیاد پر ہی اختراع کی جاتی ہے۔ بقولِ امام شاطبیؒ کے بدعت شارع کی مخالفت میں ایجاد کی جاتی ہے۔ اور یہ بات نہ تو عقلی طور پر صحیح ہوسکتی ہے اور نہ نقلی طور پر کہ شارع کے خلاف ایجاد شدہ چیز قابلِ تعریف سمجھی جاسکے۔ اس لئے ''بدعتِ حسنہ'' کی اصطلاح اپنے لغوی مفہوم سے قطعِ نظر شریعت میں کوئی اصل نہیں رکھتی اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر شریعت یہ کہے کہ فلاں ایجاد شدہ چیز ''بدعت حسنہ'' ہے تو وہ چیز بدعت نہیں رہ جائے گی بلکہ ''مشروع'' بن جائے گی۔

اس کے علاوہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ احادیث میں جہاں کہیں بھی بدعت کی مذمت وارد ہوئی ہے وہاں یہ لفظ ''نکرہ'' (Common Noun) آیا ہے جو اس کے عموم پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا حدیثِ نبویؐ كُلُّ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ کے مطابق ساری بدعات ہی مذموم ہیں۔ اور ان پر عمل کرنا صریح گمراہی ہے۔ کیونکہ حدیث میں کوئی تخصیص اور استثناء نہیں آیا ہے۔ اور از روئے تحقیق یہ بات طے شدہ اور اجماعی ہے کہ ہر بدعت باطل ہے اور کوئی بھی بدعت حق نہیں ہے۔ سلف صالحین یعنی صحابہ کرام وتابعین اور ان سے متصل زمانے والے یعنی تبع تابعین وغیرہ بدعت کی مذمت اور برائی نیز بدعت کے ساتھ کسی طرح کا ربط وتعلق رکھنے والوں سے دُوری اختیار کرنے میں علی الاطلاق وبالعموم متفق تھے تو پھر یہ کہنا کس طرح درست اور حق ہوسکتا ہے کہ فلاں فلاں دین میں نئی ایجاد شدہ چیزیں تو بلا شبہ بدعت اور ضلالت ہیں مگر فلاں نو ایجاد اعمال اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے---؟؟ {۱}

{۱} ''کتاب الاعتصام'' للشاطبیؒ، ج ۱ ص ۱۸۰ تا ۱۸۲۔

بدعت کی حمایت میں جو لوگ موجودہ دور کے بہت سے ایسے کاموں کی مثال دیتے ہیں جو دورِ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانوں میں نہیں تھے۔ جیسے دینی مدرسوں کی تعمیر، مسجد کے میناروں پر یا لاؤڈ اسپیکر سے اذان، چھلنی کا استعمال، ٹیلیفون، موٹر، ریل گاڑی اور دیگر سائنسی ایجادات کا استعمال اور کھانے پینے اور پہننے میں فراخی وغیرہ۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جن مباح چیزوں کے استعمال کا مقصد تعبدی امور سے نہیں ہوتا وہ اس فرمانِ نبویؐ کے تحت آتی ہیں۔

"انتم اعلم بامور دنیاکم" تم لوگ اپنے دنیاوی امور کو زیادہ بہتر جانتے ہو۔

اس حدیث کی روشنی میں قلعے، چھاؤنیوں کا تعمیر کرنا، مدرسے اور مسجد کے مینار بنانا اور ٹیلیفون و موٹر گاڑیوں وغیرہ کے استعمال کا معاملہ صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ دورِ جدید کی سائنسی اور مشینی ایجادات اور روزانہ زندگی میں ان کے استعمال کے علاوہ جدید طریقے پر تیار کردہ اسلحہ اور آلاتِ جنگ کے ذریعہ کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لئے تو ہمیں قرآن مجید سے بھی تائید ملتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:—

وَ اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال: ٦) اور ان کفار کے مقابلہ کیلئے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ قوت (اور آلاتِ حرب) تیار کرتے رہو۔

ظاہر ہے کہ کفار کے خلاف بہتر سے بہتر آلاتِ جنگ اور قوت فراہم کرنے کے لئے جدید ہتھیاروں کا اس دور میں استعمال ناگزیر ہے—! {۱}

{۱} "حوار مع المالکی فی رد منکراتہ وضلالاتہ" للشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع (قاضی عدالت مرافعہ مکۃ المکرمۃ (ص ۱۴۲)

مفاسدِ بدعات

(۱) بدعات کے اعمال میں مبتلا ہونے کے سبب سے عوام و خواص کی توجہ فرائض و سُنن کی طرف سے کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اہل بدعت جس قدر بدعات کی بجا آوری میں متوجہ، حریص اور سرگرم عمل ہوتے ہیں اتنے فرائض، واجبات اور سنن کی ادائیگی میں مستعد نہیں ہوتے—! گویا وہ فعل بدعت کو بطور "عبادت" انجام دیتے ہیں اور فرائض و سنن کو بطورِ عادت و وظیفہ! یہ چیز دین کی الٹ پلٹ ہے۔ اس طرزِ عمل اور ذہنیت کی وجہ سے فرائض اور سنتوں سے حاصل ہونیوالی مغفرت، رحمت، رقت، طہارت، خشوع و خضوع، اجابت و دعوت اور حلاوتِ مناجات جیسے فوائد فوت ہو جاتے ہیں۔ اور اگر بالفرض کلی طور پر نہیں تو بھی ان باتوں کا کمال تو ضرور ہی فوت ہو جاتا ہے—!

(۲) بدعت پر عمل کرنے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ معروف منکر بن جاتا ہے اور منکر معروف! کیونکہ ایسے لوگوں میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے دین سے بُعد، بے رغبتی اور ذہنی لاپرواہی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے بجائے خود ساختہ افعال و اعمال میں سرگشتہ و منہمک رہنے کا جذبہ اور داعیہ ان کے اندر جڑ پکڑ لیتا ہے اور وہ ساری زندگی شرک و بدعات کی سنگلاخ وادیوں میں بھٹکتے ہوئے گذار دیتے ہیں—!

(۳) بدعات پر عمل کرنے والا فرمانِ نبویؐ کے مطابق بہت سی سنتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے، جو ان بدعات کے ارتکاب کی وجہ سے اٹھالی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سنتے ہی انگوٹھے یا انگلیوں کے پور چومنے کی بدعت پر عمل کرنے والوں کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ وہ عام طور پر ذکر رسولؐ کے موقع پر درود شریف خود سے پڑھنے کی سعادت سے عموماً محروم ہی رہتے ہیں الا یہ کہ اس وقت کوئی انہیں تقاضہ کر کے درود شریف پڑھنے کی تلقین کرے۔ جس طرح ان کے جلسوں اور تقاریر کے دوران دیکھا جاتا ہے کہ مقرر بار بار سامعین کو درود شریف پڑھنے کا تقاضہ

کرتا رہتا ہے۔ یہی حال دیگر بدعتوں کا ہے کہ ان کے سبب سے بہت سی سنتوں سے انہیں دائمی محرومی اٹھانی پڑتی ہے۔۔۔!

(۴) بدعات کے اندر ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ان کا ارتکاب کرنے والوں کے قلوب ان کو شیریں اور لذیذ سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی وجہ سے لوگ خرافات اور لغویات کے عاشق اور قرآن وسنت کے احکام سے لاپرواہ اور بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بدعتی حضرات نماز پنجگانہ اور دیگر عبادات سے زیادہ اپنی بدعتوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کی نماز اور دیگر فرائض بھلے ہی فوت ہو جائیں مگر ان کی یہ مرغوب نفس بدعتیں ناغہ نہیں ہوتیں۔۔۔!

(۵) بدعتی حضرات کی طبیعت اتباعِ شریعت کے جوئے سے حصولِ آزادی کی طرف دزدیدہ نگاہی سے دیکھتی ہے اور ایسے لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلنا اور نامساعد حالات میں حق پر جمے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے نفس کے اندر ایک قسم کا کبریا احساس برتری پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے خودساختہ اعمال کو بے حد اہم اور رفیع الشان سمجھتے ہیں جس کے بعد اتباعِ شریعت اور احکامِ عبودیت کی ان کی نگاہ میں وہ قدر وقیمت نہیں رہتی جو حقیقت میں ہونی چاہیے۔ اس طرح ان کی مساعی فکر وعمل کا رخ دین سے ہٹ کر بدعتوں کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اور وہ ان بدعتوں کو ہی اپنا مطمح نظر اور اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔۔۔!

(۶) بدعت کا طرزِ عمل اختیار کرنے کے بعد چونکہ دل اتباعِ نبوی کی طرف مائل نہیں ہوتا اس لئے اہل بدعت کے ایمان میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، جو ان کے دین کو بگاڑ دیتا ہے۔ بدعت کا مرتکب اپنی دانست میں یہی سمجھتا رہتا ہے کہ وہ ان اعمال کے ذریعہ نیکی کما رہا ہے یا دین کی خدمت کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں ضلالت وگمراہی کے غار میں گر رہا ہوتا ہے۔۔۔!

(۷) بدعت کے ارتکاب سے دل سخت اور ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ حدیثِ نبوی میں بدعت کو ضلالت اور گمراہی کہا گیا ہے۔ اور ضلالت، تاریکی وظلمت سے

عبارت ہوتی ہے۔ جبکہ "ہدایت" اس کی عینِ ضد یعنی نور اور روشنی کا نام ہے۔ نور ایک لطیف اور نرم ونازک شے ہے جو نرم ولطیف دلوں میں ہی جاگزیں ہوتی اور اپنا ٹھکانا بناتی ہے۔ بدعت وضلالت چونکہ معصیت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اور مسلسل معصیت ونافرمانی کرنے سے دل سخت ہو جاتے ہیں اس لئے سخت دلوں پر نور ہدایت کا گذر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتی حضرات عموماً حق بات قبول کرنے پر آمادہ اور تیار نہیں ہو پاتے خواہ آپ قرآن وحدیث سے کتنی ہی دلیلیں ان کے سامنے پیش کریں!

بدعتی حضرات کے ہدایت سے محروم ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ان کاموں کو "دین" اور ثواب کا کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا ذہن اور ضمیر ہمیشہ ہی غلط فہمیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اور وہ زندگی بھر صحیح راستہ پر نہیں آیا کرتے۔ الّا یہ کہ وہ ارحم الراحمین ہی کسی کو راہ ہدایت سے نواز دے۔ بلاشبہ وہ ہر شئی پر قادر ہے۔۔۔!

(۸) بدعات ریاکاری کا زینہ اور شرک کا دروازہ ہیں۔ اہل بدعت جو بھی عمل کرتے ہیں ان میں رضاء الٰہی کے بجائے نام ونمود اور فخر ومباہات کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔ اور وہ بدعت کے اعمال ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ وہ اخلاص فی الدین کی صفت سے بالکل ہی محروم اور تہی دامن ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ارکانِ دین اور فرائض وواجبات میں بھی ان کے اندر ریاکاری کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ "ریا" ۔۔۔ جسے حدیث میں شرک اصغر کہا گیا ہے ۔۔۔ جب دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے تو پھر اغوائے شیطانی کے نتیجہ میں انسان بڑی آسانی سے "شرکِ اکبر" میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں سورہ "ص" کے اندر شیطان کا یہ عزم ظاہر کیا گیا ہے جو اس نے رب العالمین کے روبرو قسم کھا کر کیا تھا۔ یعنی قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۔ یعنی تیری عزت وجلال کی قسم! میں آدم کی تمام اولاد کو بہکاؤں گا مگر تیرے مخلص بندوں پر میرا بس نہیں چلے گا۔۔۔! ظاہر ہے کہ "ریا" اخلاص کی ضد ہے۔ جب انسان ریاکاری کا عادی ہو جاتا ہے تو شیطان اس کو آسانی سے اپنی راہ پر لگا لیتا ہے۔۔۔!

ریا کاری کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خوف خدا دل سے مٹا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اہل بدعت کو ان کے مبینہ شرک و بدعت پر متنبہ کیا جائے تو وہ قرآن و حدیث کے احکام سن کر خوفِ خدا سے لرزہ بر اندام ہونے اور توبہ کرنے کے بجائے اپنے ان افعال کی تاویلیں کرنے لگتے ہیں اور حق بات سن کر چراغ پا ہو جاتے ہیں اور ضد میں آ کر ان شرک و بدعت کے قبیح افعال کو اور زیادہ سختی سے اور علی الاعلان کرنے لگتے ہیں ــــ!

(۹) بدعت کے مرتکب لوگوں کے چہروں سے صالحیت کا نور ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے کتنے ہی بڑے عبادت گذار، علامہ اور شرعی وضع و قطع کے پابند اشخاص کو دیکھ لیجئے، رقت و انابت الی اللہ کے آثار دُور، دُور تک ان میں نظر نہیں آئیں گے بلکہ اس کے برعکس بغض و قساوت اور کبر و عداوت کے تاثرات ان کے چہروں کے نقوش پر نمایاں نظر آئیں گے۔ الا ماشاء اللہ۔ صحیح حدیث میں مومن کی منجملہ دیگر صفات کے ایک صفت یہ بھی وارد ہوئی ہے یعنی المؤمن برٌّ کریمٌ مومن سیدھا سادھا اور کریم النفس یعنی بھولا بھالا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس فاسق کے بارے میں حدیثِ نبویؐ کے الفاظ ہیں کہ الفَاسِقُ خِبٌّ لَئِیْمٌ۔ یعنی فاسق انسان شاطر و چالاک اور کینہ پرور ہوتا ہے۔ اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں اگر اہل بدعت پر نظر کی جائے تو ان کی اکثریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی اس مومنانہ پہچان سے عاری ہی ملے گی اس کے برعکس بغض و کینہ، فتنہ پروری، فریب و دجل اور چالبازی ان کے اکابر علماء سے لیکر عوام الناس تک کے کردار و عمل پر چھائی نظر آئے گی جو ان کے خوفِ خدا اور آخرت کی باز پرس سے بے نیازی کا ثبوت ہے ــــ!!

(۱۰) اہل بدعت ''نور ہدایت'' سے محروم اور سر چشمۂ ہدایت و نجات قرآن و حدیث کے صحیح فہم سے قطعی عاری اور بیگانہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا سرمایۂ فکر و خیال قرآن و سنت کے بجائے اہل تشیع کی تدسیس کردہ اولیاء تصوف کی کتابیں ہوتی ہیں اور وہ اپنے مبتدعانہ اعمال کے لئے انہیں کتابوں کو بطورِ دلیل پیش کرنے کے عادی ہوتے ہیں اس لئے ان کی ذہنی پرواز اپنے اپنے خانقاہی بزرگوں کی پیروی تک ہی محدود ہو گی اور وہ اپنی نجات اور فوز و فلاح کے حصول کے لئے ایسے لوگوں کے دامن میں پناہ کے متلاشی اور

سرگرداں نظر آتے ہیں جن کو قرآن مجید میں عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ کہا گیا ہے۔ اس طرح وہ رب العالمین کے عفو و کرم اور رحمت و مغفرت سے مایوس ہو کر اپنے محور فکر مشائخ تصوف کے در کے گدائی ہونے کے ساتھ ساتھ غوث و اقطاب اور دیگر اولیاء تصوف کی خدائی کے قائل اور ان کی نگاہِ کرم کے محتاج اور تمنائی بن جاتے ہیں ــــ! اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی کتابوں میں موجود اہل تشیع کے داخل کردہ شرکیہ عقائد کو درست مان کر مشرکانہ اعمال و رسوم کے عادی بن جانے کے نتیجہ میں دین حنیف سے بیگانہ اور اس کے شیدائیوں سے برگشتہ و بے زار ہو جاتے ہیں ــــ!!

(۱۱) بدعات پر عمل کرنے سے ذہن و گمان فاسد ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ایلوے کی ذرا سی مقدار شہد یا کسی بھی مشروب کو کڑوا کر دیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح اسلام کے چشمۂ صافی میں بدعت کی کدورت اور گندگی شامل کر دینے سے ذہن و گمان بدبودار اور فاسد ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ کسی ذہنی مریض کی طرح اپنے علاوہ ہر ایک کے ایمان و عمل کو بلا کسی شرعی ثبوت اور عقلی دلیل کے نہ صرف یہ کہ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ اپنے کبرِ نفس اور پندارِ بدعت کے باعث بلا تکلف اور بے جھجک دوسروں کو کافر و اکفر اور اسلام سے خارج کہنے سے دریغ نہیں کرتے ــــ!

اہل بدعت چونکہ فرمانِ رسولؐ کے مطابق ضلالت و گمراہی کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوتے ہیں اور منزل ہدایت ان سے بہت دُور، اور نظروں سے اوجھل ہوتی ہے اسلئے وہ اپنی ذہنی انتشار اور پراگندہ مزاجی کے سبب ہر اس شخص کو جو انہیں سیدھا راستہ بتانے اور منزل کی طرف رہنمائی کرنے کی کوشش کرتا ہے، بدگمانی سے دیکھتے ہیں اور اسے راہزن تصور کر کے اس کے خلاف اول فول بکنے لگتے ہیں۔ ٹھیک اس مریض کی طرح جو بخار میں مبتلا ہو، اس کو جو بھی عمدہ سے عمدہ غذا دی جائے گی اسے کڑوی ہی معلوم ہو گی۔ اسکے برعکس وہ چٹپٹی اور تیز مصالحہ دار چیزوں کا خواہش مند ہوتا ہے خواہ وہ اسکے معدہ و اعصاب کو چوپٹ ہی کیوں نہ کر کے رکھ دیں ــــ! اہل بدعت کا بھی یہی طرزِ عمل ہے۔ قرآن و حدیث کی سادہ اور مفید باتیں اور شرعی دلائل ان کے حلق سے نہیں اترتے بلکہ وہ انہیں کڑوے

اور کسیلے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مشہور حدیث ہے "الحق مُرٌّ" یعنی حق بات کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس انہیں بدعت کے چٹ پٹے اعمال انتہائی لذیذ خوش ذائقہ اور حسین ودلفریب لگتے ہیں۔ چاہے اس کے نتیجہ میں جہنم کے عذاب کا مزہ ہی ان کو آخرت میں کیوں نہ چکھنا پڑے مگر وہ ان کو چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے—!

(۱۲) بدعت شر وفساد، ہٹ دھرمی اور فریب کاری کی جنم داتا ہے۔ اہل بدعت کے پاس چونکہ اپنے وضع کردہ اعمال کی تائید میں قرآن وحدیث کے واضح دلائل نہیں ہوتے اس لئے وہ قرآن وسنت کے صریح احکام کے مقابل، اپنے اعمالِ بدعت کے دفاع میں مجہول صوفیاء کے اقوال اور ان کا طرزِ عمل، غیر معروف علماء اور اصحابِ فکر ودانش کی کتابوں کے حوالہ پیش کرتے ہیں پھر ان کی بات وزن دار بنانے کے لئے ان لوگوں کی تعریف اور مرتبہ میں حد سے زیادہ مبالغہ آرائی اور زمین آسمان کے قلابے ملائے بغیر کام نہیں چلتا۔ اس طرح ان لوگوں کو انتہائی درجے کا ولی، غوث اور قطب الاقطاب کا خطاب دے کر ان کو پہلے کارساز ومطاع بنایا جاتا ہے، پھر انہیں خدائی کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اس طریقے سے ان "بزرگوں" سے منسوب کردہ ہر بات عوام کی نگاہوں میں اس قدر اہم اور باوقعت بن جاتی ہے کہ قرآن وحدیث کے واضح احکام سے ٹکّر لے سکے—! اگر پھر بھی کچھ لوگوں کے ذہنوں میں آخرت کی بازپرس کا تھوڑا بہت خدشہ باقی رہ جائے تو اس کے تدارک کے لئے ان خودساختہ اولیاء کو نظمِ کائنات میں دخیل اور میدانِ حشر میں اس قدر بااختیار اور اللہ کے مقابلہ میں جری ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے جس نام لیوا کو چاہیں، اس کی طویل فردِ معاصی کے باوجود، ہاتھ پکڑ کر جنّت میں داخل کردیں اور اللہ تعالیٰ کا قانونِ احتساب مُنہ دیکھتا رہ جائے—!!

اہل بدعت شر وفساد کس طرح پھیلاتے ہیں اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ مسلم عوام کی عام نفسیات یہ ہے کہ باوجود اپنی تمام تر بے عملی اور بداعمالیوں کے، چونکہ وہ کلمہ طیبہ پر ایمان ویقین رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور والہانہ عقیدت ایمان کا خاصہ ہے۔ اس لئے ان کو بھڑکانے کے لئے انہیں صرف اتنا ہی باور کرادینا کافی

ہے کہ فلاں شخص یا گروہ رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانتا یا اولیاء اللہ کی عظمت کا قائل نہیں......! عوام الناس کی بڑی اکثریت چونکہ قطعی جاہل اور قرآن وسنت کی تعلیمات اور احکام سے بے بہرہ ہوتی ہے، وہ ان گندم نما جوفروش "علماء بدعت" کی پر فریب چالوں اور لچھے دار باتوں میں بڑی آسانی سے آجاتی ہے اور حبِّ رسولؐ اور عقیدتِ اولیاء کے معصوم جذبات کی رو میں بہہ کر ان تمام توحید پرستوں اور اسلام کے شیدائیوں کے خلاف صف آراء ہوجاتی ہے جو شرک وبدعت کی مذمّت میں آواز اٹھاتے ہیں۔ اس طرح عوام کے جذبات مشتعل کرکے یہ لوگ جنگ وجدال اور شر وفساد کا ماحول پیدا کردیتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی باہمی سر پھٹول اور نفرت وعصبیت کے سہارے یہ لوگ اپنی شرک وبدعت کی "دوکان" اچھی طرح جمالیتے ہیں اور پھر عرس، نیاز، فاتحہ، گیارہویں، تیجہ، دسویں، چہلم، اور میلاد ومحرم کے بہانے یہ عوام کی جیبیں خالی کراکے اپنی تجوریاں اور تن وتوش کو مسلسل بڑھاتے رہتے ہیں—!

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلامٌ

على المرسلين والحمد لله رب العالمين

اللّٰهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔

ابوعدنان سہیل

بہیڑی، ضلع بریلی ۳ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

(بروز جمعۃ المبارک)

فہرست مآخذ

• قرآن وتفسیر

(۱) قرآن مجید — تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ
(۲) تفسیر خازن — علامہ علاء الدین ابوالحسن بن ابراہیم بغدادی
(۳) تفسیر قرطبی — علامہ قرطبیؒ
(۴) تفسیروں میں اسرائیلی روایات — مولانا نظام الدین اسیرادروی (الجمعیۃ بکڈپو دہلی)
(۵) اسرائیلیات فی التفسیر والحدیث — مولانا نظام الدین اسیرادروی (الجمعیۃ بکڈپو دہلی)
(۶) الاتقان فی علوم القرآن — علامہ جلال الدین السیوطیؒ

• کتب حدیث وفقہ

(۷) صحیح البخاری — امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ (المتوفی: ۲۵۶ھ)
(۸) صحیح المسلم — امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (المتوفی: ۲۶۱ھ)
(۹) سنن ابوداؤد — امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعثؒ (المتوفی: ۲۷۵ھ)
(۱۰) جامع ترمذی — امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ (المتوفی: ۲۷۹ھ)
(۱۱) سنن نسائی — امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار نسائیؒ
(۱۲) سنن ابن ماجہ — امام ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینیؒ
(۱۳) مشکوٰۃ المصابیح — شیخ ولی الدین محمد بن الخطیب التبریزیؒ
(۱۴) مؤطا امام مالک — امام دارالہجرت امام مالک بن انسؒ
(۱۵) سنن دارمی — امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندیؒ
(۱۶) مسند احمد — امام احمد بن حنبلؒ

(۱۷) سنن الکبریٰ — امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ
(۱۸) مستدرک حاکم — امام حاکمؒ
(۱۹) معجم طبرانی — للطبرانیؒ
(۲۰) مجمع الزوائد — حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ
(۲۱) دلائل نبوت — امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ
(۲۲) عمدۃ القاری — علامہ بدرالدین عینیؒ
(۲۳) الموضوعات کبیر — ملا علی قاری حنفیؒ
(۲۴) تذکرۃ الموضوعات — علامہ جلال الدین السیوطیؒ
(۲۵) اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ — علامہ جلال الدین السیوطیؒ
(۲۶) درِ مختار — علامہ علاء الدین حصکفیؒ
(۲۷) تحریر المختار علیٰ در المختار — شیخ عبدالقادر رافعیؒ
(۲۸) فتاویٰ شامی — علامہ ابن عابدین شامیؒ
(۲۹) فتاویٰ عزیزی — شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ
(۳۰) مالابدمنہ — قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

• کتب تواریخ

(۳۱) تاریخ ابن اثیر (الکامل فی التاریخ) — علامہ ابن اثیرؒ
(۳۲) تاریخ الامم والملوک — الطبریؒ
(۳۳) تاریخ اسلام — اکبر شاہ نجیب آبادی
(۳۴) موسوعۃ التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیۃ، ڈاکٹر احمد شبلی
(۳۵) اضواء علی الخلیج العربی — ڈاکٹر ابراہیم الشریفی
(۳۶) تاریخ المذاہب الاسلامیہ — شیخ محمد ابوزہرہ
(۳۷) تاریخ الشعوب الاسلامیہ — بر کلمین
(۳۸) البدایہ والنہایہ — علامہ ابن کثیر دمشقیؒ

(۳۹) ایران کی ادبی تاریخ — پروفیسر محب الحسن

(۴۰) تاریخ خلافت بنی فاطمہ — ڈاکٹر اولیری

(۴۱) داستانِ قاہرہ — اسٹینلی لین پول (مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء)

(۴۲) کشمیر زیر نگیں سلاطین — پروفیسر براؤن

(۴۳) باب کی نئی تاریخ — پروفیسر براؤن

(۴۴) تاریخ تصوف — پروفیسر یوسف سلیم چشتی (لاہور پاکستان)

(۴۵) تاریخ خاندانِ برکات — سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں برکاتی مارہروی (مطبوعہ کراچی)

کتب تصوف

(۴۶) التصوف الاسلامی — ڈاکٹر ذکی مبارک (مطبوعہ مصر)

(۴۷) قوت القلوب — شیخ ابو طالب مکیؒ

(۴۸) کشف المحجوب — شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ

(۴۹) فصوص الحکم — شیخ محی الدین ابن عربی

(۵۰) سیر الاولیاء — میر خورد دہلوی سید محمد بن مبارک علوی

(۵۱) نظام القلوب — شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادیؒ

(۵۲) ولایت نامہ — ملا سلطان محمد گنابادی

(۵۳) جوامع الکلم — سید بندہ نواز گیسودراز

(۵۴) جواہر غیبی — سید مظفر علی شاہ چشتی (نول کشور پریس لکھنو، ۱۸۸۷ء)

(۵۵) رسالہ قشیریہ — شیخ ابو القاسم قشیریؒ

(۵۶) حقائق ومعارف القدر — سید سلامت اللہ قادری

(۵۷) الکوکب الدریہ — عبد الرؤف مناوی (مطبوعہ مصر: ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء)

(۵۸) التعرف لمذہب اہل تصوف — ابوبکر کلابازی (مطبوعہ قاہرہ: ۱۳۸۰ھ)

(۵۹) مذہب اور باطنی تعلیم — پروفیسر مرزا محمد سعید

(۶۰) تاریخ تصوف — پروفیسر یوسف سلیم چشتی (لاہور، پاکستان)

(۶۱) اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش — پروفیسر یوسف سلیم چشتی (دہلی)

(۶۲) اولیاء اللہ — سید احمد عروج قادری (دہلی)

(۶۳) شطحات الصوفیاء — عبد الرحمٰن بدوی (طبع بیروت ۱۹۷۶ء)

(۶۴) درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ — ڈاکٹر جے، کے برج (مطبوعہ ہارٹ فرڈ یو ایس اے (امریکہ) ۱۹۳۷ء)

(۶۵) فضائح الصوفیہ — شیخ عبد الرحمٰن عبد الخالق (مطبوعہ: کویت ۱۴۰۴ھ)

(۶۶) نتائج افکارِ قدسیہ — سید مصطفیٰ عروسی

(۶۷) مکتوبات امام ربانی — حضرت مجدد الف ثانیؒ (مطبوعہ: کانپور ۱۹۰۶ء)

(۶۸) مکتوبات صدی — مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (لکھنو: ۱۲۸۷ھ)

(۶۹) روضۃ القیومیہ — محمد احسان مجددی خلیفہ قیوم رابع

دیگر کتب

(۷۰) منہاج السنۃ — شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ

(۷۱) مطالعہ بریلویت — علامہ ڈاکٹر خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی مانچسٹر انگلینڈ (طبع دیوبند)

(۷۲) بریلویت طلسم فریب یا حقیقت؟ — ڈاکٹر ابو عدنان سہیل (شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند)

(۷۳) اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات — ڈاکٹر ابو عدنان سہیل دار الداعی للنشر والتوزیع ریاض (سعودی عرب)

(۷۴) انکار رجم ایک فکری گمراہی — ڈاکٹر ابو عدنان سہیل نظام الدین برادرس بمبئی

(۷۵) اذکارِ تصوف اور تزکیہ نفس ایک تجزیاتی مطالعہ — ڈاکٹر ابو عدنان سہیل (زیر طبع)

(۷۶) کتاب الاعتصام — علامہ ابو اسحاق الشاطبیؒ (مطبعۃ المنار مصر: ۱۳۳۲ھ)

(۷۷) کشف الظنون — ملا چلپیؒ

(۷۸) شرح مقاصد — علامہ سعد الدین تفتازانیؒ

(۷۹) شرح ام البراہین — شیخ محمد سنوسیؒ

(۸۰) الیواقیت الجواہر — علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ

(۸۱) تلبیس ابلیس — علامہ ابن جوزیؒ (قاہرہ: ۱۳۶۹ھ)

(۸۲) صواعق محرقہ — علامہ ابن حجر مکیؒ

(۸۳) فتوح الغیب — شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ

(۸۴) قرۃ العیون الموحدین — شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ (مطبوعہ: لاہور پاکستان)

(۸۵) المہند علی المفند — مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ

(۸۶) شرح اشباہ والنظائر — للحمویؒ

(۸۷) نسیم الریاض (شرح شفاء) — علامہ شہاب الدین خفاجیؒ

(۸۸) شرح شفاء — ملا علی قاریؒ

(۸۹) تجلیات انوار معین — مولانا معین الدین اجمیریؒ

(۹۰) رزم شیریں چاہِ شور — مجلس علماء رام پور (شائع کردہ: انجمن اختر الاسلام ۱۳۳۲ھ پیلی بھیت)

(۹۱) انکشافِ حق — مفتی خلیل احمد بدایونی (طبع: بمبئی)

(۹۲) کمالاتِ رحمانی — .... (مطبوعہ آزاد پریس پٹنہ)

(۹۳) حوار مع المالکی فی ردّ منکراتہ وضلالاتہ — للشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع (قاضی عدالت مرافعہ مکہ مکرمہ)

(۹۴) بریلویت — علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید (مطبوعہ: رچھا بریلی)

(۹۵) کتاب التوحید — محمد بن عبدالوہاب تمیمیؒ (لاہور: پاکستان)

(۹۶) مصباح اللغات — ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ

بریلوی کتب

(۹۷) فتاویٰ رضویہ — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۹۸) فتاویٰ افریقہ — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۹۹) الامن والعلیٰ — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۱۰۰) خالص الاعتقاد — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۱۰۱) احکامِ شریعت — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۱۰۲) تمہید الایمان — جناب احمد رضا خاں بریلوی (ادارہ تحقیقات امام احمد رضا بھیڑی)

(۱۰۳) حدائق بخشش (مجموعہ کلام) — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۱۰۴) ازمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۱۰۵) الطاری الداری بہفوات عبدالباری — جناب احمد رضا خاں بریلوی

(۱۰۶) عرفانِ شریعت (مجموعہ ملفوظات) — جناب احمد رضا خاں بریلوی (مرتب کردہ عرفان علی بیسل پوری)

(۱۰۷) الملفوظ (مجموعہ ملفوظات) — جناب احمد رضا خاں بریلوی (مرتب کردہ مصطفیٰ رضا خان)

(۱۰۸) شمع شبستانِ رضا (مجموعہ عملیات) — جناب احمد رضا خاں بریلوی (مرتبہ: اقبال احمد نوریؔ) رضا دار الاشاعت بہیری

(۱۰۹) سوانح اعلیٰ حضرت — قاری احمد پیلی بھیتی

(۱۱۰) حیات اعلیٰ حضرت — مانا شاہ قادری

(۱۱۱) المیزان "بمبئی" — امام احمد رضا خاں نمبر

(۱۱۲) بہار شریعت — مولوی امجد علی گھوسوی

(۱۱۳) جاء الحق — مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی

(۱۱۴) احکامِ قبور المومنین (رسالہ رضویہ) مطبوعہ پاکستان

(۱۱۵) شرح الاستمداد	مصطفیٰ رضا خاں فرزند احمد رضا خاں صاحب
(۱۱۶) حکایاتِ رضویہ	خلیل احمد برکاتی
(۱۱۷) شمع ہدایت	حشمت علی خاں قادری رضوی
(۱۱۸) مواعظ نعیمیہ	مفتی احمد یار خاں گجراتی
(۱۱۹) دیوانِ محمدی	محمد یار خاں گڈھی بختیار خاں
(۱۲۰) ہفت اقطاب	مولوی غلام جہانیاں
(۱۲۱) رسالہ نذرانہ عرس	مولانا عبد الصمد مقتدری
(۱۲۲) حسام الحرمین	احمد رضا خاں بریلوی
(۱۲۳) الکوکبۃ الشہابیہ	احمد رضا خاں بریلوی
(۱۲۴) سبحان السبوح	احمد رضا خاں بریلوی

شیعی کتب

(۱۲۵) الجامع الکافی	ابو یعقوب کلینی رازی (مطبوعہ: طہران)
(۱۲۶) حیات القلوب	ملا باقر مجلسی اصفہانی (مطبوعہ: طہران)
(۱۲۷) حق الیقین	ملا باقر مجلسی اصفہانی (مطبوعہ: طہران)
(۱۲۸) من لا یحضرہ الفقیہ	ابن بابویہ قمی (مطبوعہ: طہران)
(۱۲۹) احقاق الحق	قاضی نور اللہ شوستری (مطبوعہ: طہران)
(۱۳۰) مجالس المومنین	قاضی نور اللہ شوستری (مطبوعہ: طہران)
(۱۳۱) الحکومۃ الاسلامیۃ	آیت اللہ روح اللہ الخمینی (مطبوعہ: طہران)
(۱۳۲) رجال الکشی	ابو عمر حمد بن عبد العزیز (طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ)
(۱۳۳) رسالہ در حقیقت دین	امام شہاب الدین شاہ نزاریہ
(۱۳۴) خطبۃ البیان	امام شہاب الدین نزاریہ (مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء)
(۱۳۵) دار النظیم	عبد اللہ بن یافعی یمنی (نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۵ء)
(۱۳۶) تفسیر صافی	علامہ قزوینی (مطبوعہ طہران)

●●●